۲۱

ششماہی کتابی سلسلہ

قندیلِ سلیمان

جولائی تا دسمبر ۲۰۱۹ء

نظامیہ دارالاشاعت خانقاہ معلیٰ حضرت مولانا محمد علیؒ مکھڈی ۔ مکھڈ شریف (اٹک)

بہ فیضان

حضرت خواجہ شاہ محمد سلیمان تونسویؒ

بہ یادگار

حضرت مولانا محمد علی مکھڈیؒ

علم وعرفان کا ترجمان

ششماہی کتابی سلسلہ

قندیلِ سلیمان

جولائی تا دسمبر ۲۰۱۹ء

شمارہ: ۲۱

نظامیہ دارالاشاعت

خانقاہِ معلیٰ حضرت مولانا محمد علیؒ مکھڈی۔ مکھڈ شریف۔ اٹک

ہدیہ: سالانہ: ۱۰۰۰ روپے فی شمارہ: ۵۰۰ روپے

رابطہ : مدیران: 0343-5894737 / 03468506343 / 03335456555

e-mail: sajidnizami77@gmail.com

فہرستِ مندرجات

گوشۂ عقیدت:

خیابانِ مضامین:

تراجم:

سفرنامہ:

مکالمہ:

☆☆☆☆

اداریہ

حضرت نظام الدین محبوبِ الٰہیؒ نے فرمایا: جو بھی دُنیا کی لگاوٹ سے دور رہے گا معزز ہوگا۔اور اگر کوئی دُنیا کی لگاوٹ کے باوجود معزز ہو تو اس کی عزت عارضی ہوگی۔اس کے بعد یہ دو مصرعے زبان مبارک پر آئے۔

تا پاک نگردی بتو آتش ندہند
تا خاک نگردی بتو آبش ندہند

جب تک تو پاک نہ ہو جائے تجھے آگ (سوزِ عشق) نہ دیں گے۔جب تک تو خاک نہ ہو جائے پانی نہیں دیں گے۔

لذاتِ دُنیا کی لگاوٹ نے آج دُنیا میں بسنے والوں کی حالت عجب بنادی۔ہم اپنا آپ بھول گئے۔اپنے خالق کی پہچان سے عاری ہوئے۔ہوسِ زر نے ہمیں کہیں کا نہ چھوڑا۔پھر یوں ہوا کہ ہمیں خوف کے عذاب میں مبتلا کر دیا گیا۔آج دُنیا بھر میں ہر طرف خوف کی فضا ہے۔ایک انجانا خوف۔حقیقت سے رُوگردانی کا خوف۔زندگی کا خوف۔زندگی کے انجام کا خوف۔عرفانِ ذات کا خوف۔خوف زدگی کے اس عالم میں نہ جانے ہمیں کہاں تک بھٹکنا ہے۔ہمیں کس مسیحا کی تلاش ہے؟

دُنیا کی رنگینی و بے ثباتی ہمیں کس زُعم میں مبتلا کیے ہوئے ہے۔ہم "ہمہ دانی" کا ڈھنڈورا پیٹتے پیٹتے تھک چکے ہیں۔لیکن آج تک کسی ایک راز کی حقیقت تک پہنچنا تو درکنار، اُس کے سربستہ رازوں کا ادراک بھی ہمارے بس کی بات نہیں۔ہاں، گمان کی تاریک وادی میں بے سروسامانی کے عالم میں بھٹکنا ہمارا نصیب ٹھہرا۔وجہ صاف ظاہر ہے۔ہمارا زُعمِ باطل۔ذوقِ ہمہ دانی کا پرچار۔وگرنہ حقیقت سراسر اس کے اُلٹ ہے۔سرائے مولا (احوال و اقوال شیخ ابوالحسن خرقانیؒ) کی منظوم ترجمانی کرتے ہوئے ڈاکٹر معین نظامی لکھتے ہیں۔

کمال علم یہی ہے کہ علم والے کو
ہمیشہ اپنی جہالت کا اعتراف رہے
یہ اعتراف بھی رسمی نہ ہو

حقیقی ہو

اور اس پہ ثبت ہوں

تصدیقِ قلب کی مُہریں

o

قندیل سلیمان کا اکیسواں شمارہ پیش خدمت ہے۔ اس شمارے میں حسبِ روایت صاحبانِ علم وفن کی تحریریں اہلِ نظر کے ذوق کو جلا بخشیں گی۔ تحقیق وجستجو اور نقدِ فن کے اس سفر میں جن صاحبانِ علم وادب کی قلمی معاونت رہی وہ ہمارے لیے مینارۂ نور ہیں۔ قارئین یقیناً اُن کے شذرات سے استفادہ حاصل کریں گے۔

مدیر

حمدِ مالکِ واحد

(در اردوئے معرا)

شوکت محمود شوکتؔ

واسطے اللہ کے ہے مدحِ کل
کس طرح ہو آدمی سے مدحِ کل

دل سے آئے ہے صدائے مدحِ کل
راس آئی ہے ہوائے مدحِ کل

ہو رہا ہے عطر سا سارا سماں
ہو رہی ہے ہولے ہولے مدحِ کل

اہلِ عالم کو سکوں اس سے ملا
عام ہے ہر سُو عطائے مدحِ کل

اسمِ اطہر ہے مرے وردِ لساں
دردِ ہر سے دور رکھے مدحِ کل

اس طرح مسعود ہے عمرِ رواں
ہر گھڑی ، ہر لحہ ہووے مدحِ کل

حوصلہ دے وہ دلِ محمود کو
مالکِ واحد کی لکھے مدحِ کل

☆☆☆

نعتِ رسول مقبول ﷺ

ارشد محمود ناشاد

ذرۂ خاک ہوں میں، رشکِ نگیں ہو جاؤں
کاش! سرکار کی بستی کا مکیں ہو جاؤں

تیری گلیوں میں پھروں' تیرا مدینہ دیکھوں
میں بھی دانندۂ فردوسِ بریں ہو جاؤں

تیرے رستے پہ چلوں اور خدا تک پہنچوں
تیری سیرت کو پڑھوں' واقفِ دیں ہو جاؤں

خاکِ پا تیری مرے چہرے کا غازہ ہو جائے
تیری نسبت کے اُجالے سے حسیں ہو جاؤں

تیری دوری' سے نہیں کچھ بھی یہ جز وہم وگماں
تیرے الطافِ نظر سے میں یقیں ہو جاؤں

تیرے خدام کی پا بوسی کی عزت مل جائے
اے خوشا ! میں ترا دہلیز نشیں ہو جاؤں

گرچہ عاصی ہوں مگر دِل میں طلب ہے مولا !
صفِ محشر میں کہیں تیرے قریں ہو جاؤں

☆☆☆

چراغِ چشت کرم آسماں نظام الدیں

صاحبزادہ محمد لطیف ساجد چشتی

چراغ چشت کرم آسماں نظام الدیں
ترے فرید کا روشن نشاں نظام الدیں

خدا کے دین کی تبلیغ میں رہے مصروف
نبی کے عشق سے ہیں جاوداں نظام الدیں

جہان بھر کے سلاطیں وہاں ہیں رکھتے سر
قدم ہیں آپ نے رکھے جہاں نظام الدیں

ترے وجود سے دہلی دلوں کا مسکن ہے
بہار خلد ترا آستاں نظام الدیں

تمہارے در سے ہے "اقبال" کو ملا اقبال
ہے قبلہ گاہِ صفِ صوفیاں نظام الدیں

عطا غلامی کی نسبت ہے مجھ کو ورثہ میں
غموں سے دیجئے مجھ کو اماں نظام الدیں

ہوائے تند نہ مغلوب کر سکی جس کو
عزیمتوں کی ہے وہ داستاں نظام الدین

دوائے خستہ دلاں ذکر ہے ترا ساجد
ہے نام تیرا مرے حرز جاں نظام الدیں

☆☆☆

قسط سوم

مخطوطات فارسی کتب خانہ مولانا محمد علی مکھڈی

(ذخیرۂ مولانا احمد الدین مکھڈی) مکھڈ، ضلع اٹک

ڈاکٹر عارف نوشاہی☆

(مخطوطات 61 تا 90)

61. اسرار الغیوب / شرح مثنوی مولوی

شارح: مُلا ایوب لاہوری پارسا (م: ۲۱ جمادی الثانی ۱۱۵۵ھ)

تاریخ شرح: ۱۱۲۰ھ/ ۱۷۰۸ء

آغاز: **جمله حمد لا یحصی و ثناء لا ینتهی مر ملکی را که نَی وجود عشّاق در خلوت کدهٔ وحدت نغمه سرایی واحدیت اوست.**

☆ نستعلیق، گل حسین ولد حافظ میاں قل احمد ولد حافظ یار محمد، ۱۱ ذی الحجہ ۱۲۶۲ھ، برائے قاضی غلام محی الدین متوطن کالا باغ، ۱۳۹ ورق، صرف دفتر اول پر مشتمل ہے۔

62. مثنوی مولوی

مولف: مولانا جلال الدین محمد بلخی رومی۔

☆ مثنوی شریف کا یہ نسخہ خط تعلیق قدیم میں ہے۔ اس کے کاتب ابراہیم بن درویش خیالی ہیں۔ یہ کتابت انھوں نے غویدین میں کی جو نسف (ازبکستان) کا ایک گاؤں ہے۔ غویدین کو پرانی کتابوں میں غوبدین بھی لکھا گیا ہے۔ ہر دفتر کی تاریخ کتابت الگ الگ ہے۔ دفتر اول: اواخر شوال ۸۲۹ھ؛ دفتر دوم: ذیقعدہ ۸۲۹ھ؛ دفتر سوم: اواسط ذی الحجہ ۸۲۹ھ؛ دفتر چہارم: محرم ۸۳۰ھ؛ دفتر پنجم ناقص الآخر ہے اور دفتر ششم بالکل نہیں ہے۔

☆ ادارۂ معارف نوشاہیہ، ۶۹ ماڈل ٹاؤن، ہمک، اسلام آباد

(arifnaushahi@gmail.com)

63. مجموعہ:

۱.شرح سہ نثر ظہوری، ورق ۱-۱۸۰

شارح: امام بخش صہبائی دہلوی.

تاریخ شرح: ۱۲۶۰ھ

۲. فرہنگ محاورات فارسی، ورق ۱۸۲-۲۱۰

مولف: نامعلوم، اسلوب سے معلوم ہوتا ہے کہ برصغیر کا رہنے والا ہے۔

فارسی محاوروں کی فرہنگ ہے۔ شواہد متقدم، متوسط اور متاخر شعرا سے پیش کیے ہیں۔

☆نستعلیق، بلا نام کاتب و تاریخ کتابت.

64. پندنامہ/عطارنامہ

مولف: منسوب بہ فریدالدین عطار.

☆نستعلیق، برائے قطب آہنگر (لوہار) ساکن روکھ، ۱۹۶۶ بکرمی، ۳۱ ورق. عام طور پر یہ نظم پندنامہ نام سے مشہور ہے اس نسخے میں کاتب نے اسے عطارنامہ لکھا ہے.

65. شرح دیوان حضرت علی

شارح: حسین بن معین الدین میبدی.

آغاز: سپاس سعادت اساس وشکر عبادت لباس معبودی را کہ اعلام نبوت وولایت درمیدان فتوت وہدایت برافراشت.

☆نستعلیق، محمد حفیظ اللہ بن نورالزمان بن شیخ احمد ہاشمی، ساکن عیسی خیل، ۱۸ ارجب ۱۳۰۸ھ، بحکم مرشدنا محمد غلام محی الدین، ۲۳۸ ورق.

66. دیوان خاقانی شروانی

مولف: افضل الدین بدیل خاقانی شروانی.

قصاید اور غزلیات کا مجموعہ ہے.

آغاز: دل من پیر تعلیم است و من طفل زبان دانش/...

☆نستعلیق واضح، دسویں صدی ہجری، ناقص الآخر، ۳۴۰ ورق.

67. مجموعہ:

۱.غذا المحبین وسم المعاندین

خواجہ اللہ بخش تونسوی (م: ۲۹ جمادی الاول ۱۳۱۹ھ) کے ملفوظات ہیں.

مرتب: حافظ نور محمد مکھڈی.

تاریخ ترتیب: صفر ۱۳۱۴ھ

ملفوظات فارسی زبان میں ہیں لیکن صاحب ملفوظات نے اپنی گفتگو میں جو اردو/پنجابی الفاظ اور اشعار صادر فرمائے، مرتب نے انھیں بلفظہٖ قلم بند کر لیا ہے.

آغاز: الحمدللہ الذی جعل رئیس المقربین وانیس المتوکلین.

☆نستعلیق، ناقص الآخر، ۳۲۳ صفحات.

۲.رسالہ ازالۃ الجہالۃ

مولف: نامعلوم. لیکن مصنف نے آخر میں جو شجرۂ چشتیہ لکھا ہے وہ خواجہ حامد المولی کے نام پر ختم ہوا ہے.

یہ رسالہ خواجہ اللہ بخش تونسوی کے صاحبزادے اور سجادہ نشین حافظ محمد موسی تونسوی (۱۲۶۸-۱۳۲۳ھ) کے حالات اور سانحہ ارتحال پر ہے.

آغاز: الحمدللہ جعلنا من امۃ افضل انبیایہ... امابعد فہذہ نبذۃ من احوال.

☆نستعلیق، ورق ۱۶۶ب-۱۷۱الف

68. شرح اسکندرنامہ

شارح: محمد بن غلام محمد گھوی.

نظامی گنجوی کی مثنوی اسکندرنامہ کی شرح ہے.

☆نستعلیق، حافظ اللہ جوایا مہاروی، ۲۰ محرم ۱۲۸۹ھ، ۲۳۰ ورق.

69. شرح یوسف وزلیخا

شارح: محمد بن غلام محمد گھوی.

مولانا جامی کی مثنوی یوسف وزلیخا کی شرح ہے.

☆نستعلیق، بلا نام کاتب وتاریخ کتابت، تیرہویں صدی ہجری، ۲۷۱ ورق.

70. محمدیہ اشرح پندنامہ

شارح: محمد بن غلام محمد گکھوی.

تاریخ شرح: ۹ شوال ۱۲۳۵ھ

فریدالدین عطار کی مثنوی پندنامہ کی شرح ہے.

☆ نستعلیق، عبدالمجید، در مسجد مکھڈ، نزدیک روضہ مولوی صاحب جی، ۱۰۸ ورق.

71. ترجمۂ تاریخ ہند

Epitome of the History of Hindoostan کا فارسی ترجمہ ہے.

مترجم: میر خورشید علی عرف سید شاہ علی متخلص بہ خورشید بن سید دستگیر.

☆ نستعلیق، بلا نام کاتب و تاریخ کتابت، ۱۶۴ص۔ یہ ترجمہ ۱۲۶۷ھ میں مدراس سے شائع ہوا تھا۔ موجودہ نسخہ اسی اشاعت سے نقل ہوا ہے.

72. مجموعہ:

اس مجموعے میں شامل تمام رسائل بخط نستعلیق ہیں۔ سب کا کاتب عبدالکریم بدخشی ہے۔

ا. لوائح، مولانا جامی. ورق ۳ب-۲۰الف.

☆ بتاریخ غرہ ربیع الثانی ۱۰۹۱ھ، بمقام اورنگ آباد.

۲. رسالہ عرفانی (مجہول الاسم)، ورق ۲۰ب-۴۲ب

مصنف نے نہ اپنا نام، اور نہ رسالے کا نام لکھا ہے.

آغاز: الحمد لله الذی هدانا و ماکنا لنهتدی لو لا ان هدانا الله وصلوات بی نہایت بر حضرت برزخ کبری کہ ... العالم غیب وشہادت است.

۳. معراج سالک/معراج السالکین (مثنوی)

مؤلف: سلطان برہان الدین.

آغاز: بہ قدرت توانا خداوندگار/ترا چون شناسیم ای کردگار

☆ ترقیمہ: تمت تمام شد نسخہ معراج السالکین از زبان دُرر بار گوہر نثار حضرت سلطان برہان الدین قدس اللہ سرہ العزیز بہ تاریخ روز پنجشنبہ ۲۱ شہر رجب المرجب ۱۰۹۱ در پرگنہ دہار.. ،۲۵الف-۳۳ب.

۴ .اصول قبضہ

مؤلف: ذکر نہیں ہوا۔ خاتمہ میں لکھا ہے: تمام شد این دفاتر غریب وصحایف عجیب کہ برای تیراندازی حضرت امیر کلنگ؟ ترتیب دادہ اند. برائے حسام الدین محمد.

تاریخ تالیف: ۱۰۳۴ھ (= اصول قبضہ)

قواعد تیراندازی پر رسالہ ہے۔

آغاز: إِنَّ اللہَ وَمَلَائِکَتَہُ یُصَلُّونَ عَلَى النَّبِیِّ یَا أَیُّہَا الَّذِینَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوا تَسْلِیمًا ... بدان اسعدک اللہ فی الدارین کہ بقول کثیرہ ورروایات صحیحہ ثابت گشتہ.

☆ترقیمہ: ۲٦ شعبان المعظم سنہ ۱۰۹۱ محررہ و مالکہ عبدالکریم بدخشی، درقصبہ دہار، ورق ۳۴ الف-۵۹ الف.

۵. گلشن راز (مثنوی)

مؤلف: محمود شبستری.

☆ترقیمہ: ۲۰ رمضان المبارک ۱۰۹۱ھ، ورق ٦۰ الف-۸۷ ب

٦ .مناجات

مؤلف: خواجہ عبداللہ انصاری.

آغاز: ای زدرت بیدلان رابوی درمان آمدہ

☆ورق ۸۸ الف-۹۵ الف

۷ .لمعات

مؤلف: فخرالدین عراقی.

☆ترقیمہ: فی سلخ شہر جمادی الثانی سنہ ۱۰۹۱ ہجری مقدسہ علی ید عبدالکریم بدخشی فی قصبۃ دہار مضافات اورنگ آباد ،ورق ۹٦ الف-۱۱۸ الف.

۸ .اصطلاحات نامہ

مؤلف: شیخ عبدالکریم. بن عبدالرحیم.

تاریخ تالیف: ۱۰۷۱ھ، درزمان اورنگ زیب عالمگیر. (دیباچہ)

آغاز: جمیع حمد ثابت است مرخالقی را کہ بہ قدرت خویش توانا ودرویش وزمین وآسمان رابہ یک حکم کن آفرید.

☆ترقیمہ: محرّرہ عبدالکریم، روز یکشنبہ، دوم جمادی الثانی ۱۰۹۱ھ، ورق ۱۱۹ ب-۱۲۴ ب

۹ . مرآت المعانی (مثنوی)

مؤلف: جمالی دہلوی.
آغاز: نامہ آغازم بہ نام ذوالجلال/ آنکہ بیرون ذاتش از وہم وخیال
☆ورق ۱۲۵الف-۱۳۶ب.
۱۰. نان وحلوا/سوانح الحجاز (مثنوی)
مؤلف: بہاءالدین محمد عاملی معروف بہ شیخ بہایی (۹۵۳-۱۰۳۰ھ)
☆ورق ۱۳۸الف-۱۴۷ب، ناقص الآخر.

73. زبدۃ الخلاصہ (فقہ)

مؤلف: عبداللہ بن حامد بن مخدوم رحمت اللہ. (دیباچہ)
فقہ حنفی کے مطابق عبادات کے مسائل ہیں.
آغاز: الحمدللہ رب العالمین... بدان اسعدک اللہ تعالی فی الدارین کہ در مصابیح و در فتاوی کبیری و در فتاوی ناصری و در صلوۃ مسعودی مذکور است.
☆نستعلیق بدخط، ترقیمہ: تمت الکتاب زبدۃ الخلاصہ، من ید فقیر محمد عظیم و کاتب کتاب تمامی دستخط غلام شاہ بن سید علی اکبر شاہ عرف بھاکری بہ اتمام رسید. ۱۸۰ ورق.

74. مثنوی معنوی مولوی

یہ نسخہ دفتر سوم سے شروع ہوتا ہے لیکن ابتدا سے ناقص ہیں۔ دفتر چہارم، پنجم، ششم مکمل ہیں۔
☆نستعلیق، دسویں صدی ہجری، چار کالمی، حاشیے پر لطایف المعنوی سے منقول حواشی، عبدالرشید کی مہر کے ساتھ، ۱۵۸ ورق.

75. مثنوی معنوی مولوی و متعلقات

یہ ایک مجموعہ ہے جس میں مثنوی کا دفتر اول (ناقص الآخر) اور مثنوی سے متعلق حسب ذیل رسائل موجود ہیں:
۱. شرح بیتین مثنوی دفتر اول منقول از لطایف المعنوی تصنیف عبداللطیف عباسی گجراتی.
آغاز: بشنواز نی... عارف نامی مولانا عبدالرحمان جامی قدس سرہ السامی در شرح این دو بیت کہ مفتح مثنوی مولوی است.
☆ورق ۱۳۹الف-۱۴۱ب

۳. دیباچہ نسخہ ناسخہ مثنویات سقیمہ دفتر اوّل از عبداللطیف بن عبداللہ عباسی
آغاز: این دفتر، دفتریست از نسخہ ناسخہ مثنویات سقیمہ و مثبت و مروج نُسخ صحیحہ مستقیمہ، کمترین معتقدان این کتاب عبداللطیف بن عبداللہ العباسی عفی عنہ بدفعات باہشتاد مثنوی زیادہ بلکہ مقابلہ نمودہ.
☆ورق ۱۴۲ب-۱۴۳ب.

۴. مرآت المثنوی/ دیباچہ نسخہ ناسخہ مثنویات سقیمہ از عبداللطیف بن عبداللہ عباسی
آغاز: این نسخہ ناسخہ مثنویات سقیمہ مثبت و مروج نُسخ صحیحہ مستقیمہ کہ بہ ظاہر مصداق حال و مرآت منور مقال صدق مآل خدمت مولوی معنوی است.
☆نستعلیق، بلا تاریخ، بارہویں صدی ہجری، دفتر اول کے حاشیے پر حواشی منقول از لطایف المعنوی، ورق ۱۴۴الف-۱۵۴الف.

76. شرح جتین مثنوی/ نی نامہ

شارح: عبدالرحمان جامی.
آغاز: عشق جز نایی و ما جزنی نہ ایم/ او دمی با ما و مایی وی نہ ایم... این سطری چنداست بعضی منثور و بعضی منظوم.
☆نستعلیق، بلا تاریخ، تیرہویں صدی ہجری، مُہر « قاضی حافظ ہدایت اللہ ۱۱۶۰ یا ۱۱۶۵ ».

77. شرح مثنوی معنوی

شارح: محمد ایوب. مطابق شمارہ 61
☆نستعلیق، ۱۲۴۷ھ، صرف دفتر اول، ۹۸ ورق.

78. مثنوی معنوی

مولانا جلال الدین محمد بلخی.
☆نستعلیق، نام کاتب و تاریخ کتابت نہیں ہے، چار کالمی، با حواشی منقول از لطایف اللغات، پہلے چار دفتر مکمل، پانچواں دفتر ناقص الآخر اور چھٹا دفتر بالکل نہیں ہے، ۲۹۴ ورق۔

79. شرح مثنوی معنوی

شارح: محمد ایوب. مطابق شمارہ 61

☆نستعلیق، ترقیمہ: یوم الاحد و العشرین من شهر رمضان المبارک بالسنۃ الثلاثۃ وسبعون بعد الالف [کذا: بعد الالف و مائتین] بید الضعیف... فقیر غلام رسول عفی اللہ عنہ...، ۲۲۲ ورق۔

80. مجموعہ:

۱. ایمان واحکام، رسالہ در (۲ الف-۶ ب ناقص الآخر)

آغاز: الحمد للہ رب العالمین... بدان ارشدک اللہ تعالی، در کتب الاسرار [کذا] آوردہ است اول چیزی کہ بر بندہ واجب است.

۲. تولدنامہ حضرت محمد (ص) (ناقص الاول، ۶ الف-۹ ب)

☆نستعلیق، ترقیمہ: «محمد عادل وقت نماز دیگر بتاریخ بیست ہشتم جمادی الثانی سنہ ۲۸ روز یکشنبہ ۱۱۱۶ ہجری».

81. شرح نام حق

مؤلف نام حق: شرف الدین بخارایی.

شارح: قاضی اختیار الدین بن غیاث الدین تربتی ہروی.

آغاز (شرح بیت اول): نام حق بر زبان ہمی رانم... قال النبی (ص) کل امر ذی بال لایفتح فیہ بذکر اللہ فھو ابتر معنی حدیث آن است کہ ہر کار صاحبدلی یعنی دلبربایی کہ ابتدا کردہ نشود.

☆نستعلیق بدخط، تیرہویں صدی ہجری، بلانام کاتب وتاریخ کتابت، ۵۳ ورق.

82. حل مشکلات گلستان

مؤلف: سعدی شیرازی.

شارح: محمد معظم بن شیخ احمد بن شیخ عبداللہ (دیباچہ وخاتمہ).

تاریخ شرح: ۱۱۵۰ھ.

آغاز: سپاس قدسی اساس حضرت مالک الملکی را تعالی شانہ وتعظم سلطانہ کہ ترصیص وتحصیص ہر دیباچہ سامی۔

☆نستعلیق، گل حسین بن مولانا حافظ قل احمد بن مولوی حافظ یار محمد بن حضرت عبدالرسول بن محمد نظام الدین بن عبدالرحمان، بہ پاس خاطر فرزندار جمند محمد گل، روز یکشنبہ، ۲۳ محرم ۱۲۷۱ یا ۱۲۷۲ھ، ۳۸ ورق.

ایک ہی کاتب کے قلم سے ہے۔ بعض رسائل نسخ میں اور بعض نستعلیق میں ہیں۔تاریخ کتابت موجود نہیں ہے۔قیاساً گیارہویں صدی ہجری.

۱. رسالہ فی نصیحۃ الولد (عربی)

مؤلف: امام غزالی.

آغاز: (دیباچۂ کاتب): اعلم ان واحدا من تلامیذ الشیخ الامام زین الدین حجۃ الاسلام ابی حامد محمد بن حامد بن محمد بن الغزالی... (رسالہ): ایہا الولد المحب العزیز اطال اللہ تعالی بطاعۃ وسلک.

۲. اوراد و اعمال (فارسی)

مولف: شیخ عبدالحق محدث دہلوی.

شیخ نے ان وظائف کا ذکر کیا ہے جو ان کے اپنے معمول میں تھے۔اور کچھ دیگر اوراد لکھے ہیں۔صلات دوگانہ غوث الاعظم کا طریقہ بھی لکھا ہے۔

آغاز: چون وعدہ رفتہ بود کہ بعضی از اوراد و اعمال بنویسد کہ طالبان حق را بہ کار آید، وفای آن وعدہ لازم افتاد و چون مخصوص بود بدانچہ در عمل کاتب حروف در آمدہ در استفاء و استقصا کوشید و اگر یکی زیادتی طلبد، از کتب قوم فرا گیرد.

۳. طریقہ ذکر (عربی)

شیخ عبدالوہاب متقی نے شیخ عبدالحق دہلوی کو جس طریقہ ذکر کی اجازت دی تھی۔

آغاز: طریقۃ الذکر الذی اجاز ہذا الفقیر شیخنا و سیدنا و مولانا القطب الکامل مولانا شیخ عبدالوہاب المتقی قدس اللہ سرہ . قلت وفضل ہذہ الکلمہ الشریفہ.

۴. معرفت الدنیا (فارسی)

مولف: علی بن حسام الدین الشہیر بالمتقی.

آغاز: الحمد للہ الذی جعل الدنیا قنطرۃ الاخرۃ... امابعد ہمی گوید... این چند کلمہ ایست در حقیقت دنیا و معنی آن و اقسام طالبان دنیا و علاج آن و نام این رسالہ معرفت الدنیا نہادہ شد.

۵. غایۃ الکمال فی بیان افضل الاعمال / منحۃ الفتاح العلیم فی فضل العلم والتعلیم (عربی)

مولف: علی بن حسام الدین الشہیر بالمتقی.

آغاز: الحمد للہ الداعی عبادہ الی الصراط المستقیم والعبادۃ من یشاالی منہج القویم... امابعد فیقول العبدالفقیر الی اللہ تعالی علی بن حسام الدین الشہیر بالمتقی... ہذہ رسالۃ سمیتہا باسمین...

۶.رسائل سیوطی (عربی)

مولف: جلال الدین سیوطی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد، اولاد، اعمام، کنیزوں، آلات حرب سے متعلق رسائل ہیں۔

آغاز: الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی ہذا مؤلف ثالث الفتہ فی مسائل والدی رسول صلی اللہ علیہ وسلم وہو اخصرہا .

آغاز: فی ذکر اولادہ صلی اللہ علیہ وسلم، اعلم ان جملتہ ما اتفق علیہ منہم... القاسم وابراہیم واربع بنات زینب ورقیہ وام کلثوم و فاطمہ .

۷.بمناقب امام اعظم ابوحنیفہ (عربی)

آغاز: فلما انتہی الکلام الی آخر الرجال المذکورین والایمہ المشہورین شیخ ماذکرہ السادۃ الصوفیۃ... ان الختم ذکرہم بمناقب الامام الاعظم...

۸.بمناسک حج (فارسی)

مولف:: شیخ عبدالحق محدث دہلوی.

شیخ نے ۹۹۶ھ میں حج کیا تھا اور اسی دوران مناسک حج پر ایک رسالے کا مسودہ تیار کر لیا تھا۔ پھر ۱۰۱۶ھ میں ان کے کچھ احباب حج پر جانے لگے تو اس مسودے کو صاف کیا اور اس پر مزید کچھ مطالب کا اضافہ کر کے حج پر جانے والے دوستوں کے حوالے کیا کہ ان کے کام آئے۔

آغاز: الحمد للہ الذی اوجب علی عبادہ حج البیت من استطاع الیہ سبیلا وجعل زیارۃ نبیہ... فقیر حقیر عبدالحق بن سیف الدین دہلوی را کہ در سنہ ستہ وتسعین وتسعمایہ.

84. مجموعہ:

۱. کتاب فقہ، ناقص الاول، ورق ۱–۴۴الف

۲. چہل حدیث، ورق ۴۶الف–۵۳الف

مرتب کا نام نہیں ہے، ابواب بندی بھی نہیں ہے۔

آغاز: الحمد للہ رب العالمین... من قراہ وحفظ اربعین حدیثا من امتی ... ہر کہ بخواند و یاد گیرد این چہل حدیث را از امت من نیک باشد.

۳. قصۂ آفرینش محمد مصطفیٰ، ورق ۵۴الف–۷۴الف

آغاز: چون حق سبحانہ وتعالی خواست حبیب خدا را در جہان دنیا پیدا کند حکم کرد مہتر جبریل کہ برو بہشت رابہین چہ نوع

مرتب کردہ ایم.

۴ . مکالمہ بین رسول علیہ السلام وشیطان ملعون، ورق ۷۴ب-۸۰ب

۵ . حسب المبتدی، ورق ۸۲ب-

مؤلف: موسی بن محمد بن شیخ جلال شون (مقدمہ).

آغاز: سپاس بسیار وستایش بی شمار پروردگار عالم راز مرہ خواص جن وآدمی را بہ معرفت خودراہ نمود.

85. مجموعہ:

۱ . کریما، سعدی

۲. نام حق، شرف بخارایی

۳ . در بیان صفات ومعرفت ایمان واحکام وارکان اسلام، ورق ۵۶ب-۹۹الف

آغاز: بدان اسعدک اللہ فی الدارین این کتابیست در بیان صفات ومعرفت ایمان واحکام وارکان اسلام.

۴ . پندنامہ، عطار

86. مطلع الانوار (مثنوی)

مولف: امیر خسرو دہلوی.

آغاز:

خطبہ قدس است بہ ملک قدیم
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

☆نستعلیق، محمد انور، برائے عبدالمومن، غرہ محرم ۱۱۲۳ھ، ۱۰۱ ورق.

87. شرح قصیدۂ امالی

آغاز: ملیک مالک مولی موالی... یعنی خدا پادشاہ پادشاہان است وخداوند خداوندان است. مراورا سزد صفت بزرگی و برتری.

☆نستعلیق، غریب احمد، ۲۱ ذیحجہ ۱۲۳۸ھ، ۴۵ ورق.

88. اسرارالوحی

☆نستعلیق، چودہویں صدی ہجری، ناقص الاول، ترقیمہ: تمت ھذاالکتاب اسرار الوحی بعون الملک الوھاب بتاریخ [ندارد]، بقلم فضل علی طالب علم من مقام رنگ پور، ۷۵ورق.

89. فقرات

مؤلف: خواجہ عبیداللہ احرار.

☆ترقیمہ: قدتم بعون اللہ الکریم لثلثہ خلون من شہر شعبان المعظم سنہ ۱۳۱۵، ناقص الاول، آغاز: کنیل مصر ماء للمحبوبین وبلاء للمحجوبین. بیت: آب نیل است وبہ قبطی خون نمود، ۱۱۰ورق.

90. منطق الطیر (مثنوی)

فریدالدین عطار.

آغاز: آفرین جان آفرین پاک را/آنکہ جان بخشید ایمان خاک را[کذا]

☆نستعلیق، ۲۶شوال ۱۸[دوعدد مفقود ہیں، شاید ۱۰۸۱ھ] ۱۵۱ورق.

☆☆☆☆

آئینہ، آئنہ ہے خود آئینہ ساز کا

["خلا میں خدا کی تلاش" پر ایک نظر]

ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد ☆

قاضی انوارالحق رحمتہ اللہ علیہ چھچھ ضلع اٹک کے ایک ممتاز علمی و دینی خاندان کے فرد فرید تھے۔اس خاندان کے بیش تر افراد کی زندگیاں قرآن وحدیث کی تعلیمات کے فروغ اور علمِ دین کی اشاعت میں صرف ہوئیں۔اس علمی و دینی خاندان کا نسبی تعلق مشوانی سادات سے ہے جو حضرت بندہ نواز گیسودرازؒ کی نسل سے ہیں۔قاضی انوار الحق کے جدِ کلاں حضرت باز گل یا گلِ باز نے سید احمد شہیدؒ کے معرکۂ بالاکوٹ کے بعد نقارچیاں (علاقہ ہزارہ) سے نقلِ مکانی کی اور چھچھ کے معروف قصبے شمس آباد کو اپنا مستقر بنایا۔ان کی اولاد میں قاضی نادر دین اپنے وقت کے ممتاز عالم اور صاحبِ قلم تھے۔علاقے میں نوشت وخواند کے فرائض کی انجام دہی کے ساتھ ساتھ تصنیف وتالیف اور شعر گوئی اُن کا وظیفہ تھا۔افسوس کہ ان کی تصانیف وتالیفات وقت کی گرد میں گُم ہوکر رہ گئیں اور ان کے آثارِ علمیہ سے زمانہ محروم ہوگیا۔"پندِ نادر" کے زیرِ عنوان ان کی پنجابی سی حرفی بھی نگاہِ زمانہ سے اوجھل ہوگئی۔قاضی محمد زاہد الحسینیؒ نے راقم کے نام اپنے ایک خط میں اس سی حرفی کے دو بند حافظے کی مدد سے نقل کیے تھے، جو درجِ ذیل ہیں:

الف: اللہ نوں واحد مانو
وچ وحدت اُس دی شک نہ آنو
رب نال زباناں قدرت والی
فرمایا وچ قرآن معالی
کل نفسٍ ذائقۃ الموت
فرمودۂ ذوالجلالی ہے

☆

☆ ایسوسی ایٹ پروفیسر (اُردو)، علامہ اقبال اوپن یونی ورسٹی، اسلام آباد

ہ: ہجر نبی تھیں صدیاں باراں
ہور بہتر سال شماراں
روز جمعہ تے ماہ رمضانی
فضل کریں توں یا رحمانی
فجری توں پیشی تائیں
ایہ تکلیف میں جالی ہے

(مکتوب قاضی محمد زاہد الحسینیؒ بنام ارشد محمود ناشاد: ۹ر شوال ۱۴۱۳ھ)

☆

قاضی نادر دین کے فرزندِ ارجمند قاضی غلام جیلانی المعروف غلام گیلانی کا شمار برصغیر کے ممتاز علما میں ہوتا ہے۔ قاضی غلام جیلانی نے ابتدائی تعلیم اپنے علاقے سے حاصل کی، بعدازاں مدرسۂ عالیہ رام پور سے درسِ نظامی کی آخری کتابیں اور دورۂ حدیث کی تکمیل کی۔ ان کے تبحرِ علمی کا اندازہ اس سے لگایا جاتا ہے کہ اس مدرسے سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد اس میں مدرس کی حیثیت سے تقرر ہوا۔ بنگال میں عمر کا ایک بڑا حصہ تبلیغِ دین میں گزارا۔ مولانا احمد رضا بریلویؒ سے بھی تعلقِ خاطر تھا۔ ان کی تصانیف وتالیفات کی تعداد پچاس سے متجاوز ہے۔ ۱۹۳۰ء میں راہیِ ملکِ بقا ہوئے۔ شمس آباد ضلع اٹک میں آسودۂ خاک ہیں۔

قاضی انوار الحق ۱۹۰۸ء کو قاضی غلام جیلانی کے گھر شمس آباد میں متولد ہوئے۔ والدِ گرامی کے زیرِ سایہ تعلیمِ دینی کا آغاز کیا۔ والدِ گرامی جدید انگریزی تعلیم کے حامی نہ تھے مگر قاضی انوار الحق دینی تعلیم کے ساتھ جدید تعلیم حاصل کرنا چاہتے تھے۔ اجازت نہ ملی تو گھر سے بھاگ کر فتح پور سیکری چلے گئے۔ بعد میں اجازت مل گئی۔ منشی فاضل کے بعد حضرو سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ گورنمنٹ کالج، کیمبل پور [حال: اٹک] سے انٹر اور گورڈن کالج، راول پنڈی سے گرایجویشن کی ڈگری حاصل کی۔ تکمیلِ تعلیم کے بعد آپ نے تبلیغِ دین کے لیے خود کو وقف کر دیا۔ پہلے پہل جنوبی افریقہ میں بہ غرضِ اشاعتِ دین تشریف لے گئے، وہاں ''انوار العلوم'' کے نام سے ایک مدرسے کی داغ بیل ڈالی۔ افریقہ میں ہی ''اخوان الصفا'' کے نام سے ایک انجمن بھی قائم کی۔ آپ کی تبلیغی جدوجہد کے نتیجے میں کئی افراد عیسائیت کو چھوڑ کر دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے۔ اس تبلیغی عرصے میں مولانا شاہ عبدالعلیم صدیقی میرٹھی کی قربت ومعاونت انھیں حاصل رہی۔ جنوبی افریقہ سے واپسی پر کچھ عرصہ گاؤں میں

گزارا۔ پھر ریاست جونا گڑھ تشریف لے گئے، ریاست میں انھیں مفتیِ اعظم کا منصب عطا ہوا۔ تقسیمِ ہند کے بعد اٹک واپس آ گئے اور یہاں دعوت و تبلیغ کا کام شروع کیا۔ ۱۹۵۵ء میں اٹک میں ''جامع مسجد حنفیہ'' قائم ہوئی تو قاضی انوار الحق کو اس کا خطیب مقرر کیا گیا۔ انھوں نے مسجد میں ''دار العلوم ضیا القرآن'' کی بنیاد رکھی۔ دو تین سال کے تبلیغی دوروں کے علاوہ آپ اپنی وفات تک اس مسجد سے وابستہ رہے۔ قاضی انوار الحق کا وصال ۱۱ر دسمبر ۱۹۸۱ء کو جمعہ کے روز ہوا۔ آپ کا مزار اٹک کے مرکزی قبرستان کے غربی کنارے پر مرجعِ خلائق ہے۔

قاضی انوار الحق نے مصروف زندگی بسر کی۔ دعوت و تبلیغ اور خطابت و تدریس سے عمر بھر کی وابستگی کے باوجود وہ تصنیف و تالیف سے بھی بے گانہ نہ رہے۔ انھوں نے کئی کتابیں اور کتابچے تصنیف کیے۔ یہ کتابیں اور رسائل اُن کے تبحرِ علمی کے شاہد ہیں۔ قاضی انوار الحق کی کتب و رسائل کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:

۱۔ انوار القرآن [تفسیرِ سورۂ فاتحہ]

۲۔ خلقِ عظیم [سیرت النبی ﷺ]

۳۔ سیرتِ غوثیہ [شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی سیرت]

۴۔ حقوقِ والدین

۵۔ خلا میں خدا کی تلاش [اثباتِ وجودِ باری]

۶۔ فلسفۂ رمضان

۷۔ اسلامی تعلیم

۸۔ Gems from the lips of the Holy Prophet(PBUH)

۹۔ Glimpses of Holy Prophet(PBUH)

۱۰۔ Elevation of woman by Islam

۱۱۔ Marriage & Divorce in Islam

۱۲۔ Beauties of Muslim Prayers

قاضی انوار الحق باقاعدہ ادیب نہ تھے مگر اس کے باوجود ان کی تصانیف و تالیفات میں رنگِ ادب کی مہکار اپنا جادو جگاتی ہے۔ خطیب ہونے کے باوجود اُن کا اندازِ تحریر عالمانہ اور ادیبانہ ہے۔ اس میں وہ خطیبانہ گھن گرج اور جذباتی رنگ دکھائی نہیں دیتا جو بالعموم مذہبی اہلِ قلم کے ہاں نمایاں صورت میں جلوہ گر ہوتا ہے۔

خلا میں خدا کی تلاش قاضی صاحب کی مختصر تصنیفِ لطیف ہے جو روسی صحافی ندا ایف ایڈیٹر ''سائنس اور زندگی '' کے ۱۹۵۹ء کے نشریے کے رد میں تحریر ہوئی۔ ندا ایف نے اپنے نشریے میں کہا:

''ابھی تک ہمارے مصنوعی سیارے اور راکٹ کی ملاقات عالمِ بالا میں کسی ایسی ہستی سے نہیں ہوئی جسے مذہبی لوگ خدا کے نام سے پکارتے ہیں۔'' (بہ حوالہ: خلا میں خدا کی تلاش: اندرون سرورق)

اس اظہاریے کا مطلب بہ الفاظِ دیگر یہ ہے کہ اس بسیط وعریض خلا میں جہاں روسی سائنس دان ایک تسلسل سے مصنوعی سیارے اور راکٹ بھیج رہے ہیں، وہاں کوئی ایسی ہستی موجود نہیں ہے، جسے لوگ خدا تصور کرتے ہیں۔ گویا اس نے روسی سائنس دانوں کی خدا نارسائی کو الحاد اور دہریت کی دلیل کے طور پر پیش کیا ہے۔ قاضی انوار الحق نے اپنے رد میں نہایت شائستگی سے اس نشریے کا محاکمہ کرتے ہوئے لکھا کہ روسی حقیقی سائنس دان نہیں، کیوں کہ حقیقت کے واضح انکشاف کے باوجود ان کے ذہنوں پر تاریکی مسلط ہے۔ وہ اس رسالے میں رقم طراز ہیں:

''ہمیں تو خیال تھا کہ اب ملحد روس فضائے بسیط کے مختلف کرّوں اور ان کے مدہش نظام سے متأثر ہو کر ضرور خلاقِ عالم اور رب الارباب کا اقرار کرے گا اور جب عالمِ بالا کی مہندسانہ ترتیب اور اصول وضوابط میں جکڑی ہوئی آیاتِ بینات پر غور ومطالعہ کرے گا تو اُسے اعتراف کرنا پڑے گا کہ اتنے بڑے بڑے کرّوں کا بغیر کسی سہارے کے فضا میں معلق رہنا، اتنے عظیم وفخیم سیاروں کا اس محیر العقول سرعت کے ساتھ اپنے مسیروں پر چلنا، پھر سیاروں کا کھربوں کی تعداد میں ہوتے ہوئے بھی قوانینِ مودعہ سے ذرا برابر تجاوز نہ کرنا، ضرور کسی عزیز وقدیر اور علیم وحکیم ہستی کے وجود کی بین دلیل ہے اور وہ ایک حقیقی سائنس دان کی طرح اس ادنیٰ حقیقت سے اس علت العلل تک پہنچنے کی کوشش کرے گا، جسے الہامی اصطلاح میں رب اور خدا کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے مگر افسوس! کہ اُس کے نشریہ سے یہ بات المنشرح ہوگئی کہ وہ حقیقی سائنس دان نہیں بلکہ اُس کی نظر اور کاوش محض ادنیٰ حقیقتوں ہی میں اٹک کر رہ گئی اور مصنوعات کے حجاب کو ہٹا کر شاہدِ الست تک پہنچنے کی بجائے اسی پردہ کو منتہائے مقصود سمجھ بیٹھا۔''

(خلا میں خدا کی تلاش: ص۲،۳)

قاضی انوار الحق ؒ نے روسی ملحدین کی حجابات میں اُلجھی نظروں کا تذکرہ کرنے کے بعد نہایت اختصار کے ساتھ قرآنی آیات کی روشنی میں حقیقی سائنس دان کی صفات بیان کی ہیں۔ خالقِ ارض وسمانے جا بہ جا اپنی نشانیاں

اور آیات خلق کی ہیں اور عقل مند اور الوالالباب انسانوں کو ان نشانیوں اور آیتوں پر غور وفکر اور تدبر کی دعوت دی ہے۔ قاضی صاحب نے اس بحث سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ حقیقی سائنس دین کا ایک اہم رکن ہے۔ وہ رقم طراز ہیں:

''میں نے ابتدا میں لکھا ہے کہ روسی حقیقی سائنس دان نہیں کیوں کہ حقیقی سائنس کبھی بھی لادینی اور الحاد نہیں سکھاتا [سکھاتی]۔ بل کہ حقیقی سائنس سے غفلت تو انسان کو بے دینی اور دہریت کی طرف لے جاتی ہے۔''

(خلا میں خدا کی تلاش: ص۱۴)

قاضی صاحب نے آیاتِ قرآنیہ سے ثابت کیا کہ اسلام دینِ فطرت ہے اور حقیقی سائنسی انکشافات سے اس کا حسن مزید نکھر کر سامنے آرہا ہے۔ یہ مذہب دوسرے مذاہبِ غیر حقیقی کی طرح سائنس سے آنکھیں نہیں چراتا بلکہ اس کی ترقی کا محرک اور داعی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''اگر سائنس دین کا جزو نہ ہوتا [ہوتی] تو قرآنِ پاک اس علمِ فطرت کو علمِ شریعت کے پہلو بہ پہلو بیان نہ فرماتا۔ ہاں حقیقی سائنس ان تمام توہمات کا [کی] دشمن ہے جو لوگوں نے مذہب کے نام پر دین میں شامل کر لیے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ آج سارے نام نہاد مذاہب سائنس کی روشنی میں روپوش ہوتے جارہے ہیں مگر نبیِ آخر الزمان، سید الانس والجان کا آسمانی پیغام سائنس کی ترقی کے ساتھ ساتھ اور زیادہ محقق اور مدلل ہوتا جاتا ہے اور وہ سارے شکوک وشبہات جو متعصبین نے اسلام کے متعلق پھیلا کر لوگوں کو اس سے بدظن کرنے کی کوشش کی تھی، آج یکے بعد دیگرے سائنس کی روشنی میں خود بخود دُور ہوتے چلے جارہے ہیں اور میرا تو ایمان ہے کہ موجودہ سائنٹیفک ترقی محض اسلام کی صداقت اور حضور ﷺ کی حقانیت کے لیے عالمِ وجود میں آئی۔''

(خلا میں خدا کی تلاش: ص۱۴، ۱۵)

قاضی انوار الحق'' نے اس رسالے میں جدید سائنسی انکشافات کا آیاتِ قرانیہ کی روشنی میں مطالعہ کر کے انھیں اثباتِ وجودِ باری پر بہ طور دلیل و برہان پیش کیا ہے۔ انھوں نے دلائل سے ثابت کیا کہ جدید سائنسی پیش رفت نے اسلام کی حقانیت کو مزید واضح کیا ہے۔ حقیقت کی اس روشنی کے باوجود اگر کوئی خدا کے وجود کا انکار کر کے دائرۂ الحاد کی تاریکیوں میں بھٹکتا ہے تو یہ اس کی ازلی بدبختی اور کور باطنی ہے۔ وہ رسالے کے آخر میں رقم طراز ہیں:

''علمائے اسلام نے اللہ تعالیٰ کے وجود پر بے شمار دلائل قائم کیے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ جو اس آیاتِ خداوندی سے بھری ہوئی کائنات کو دیکھنے کے بعد بھی اُس خالقِ کل کے وجود کا انکار کرتا ہے تو پھر یقین جانیے کہ علمِ کلام کے سارے براہین و حجج اُس خفاش چشم کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ وجودِ باری اس قدر بدیہی ہے کہ انبیا علیہم السلام نے ہمیشہ اپنی تبلیغ کا مرکز عقیدۂ توحید کو ٹھہرایا ہے۔''

(خلا میں خدا کی تلاش: ص ۱۷)

''خلا میں خدا کی تلاش'' پہلی بار ملٹری پریس، کیمبل پور سے ایک ہزار کی تعداد میں طبع ہوا۔ رسالے پر تاریخِ اشاعت درج نہیں تاہم رسالے کے آخر میں مصنف کے نام کے ساتھ اس کی تاریخِ تصنیف ۲ ستمبر ۱۹۵۹ء درج ہے۔ گمان غالب ہے کہ یہ رسالہ اسی سال زیورِ طبع سے آراستہ ہوا ہوگا۔ یہ رسالہ ایک عرصے سے کم یاب ہے، ضرورت ہے کہ اس کا دوسرا ایڈیشن شائع کیا جائے۔ جدید تعلیم یافتہ افراد کے لیے اس رسالے کی اشاعت ناگزیر ہے۔

خلا میں خدا کی تلاش مختصر رسالہ ہے مگر اپنے مندرجات کے حسن اور اسلوب کی ندرت کے باعث دامن کشِ دل ہے۔ قاضی صاحب کا اسلوب عالمانہ اور ادیبانہ ہے۔ خوب صورت تراکیب کے ساتھ یہ نثر رواں دواں اور خوش آہنگ ہے جو پڑھنے والوں کو اپنی گرفت میں جکڑ لیتی ہے۔ یہاں وہاں عربی، فارسی اور اُردو کے برمحل اشعار کی شمولیت متن کی دلآویزی اور دل پذیری میں اضافہ کرتی ہے۔ یہ رسالہ صحیح معنوں میں ''بہ قامت کہتر بہ قیمت بہتر'' کا حقیقی مصداق ہے۔ قاضی صاحب دینی اور دنیاوی علوم سے بہرہ مند تھے۔ جدید سائنسی انکشافات سے بھی انھیں آگاہی تھی اور اس کے اسرار و رموز سے بھی وہ آشنا تھے۔ آیتِ قرآنیہ کی تفہیم و تعبیر سے اُن کی قرآن فہمی اور علومِ دینیہ سے گہری شناسائی کا اظہار ہوتا ہے۔ یہ مختصر سا رسالہ اثباتِ وجودِ باری پر ایک مستند دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے۔

فضائل حضرت سیدنا عثمان ذوالنورینؓ

عشرت حیات خان ☆

حضرت سیدنا عثمان غنیؓ تیسرے خلیفہ تھے۔ آپؓ کو مدینہ منورہ میں مسلمانوں کی جماعت کی مشاورت سے خلیفہ منتخب کیا گیا تھا۔

آپؓ کا نام ونسب درج ذیل ہے:

عثمان بن عفان بن ابوالعاص بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی بن کلاب۔۱

عبد مناف پر جا کر آپؓ کا نسب سیدنا رسول اکرم ﷺ کے عالی نسب سے جاملتا ہے۔ آپؓ کی والدہ ماجدہ کا نام اروی بنت کریز بن ربیعہ بن حبیب بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی تھا۔۲

آپؓ کی کنیت ابوعبداللہ تھی۔ حضرت سیدہ رقیہؓ کے بطن مبارک سے آپؓ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ کی ولادت ہوئی تھی۔ آپؓ نے اسی مناسبت سے اپنی کنیت ابوعبداللہ رکھی تھی۔ صحابہ کرامؓ آپؓ کو ابوعبداللہ کہہ کر پکارتے تھے۔

حضرت سیدنا عثمانؓ کا لقب ذوالنورین تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ آپؓ کی شادی حضور اکرم ﷺ کی صاحبزادیوں، حضرت سیدہ رقیہؓ اور بعد میں حضرت رقیہؓ کی وفات کے بعد حضرت ام کلثومؓ سے ہوئی تھی۔ اسی مناسبت سے آپ کو "ذوالنورین" یعنی دو نوروں والا کہا جاتا تھا۔

آپؓ عام الفیل کے چھ سال بعد مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ آپؓ طائف میں پیدا ہوئے۔ آپؓ کا تعلق قریش کی اہم شاخ بنوامیہ سے تھا۔ رسول اکرم ﷺ سے تقریباً پانچ سال چھوٹے تھے۔ آپؓ کا پیشہ تجارت تھا۔ آپؓ کو اپنی قوم میں بڑی عزت حاصل تھی۔ لوگ محبت اور قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

آپ کی محبت لوگوں کے دل و دماغ میں کس قدر راسخ ہوگئی تھی، اس کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے کہ ایک مرتبہ آپؓ کے دور کی ایک عرب خاتون اپنے بچے کو لوری دیتے ہوئے کہہ رہی تھی:

''رحمٰن کی قسم! میں تجھ سے اس طرح محبت کرتی ہوں جس طرح قریش عثمان سے محبت کرتے ہیں''۔۳

آپؓ ابتدا ہی سے پاکدامن تھے۔ آپؓ کا ارشاد ہے کہ

"میں نے کبھی گانا گایا نہ اس کی خواہش کی۔ جب سے رسول اکرم ﷺ کی بیعت کی ہے دائیں ہاتھ سے کبھی شرمگاہ کو نہیں

☆ ماہر مضمون، گورنمنٹ ہائیر سیکنڈری اسکول، ملال (فتح جنگ)

چھوا۔ جاہلیت اور اسلام دونوں ادوار میں کبھی شراب کے قریب نہیں بھٹکا، نہ کبھی بدکاری کا مرتکب ہوا۔ سیدنا ابوبکر صدیق ؓ کی دعوت پر آپ ؓ نے اسلام قبول کیا۔ حضرت سیدنا ابوبکر صدیق ؓ نے جب آپ کو دعوت اسلام دی تو اس وقت آپ ؓ کی عمر مبارک ۳۴ برس تھی۔ آپ ؓ نے اس دعوت پر لبیک کہا اور دولت اسلام سے بہرہ مند ہو گئے۔ اس طرح آپ کا شمار ''سابقون الاولون'' میں ہوتا ہے۔

حضرت سیدنا ابوبکر صدیق ؓ، حضرت سیدنا علی المرتضیٰ ؓ اور حضرت زید بن حارثہ ؓ کے بعد ایمان لانے والے مرد حضرات میں چوتھا نمبر حضرت سیدنا عثمان ذوالنورین ؓ کا ہے۔ ۴

حضرت سیدنا عثمان ذوالنورین ؓ کے اسلام قبول کرنے پر ان کی خالہ سعدیٰ بنت کریز نے انھیں ان الفاظ میں خراج عقیدت پیش کیا۔

ترجمہ:

''اللہ تعالیٰ نے میری دعا قبول فرمائی۔ عثمان کو ہدایت دی۔ حق کی طرف رہنمائی کی اور اللہ ہی حق کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ انھوں نے اپنی صائب رائے کے ساتھ محمد ﷺ کی پیروی کی۔ وہ ایسی سوچ کے حامل تھے جو حق کو قبول کرنے سے نہیں روکتی۔ پھر رسول برحق ﷺ نے ان سے اپنی بیٹی کا نکاح کر دیا۔ وہ ایسے ہو گئے جیسے افق میں چاند، سورج کے ساتھ مل گیا ہو۔ اے رسول ہاشمی ﷺ میری جان آپ ﷺ پر قربان ہو۔ آپ ﷺ اللہ کے امین ہیں اور مخلوق کی طرف بھیجے گئے ہیں۔'' ۵

جناب سیدہ رقیہ ؓ کی رخصتی کے وقت اس مبارک جوڑے کو ان الفاظ میں خراج عقیدت پیش کیا گیا:

''انسانی آنکھ نے جو خوب صورت ترین جوڑا دیکھا ہے وہ سیدہ رقیہ ؓ اور ان کے شوہر عثمان ؓ کا جوڑا ہے۔ ۶

عبدالرحمٰن بن عثمان قرشی کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ سیدنا رسول اکرم ﷺ اپنی صاحبزادی سیدہ رقیہ ؓ کے ہاں تشریف لے گئے تو اس وقت وہ حضرت عثمان ؓ کا سر دھو رہی تھیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''پیاری بیٹی ابوعبداللہ کے ساتھ اچھا سلوک کیا کرو، کیوں کہ اخلاق کے لحاظ سے میرے صحابہ میں یہی سب سے زیادہ میرے مشابہہ ہیں۔'' ۷

غزوہ بدر کے دوران حضرت سیدہ رقیہ ؓ کا انتقال ہو گیا تھا۔ حضرت سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ نے غزوہ بدر سے واپسی پر اپنی دوسری صاحبزادی حضرت سیدہ ام کلثوم ؓ سے آپ ؓ کا نکاح کر دیا۔

علامہ بدرالدین عینی شرح صحیح بخاری میں فرماتے ہیں کہ مہلب بن ابی صفرہ سے پوچھا گیا کہ حضرت سیدنا عثمان ؓ کو ''ذوالنورین'' کیوں کہا جاتا ہے؟ انھوں نے فرمایا اس لیے کہ ان کے علاوہ تاریخ میں کسی ایسے شخص کا ذکر نہیں ملتا جس نے نبی ﷺ کی دو بیٹیوں سے شادی کی ہو۔ ۸

پانچ نبوی ﷺ کو مسلمانوں نے رسول اللہ ﷺ کے حکم کے مطابق حبشہ ہجرت کی۔ اس ہجرت حبشہ میں حضرت سیدنا عثمانؓ اوران کی زوجہ سیدہ رقیہؓ بھی شامل تھے۔

حضرت سیدنا عثمانؓ اس امت کے پہلے فرد ہیں جنھوں نے اپنے اہل وعیال کے ساتھ ہجرت کی۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

اللہ ان دونوں کا حامی وناصر ہو۔ بے شک عثمان، لوط علیہ السلام کے بعد پہلے شخص ہیں جنھوں نے اپنے اہل وعیال کے ساتھ اللہ کی طرف ہجرت کی۔۹

ہجرت مدینہ تک آپؓ حبشہ ہی میں مقیم رہے۔

حضرت سیدنا عثمانؓ، حضرت سیدہ رقیہؓ کی بیماری کی وجہ سے غزوہ بدر میں شامل نہیں ہو سکے تھے۔ مگر آپؓ کا اعزاز ہے کہ آپ کو اس کے باوجود بدری صحابہ میں شامل سمجھا گیا اور حضور ﷺ نے مدینہ واپسی پر آپؓ کو بھی مال غنیمت میں حصہ دیا۔ جب غزوہ بدر کا اعلان ہوا تو ان ایام میں آپ کی زوجہ محترمہ حضرت رقیہؓ سخت بیمار تھیں۔ جب نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کو مشرکین مکہ کا قافلہ روکنے کے لیے نکلنے کا حکم دیا تو حضرت سیدنا عثمانؓ بھی رسول اکرم ﷺ کے ساتھ نکل پڑے۔ مگر حضور پاک ﷺ نے انھیں سیدہ رقیہؓ کی تیمارداری کے لیے رُک جانے کا حکم دیا۔ آپؓ رسول اللہ ﷺ کے حکم کی تعمیل میں سیدہ رقیہؓ کی تیمارداری کے لیے رُک گئے۔ آپ ﷺ اور صحابہ غزوہ بدر میں ہی تھے کہ سیدہ رقیہؓ کا وصال ہو گیا۔ سیدہ رقیہ کی تدفین بقیع الغرقد میں کی گئی۔

حضور اکرم ﷺ بدر سے واپس تشریف لائے تو آپ ﷺ کو سیدہ رقیہؓ کی وفات کا علم ہوا۔ آپ ﷺ جنت البقیع تشریف لے گئے اور سیدہ رقیہؓ کے لیے دعائے مغفرت کی۔

عثمان بن عبداللہ بن موہب کا بیان ہے کہ ایک آدمی مصر سے حج کی غرض سے بیت اللہ آیا۔ اس نے عبداللہ بن عمرؓ سے کہا، میں آپ کو اللہ کی قسم اور اس کے مقدس گھر کی حرمت کا واسطہ دے کر سوال کرتا ہوں، کیا آپ کو علم ہے کہ حضرت سیدنا عثمانؓ بدر سے غائب تھے اور وہاں حاضر نہیں تھے۔ ابن عمرؓ نے فرمایا ہاں لیکن بدر سے آپ کی غیر حاضری کی بڑی وجہ رسول اللہ ﷺ کی بیٹی کی بیماری تھی۔ جو حضرت سیدنا عثمانؓ کے نکاح میں تھیں۔ سیدنا رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا:

"تمھارے لیے بدر میں شریک ہونے والے جیسا ہی اجر اور حصہ ہے۔"۱۰

ابو وائل کہتے ہیں کہ حضرت سیدنا عثمانؓ نے فرمایا:

"بدر کے دن میں رسول اکرم ﷺ کی بیٹی کی تیمارداری کی خاطر پیچھے رہا اور رسول اللہ ﷺ نے غنیمت میں میرا حصہ بھی مقرر فرمایا" (راوی حدیث)

جس کے لیے رسول اللہ ﷺ نے حصہ نکالا وہ یقیناً حاضر شمار کیا جائے گا۔ لہٰذا سیدنا عثمانؓ بالاتفاق بدری صحابی ہیں۔۱۱

سیدنا عثمانؓ اور غزوہ غطفان:

آپ ﷺ نے چار سو صحابہ کرام کی معیت میں غزوہ غطفان کی طرف پیش قدمی کی تو اپنی عدم موجودگی میں سیدنا عثمانؓ کو مدینہ منورہ میں اپنا نائب مقرر فرمایا۔

سیدنا عثمانؓ اور غزوہ ذات الرقاع:

رسول اللہ ﷺ تک اطلاع پہنچی کہ بنو غطفان مدینہ منورہ پر حملے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ آپ ﷺ نے اس سفر مبارک میں بھی مدینہ منورہ کی نیابت سیدنا عثمانؓ کے سپرد کی۔ یہ بہت بڑی سعادت تھی۔ اس کے علاوہ یہ سیدنا عثمانؓ کی انتظامی صلاحیتوں پر آپ ﷺ کے اعتماد کا مظہر بھی تھا۔

بیعت رضوان:

یکم ذوالقعدہ ۶ ہجری میں آپ ﷺ چودہ سو صحابہ کرامؓ کے ہمراہ احرام باندھ کر عمرے کے ارادے سے مکہ مکرمہ روانہ ہوئے۔ قربانی کے جانور بھی آپ ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے ہمراہ تھے۔ عرب کے لوگ کسی ایسے قافلے پر حملہ نہیں کرتے تھے جس کے ساتھ قربانی کے جانور ہوتے تھے۔ یہ ان ایام میں سے تھے جن میں تمام اہل عرب، جن میں قریش بھی شامل تھے، جنگ حرام تھی۔ جب قریش کو اس مقدس قافلے کی اطلاع ملی تو انھوں نے خلاف دستور جنگ کی تیاری شروع کر دی۔ حضور اکرم ﷺ عام راستے کو چھوڑ کر ایک دوسرے راستے سے آگے بڑھے اور حدیبیہ کے مقام پر پڑاؤ ڈال دیا۔ آپ ﷺ نے ایک مقامی باشندے، جس کا نام بدیل بن ورقاء تھا، کو پیغام دے کر قریش کے پاس مکہ بھیجا کہ ہم کسی سے لڑنے نہیں آئے۔ ہمارا مقصد صرف عمرہ کرنا ہے۔ قریش نے عروہ بن مسعود ثقفیؓ کو سفیر بنا کر بھیجا۔ عروہ، صحابہؓ کی آپ ﷺ سے عقیدت دیکھ کر بہت زیادہ متاثر ہوئے۔

عروہ بن مسعود کے بعد قریش نے احابیش کے سربراہ جلیس کو مسلمانوں کے پاس بھیجا۔ جلیس نے قربانی کے جانور دیکھے تو واپس آ گیا اور قریش سے کہا ''یہ ہمارے دین کے خلاف ہے کہ قربانی کے جانور لے کر آنے والوں کو حرم میں داخلے سے روکیں۔ تم انھیں آنے دو ورنہ ہم احابیش تمھارا ساتھ چھوڑ کر چلے جائیں گے۔''

سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ نے سیدنا عثمانؓ کو قریش مکہ کے پاس سفیر بنا کر بھیجنے کا فیصلہ فرمایا۔ قریش مکہ نے سیدنا عثمانؓ کو جواب دیا کہ سیدنا محمد ﷺ کو کسی صورت مکہ میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دے سکتے۔ ۱۲

قریش نے سیدنا عثمانؓ کو عمرہ ادا کرنے کی پیشکش کی مگر آپؓ نے حضرت محمد ﷺ کے بغیر عمرہ کرنے سے انکار کر دیا۔ ۱۳

سیدنا عثمانؓ ابھی مکہ معظمہ میں ہی تھے کہ مسلمانوں میں یہ افواہ پھیل گئی کہ سیدنا عثمانؓ کو شہید کر دیا گیا ہے۔ اس موقع پر آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو بلایا اور ان سے مشرکین کے ساتھ مقابلہ کرنے کی بیعت لی۔ تمام صحابہ نے بخوشی

بیعت کرلی۔

''ہم سے قتیبہ بن سعید نے بیان کیا کہ ہم سے حاتم بن اسماعیل نے بیان کیا، ان سے یزید بن ابی عبید نے بیان کیا میں نے سلمہ بن اکوع سے پوچھا کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر آپ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے کس چیز پر بیعت کی تھی؟ انھوں نے بتلایا کہ موت پر۔'' ۱۴

صحیح بخاری میں ایک اور روایت بھی ملتی ہے، جس کے مطابق یہ بیعت صبر کے لیے تھی۔ یعنی دشمن کے مقابلہ میں پہنچنے والے مصائب پر صبر کریں گے۔

ہم سے موسیٰ بن اسماعیل نے بیان کیا، کہا ہم سے جویریہ نے بیان کیا، ان سے نافع اور ان سے عبداللہ بن عمرؓ نے کہ صلح حدیبیہ کے بعد جب ہم دوسرے سال پھر آئے تو ہم میں سے (جنھوں نے صلح حدیبیہ کے موقع پر آپ ﷺ سے بیعت لی تھی) دو شخص بھی اس درخت کی نشاندہی پر متفق نہیں ہو سکے، جس کے نیچے ہم نے رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی تھی اور یہ صرف اللہ کی رحمت تھی۔

جویریہ نے کہا، میں نے نافع سے پوچھا، آپ ﷺ نے صحابہ سے کس بات پر بیعت لی تھی؟ کیا موت پر لی تھی؟ فرمایا کہ نہیں بلکہ صبر واستقامت پر بیعت لی تھی۔ ۱۵

سب سے پہلے سیدنا ابوسنان عبداللہ بن وہب اسدیؓ نے آپ ﷺ سے بیعت کی۔ آخر میں نبی اکرم ﷺ نے اپنا دایاں ہاتھ بلند کیا اور فرمایا:

''هٰذِهٖ يَدُ عثمان''

یہ عثمان کا ہاتھ ہے۔

(یہ ایک بہت بڑی سعادت اور فضیلت تھی جو سیدنا عثمانؓ کے حصہ میں آئی کہ آپ ﷺ نے اپنے مبارک ہاتھ کو سیدنا عثمانؓ کا ہاتھ کہا) پھر اسے اپنے بائیں ہاتھ پر مارا اور سیدنا عثمانؓ کو بھی بیعت کرنے والوں میں شامل کرلیا۔ ۱۶

غزوہ حدیبیہ کے حوالے سے محب طبری نے سیدنا عثمانؓ کی خصوصی فضیلت کا ذکر کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ درج ذیل امور کی بناء پر سیدنا عثمانؓ کو نمایاں خصوصیت حاصل ہے۔

۱۔ سیدنا عثمانؓ کی عدم موجودگی میں بیعتِ رضوان کے موقع پر حضرت محمد ﷺ نے اپنا ہاتھ عثمان کا ہاتھ قرار دیا۔ یہ فضیلت کسی اور کے نصیب میں نہیں ہوئی۔

۲۔ مکہ مکرمہ میں مقیم کمزور مسلمانوں کو پیغام رسالت مآب ﷺ پہنچانے کا شرف بھی آپؓ ہی کو حاصل ہے۔

۳۔ مکہ مکرمہ جا کر بھی عمرہ نہیں کیا۔ رسول اکرم ﷺ ہی کی موافقت کی۔ اس باب میں رسول اللہ ﷺ کی گواہی کا شرف بھی آپ ہی کو حاصل ہے۔

ایاس بن سلمہ، اپنے والد کے حوالہ سے بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے سیدنا عثمان ؓ کی طرف سے اپنے ہاتھ سے بیعت کی تو لوگوں نے کہا، ابو عبداللہ کو امن کے ساتھ بیت اللہ کا طواف مبارک ہو۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: اگر وہ وہاں عرصہ دراز بھی ٹھہرے رہیں تب بھی وہ میرے بغیر طواف نہیں کریں گے۔ ١٧

غزوۂ تبوک:

٩ ہجری میں غزوۂ تبوک پیش آیا۔ اس کو جیش العسرۃ بھی کہا جاتا ہے۔ اس کا پس منظر یوں ہے کہ ھرقل (بادشاہ روم کا لقب) نے جزیرۃ العرب پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ اس نے جنگی تیاریاں کرنے کا حکم دیا اور اپنے فوجی افسروں کو جنگ کے لیے تیار رہنے کا حکم دیا۔ عیسائیوں کی ان تیاریوں کی اطلاع مدینہ منورہ میں سیدنا رسول اللہ ﷺ کو پہنچی تو آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو جنگی تیاریوں کا حکم دیا۔ یہ موسم مدینہ منورہ میں شدید گرمی کا موسم تھا۔ جہاد پر اٹھنے والے اخراجات کا مسئلہ بھی درپیش تھا۔ ہر شخص نے حسب استطاعت اس جہاد کی تیاری میں اپنا حصہ ڈالا۔ مسلمان خواتین نے اپنے زیورات جنگی اخراجات کی مد میں جمع کروا دیے۔ سینکڑوں شمع رسالت کے پروانے تھے جو حکم رسالت مآب ﷺ پر لبیک کہتے ہوئے جہاد پر جانے کو تیار بیٹھے تھے۔ مگر ان کے پاس زادِ راہ نہ تھا۔ سیدنا رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"جو انھیں تیار کرے گا، اللہ تعالیٰ اسے معاف کر دے۔" ١٨

یہ آواز سنتے ہی سیدنا عثمان ؓ نے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور مغفرت کی طرف پیش قدمی کی۔

ابنِ شہاب زہری کا بیان ہے کہ سیدنا عثمان ؓ نے غزوۂ تبوک میں اسلامی لشکر کے لیے نو سو چالیس اونٹ اور ساٹھ گھوڑے دے کر ہزار کی گنتی پوری کر دی۔ علاوہ ازیں انھوں نے دس ہزار دینار لا کر آپ ﷺ کی خدمتِ اقدس میں پیش کر دیے۔ آپ ﷺ دیناروں کو اپنے مبارک ہاتھوں سے الٹ پلٹ رہے تھے اور آپ ﷺ کی زبان مبارک پر یہ الفاظ جاری تھے

"آج کے بعد عثمان کو اس کا کوئی عمل نقصان نہیں پہنچائے گا۔" ١٩

سیدنا عبدالرحمٰن بن حباب ؓ کہتے ہیں "میں اس مجلس میں موجود تھا جب رسول اللہ ﷺ تبوک کے لشکر کے لیے ترغیب دلا رہے تھے۔ عثمان ؓ کھڑے ہوئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ، اللہ کی خاطر دو سو اونٹ ساز و سامان سمیت میرے ذمے ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ نے پھر لوگوں کو ترغیب دلائی تو سیدنا عثمان ؓ دوبارہ کھڑے ہو گئے اور عرض کیا۔ اللہ کے رسول ﷺ میں ساز و سامان سمیت تین سو اونٹوں کی ذمہ داری لیتا ہوں۔ پھر میں نے رسول اللہ ﷺ کو منبر سے نیچے اترتے ہوئے دیکھا، اس وقت تک آپ ﷺ کی زبان مبارک پر یہ الفاظ جاری تھے۔

"عثمان اگر آج کے بعد کوئی عمل نہ کریں تو ان پر کوئی حرج نہیں۔" ٢٠

سیدنا عبدالرحمٰن بن سمرہ ؓ کہتے ہیں کہ تبوک کے لشکر کی تیاری والے دن سیدنا عثمان ؓ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں

ایک ہزار دینار لے کر حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ ان دیناروں کو الٹ پلٹ کرتے ہوئے فرما رہے تھے۔
''آج کے بعد ابنِ عفان کو اس کا کوئی عمل نقصان نہیں پہنچا سکتا۔'' آپ ﷺ بار بار یہی ارشاد فرما رہے تھے۔۲۱

بئر رومہ:

حضور اکرم ﷺ جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو مدینہ منورہ میں میٹھے پانی کی شدید قلت تھی۔ پورے شہر میں میٹھے پانی کا ایک کنواں تھا جو کہ ایک یہودی کی ملکیت تھا۔ وہ لوگوں سے قیمت لے کر اس کنوئیں کا پانی فروخت کرتا تھا۔ آپ ﷺ فرمایا:

''کون ہے جو بئرِ رومہ کو خرید کر اسے مسلمانوں کے لیے وقف کر دے، اللہ تعالیٰ اسے اس سے بدرجہا بہتر صلہ جنت میں عطا فرمائے گا۔''۲۲

آپ ﷺ کا ارشادِ عالی شان ہے۔

''جس نے بئرِ رومہ کھودا، اس کے لیے جنت ہے۔''۲۳

سیدنا عثمان ؓ کو اہلِ مدینہ منورہ کی مشکلات کا اندازہ ہوا تو آپ ؓ نے پینتیس ہزار درہم کے عوض کنواں (بئر رومہ) خرید کر اسے مسلمانوں کے لیے وقف کر دیا۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ سیدنا عثمان ؓ نے بیس ہزار درہم میں کنواں خرید کر اسے ہر خاص و عام کے لیے وقف کر دیا۔

مسجد نبوی ﷺ کی توسیع:

مسجد نبوی ﷺ کی توسیع کی ضرورت محسوس ہوئی تو حضور سرور کائنات ﷺ نے مسجد کی توسیع کے لیے ملحقہ زمین خرید کر مسجد میں شامل کرنے کی ترغیب دلاتے ہوئے فرمایا:

''کون ہے جو آلِ فلاں کی زمین خرید کر مسجد میں شامل کرے، اللہ اسے جنت میں اس سے بہتر زمین عطا فرمائے گا''

اس ترغیب پر سیدنا عثمان ؓ فوراً اُٹھ کھڑے ہوئے۔ آپ نے وہ زمین خرید کر مسجد میں شامل کر دی۔۲۴
جب کہ سنن نسائی کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ آپ ؓ نے وہ قطعۂ زمین بیس یا پچیس ہزار درہم میں خرید کر مسجد میں شامل کیا۔۲۵

تاریخ اسلام میں پہلا بحری بیڑہ:

سیدنا عثمان غنی ؓ کو یہ فضیلت حاصل ہے کہ تاریخ اسلام میں سب سے پہلی بحری مہم آپ کی اجازت اور عہدِ خلافت میں ترتیب دی گئی۔ سیدنا عمر فاروق ؓ کے عہدِ خلافت میں گورنر شام حضرت امیر معاویہ ؓ نے جب سمندری جنگ کی اجازت طلب کی تو آپ ؓ نے اس کی اجازت دینے سے انکار کر دیا۔ سیدنا عثمان ذوالنورین ؓ خلیفہ بنے تو حضرت امیر معاویہ ؓ

نے دوبارہ سمندری جنگ کی اجازت طلب کی۔ سیدنا عثمانؓ نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ جب تم نے سیدنا عمرؓ سے بحری جنگ کی اجازت طلب کی تھی اور انھوں نے انکار کر دیا تھا تو اس وقت میں بھی وہاں موجود تھا۔ (پس میرا فیصلہ سیدنا عمرؓ سے مختلف نہیں ہو سکتا)

سیدنا معاویہؓ نے کچھ وقت کے بعد پھر اجازت طلب کی اور کہا کہ قبرص کی طرف سمندری سفر نہایت آسان ہے۔ اس کے جواب میں سیدنا عثمانؓ نے لکھا، ''اگر تمھاری بیوی بھی تمھارے ساتھ جائے تو اجازت ہے ورنہ نہیں۔''

سیدنا عثمانؓ نے درج ذیل ہدایات کے ساتھ بحری جنگ کی اجازت دے دی:

''لوگوں کا انتخاب نہ کرنا، نہ ان کے درمیان قرعہ ڈالنا بلکہ جو اپنی مرضی خوشی سے ساتھ جانا چاہے، اسے لے جانا اور اس کی پوری معاونت کرنا''

سیدنا معاویہؓ نے یہ خط ملنے کے بعد قبرص کی طرف فوج کشی کے لیے تیاری شروع کر دی۔

عہد عثمانؓ میں تدوین قرآن:

امت کو ایک قرآن پاک پر جمع کرنا

سیدنا عثمانؓ کا ایک سنہری کارنامہ امت مسلمہ کو ایک قرآن پاک پر جمع کرنا ہے۔ سیدنا انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ حضرت سیدنا حذیفہ بن یمانؓ، سیدنا عثمانؓ کے پاس آئے۔ وہ اہلِ شام اور اہلِ عراق کے ساتھ مل کر آذر بائیجان اور آرمینیا کی فتح کے دوران جہاد کر رہے تھے۔ اس دوران قرآنِ پاک کی قرأت کے بارے میں اہلِ شام اور اہلِ عراق کے اختلافات نے سیدنا حذیفہؓ کو پریشان کر دیا۔ سیدنا حذیفہؓ نے امیر المومنین سیدنا عثمانؓ سے کہا: ''امیر المومنین! اس اُمت کو سنبھالیے۔ اس سے پہلے کہ کتاب اللہ میں یہود و نصاریٰ کی طرح اختلاف پڑ جائے''

سیدنا عثمانؓ نے ام المومنین حضرت سیدہ حفصہؓ کو پیغام بھیجا کہ عہدِ صدیقی والے مصاحف ہمیں بھیج دیں۔ ہم انھیں مزید صحیفوں میں نقل کر کے آپ کو واپس کر دیں گے۔ سیدہ حفصہؓ نے وہ صحائف بھیج دیے۔ سیدنا عثمانؓ نے حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، حضرت سعید بن عاصؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن حارثؓ کو حکم دیا تو انھوں نے انھیں نقل کر دیا۔ حضرت سیدنا عثمانؓ نے قریش کے تینوں حضرات کو حکم دیا کہ اگر تمھارا کسی چیز میں حضرت زید بن ثابتؓ سے اختلاف ہو جائے تو اسے قریش کی لغت کے مطابق لکھو۔ کیوں کہ قرآن پاک انھی کی لغت میں نازل ہوا ہے۔ انھوں نے اسی طرح کیا۔

جب انھوں نے ان مصاحف کی کاپیاں تیار کر لیں تو سیدنا عثمانؓ نے مصاحف سیدہ حفصہؓ کو واپس بھجوا دیے اور جو کاپیاں انھوں نے تیار کروائی تھیں ان میں سے ایک ایک کاپی ہر علاقے میں بھجوا دی۔ ساتھ ہی حکم دیا کہ اس کے علاوہ جتنے صحیفے یا مصحف ہیں انھیں جلا دیا جائے۔ ۲۶

سیدنا عثمان ذوالنورین سے مروی احادیث رسول ﷺ

حضرت سیدنا عثمان ؓ سے متعدد احادیثِ نبوی ﷺ مروی ہیں۔ان میں سے چند احادیث درج کی جارہی ہیں:

۱۔ ابوعبدالرحمٰن سلمی ؒ فرماتے ہیں: جب سے میں نے سیدنا عثمان ؓ سے درج ذیل حدیث سنی ہے اس پر عمل پیرا ہوں۔

''تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو قرآن سیکھے اور دوسروں کو اس کی تعلیم دے۔'' ۲۷

۲۔ سیدنا عثمان ؓ نے بلاط (مسجدِ نبوی اور مدینہ کے بازار کے درمیان ایک جگہ کا نام) نامی جگہ پر وضو کیا۔ پھر فرمایا: میں تمھیں ایک حدیث سناتا ہوں۔ یہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے۔ اگر قرآن کی آیت (جس میں علم کو چھپانے کی وعید ہے) نہ ہوتی تو میں تمھیں کبھی نہ بتاتا، میں نے آپ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا:

''جس نے وضو کیا اور اچھے طریقے سے کیا، پھر وہ مسجد میں داخل ہوا اور نماز پڑھی تو اس نماز سے لے کر اگلی نماز تک کے دورانیے میں اس کے کیے گئے گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔'' ۲۸

۳۔ سیدنا عثمان ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جس نے اللہ عزوجل کے حکم کے مطابق پورا وضو کیا تو فرضی نمازیں ان کے درمیانے اوقات کے گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہیں۔'' ۲۹

۴۔ سیدنا عثمان ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، بے شک جب بندہ وضو کرتا ہے اور مکمل وضو کرتا ہے، پھر نماز شروع کردیتا ہے اور مکمل نماز ادا کرتا ہے تو وہ اپنے گناہوں سے اس طرح پاک ہوجاتا ہے جیسے اپنی ماں کے پیٹ سے باہر آیا ہے۔ ۳۰

۵۔ سیدنا عثمان ؓ بن عفان سے مروی ہے کہ انھوں نے پانی منگوایا اور وضو کیا، کلی کی، ناک میں پانی چڑھایا، پھر تین بار چہرہ دھویا، تین دفعہ بازو دھوئے اور پھر اپنے سر اور پاؤں کے ظاہری حصے کو مسح کیا اور پھر ہنس پڑے اور ساتھیوں سے کہا، کیا تم مجھ سے اس چیز کے بارے میں سوال نہیں کروگے جس نے مجھے ہنسایا ہے؟ لوگوں نے کہا اے امیر المومنین! آپ کیوں ہنسے ہیں؟ انھوں نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ نے پانی منگوایا، جب کہ آپ ﷺ اسی جگہ کے قریب تھے۔ پس آپ ﷺ نے میرے اس وضو کی طرح وضو کیا اور پھر مسکرا پڑے اور فرمایا: کیا تم لوگ مجھ سے اس چیز کے بارے میں سوال نہیں کروگے جس کی وجہ سے میں مسکرایا ہوں؟ لوگوں نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ کس چیز نے آپ ﷺ کو ہنسادیا ہے؟ آپ ﷺ فرمایا: بے شک جب بندہ وضو کا پانی منگوا کر چہرہ دھوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے چہرے سے ہر اس گناہ کو مٹادیتا ہے جس کا چہرے نے ارتکاب کیا ہوتا ہے، پھر جب وہ اپنے بازو دھوتا ہے تو اسی طرح ہوتا ہے جب وہ مسح کرتا ہے تو اسی طرح ہوتا ہے اور جب وہ اپنے پاؤں دھوتا ہے تو اسی طرح ہوتا ہے۔ ۳۱

فضائل حضرت سیدنا عثمان ذوالنورین ؓ بزبانِ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ:

حضرت عائشہ ؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ میرے گھر میں لیٹے ہوئے تھے۔ درآں حالیکہ آپ ﷺ کی دونوں رانیں یا دونوں پنڈلیاں کھلی ہوئی تھیں۔ حضرت ابوبکر ؓ نے اجازت طلب کی۔ آپ ﷺ نے ان کو اجازت دے دی۔ درآں حالیکہ آپ ﷺ اسی طرح لیٹے رہے۔ پھر آپ ﷺ باتیں کرتے رہے۔ پھر حضرت عمر ؓ نے اجازت طلب کی۔ آپ ﷺ نے ان کو اجازت دے دی۔ درآں حالیکہ آپ ﷺ اسی طرح لیٹے رہے۔ پھر آپ ﷺ باتیں کرتے رہے۔ پھر حضرت عثمان ؓ نے اجازت طلب کی تو رسول اللہ ﷺ اُٹھ کر بیٹھ گئے اور اپنے کپڑے درست کر لیے۔ (راوی کہتے ہیں کہ میں یہ نہیں کہتا کہ یہ ایک دن کا واقعہ ہے)۔ حضرت عثمان ؓ آ کر باتیں کرتے رہے۔ جب وہ سب چلے گئے تو حضرت عائشہ ؓ نے کہا۔ حضرت ابوبکر ؓ آئے تو آپ ﷺ نے ان کا کچھ خیال نہیں کیا اور نہ ان کی کوئی پرواہ کی، حضرت عمر ؓ آئے تو آپ ﷺ نے ان کی بھی کوئی پرواہ نہیں کی اور جب حضرت عثمان ؓ آئے تو آپ ﷺ اُٹھ کر بیٹھ گئے اور آپ ﷺ نے اپنے کپڑے درست کر لیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میں اس شخص سے کیسے حیا نہ کروں جس سے فرشتے بھی حیا کرتے ہیں۔۳۲

نبی ﷺ کی زوجہ حضرت عائشہ ؓ اور حضرت عثمان ؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر ؓ نے رسول اللہ ﷺ سے اجازت طلب کی درآں حالیکہ رسول اللہ ﷺ اپنے بستر پر حضرت عائشہ ؓ کی چادر اوڑھے لیٹے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے حضرت ابوبکر ؓ کو اسی حالت میں آنے کی اجازت دے دی۔ حضرت ابوبکر ؓ اپنی ضرورت پوری کر کے چلے گئے۔ پھر حضرت عمر ؓ نے اجازت طلب کی۔ آپ ﷺ نے ان کو اسی حالت میں اجازت دی۔ وہ بھی اپنی ضرورت پوری کر کے چلے گئے۔ حضرت عثمان ؓ نے فرمایا پھر میں نے آپ ﷺ سے اجازت طلب کی تو آپ ﷺ بیٹھ گئے اور حضرت عائشہ ؓ سے فرمایا اپنے کپڑے درست کر لو۔ پھر میں اپنی حاجت پوری کر کے چلا گیا۔

حضرت عائشہ ؓ نے پوچھا: یارسول اللہ ﷺ کیا وجہ ہے کہ آپ ﷺ حضرت ابوبکر ؓ اور حضرت عمر ؓ کے لیے اس قدر نہیں گھبرائے جس قدر حضرت عثمان ؓ سے گھبرا گئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حضرت عثمان ؓ ایک حیادار مرد ہیں اور مجھے خدشہ تھا کہ اگر میں نے اسی حال میں ان کو اجازت دے دی تو وہ مجھ سے اپنی حاجت بیان نہیں کریں گے۔۳۳

حضرت ابوموسیٰ اشعری ؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ کے ایک باغ میں تکیہ لگا کر بیٹھے ہوئے تھے اور ایک لکڑی سے کیچڑ کھرچ رہے تھے۔ ایک شخص نے دروازہ کھلوایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا دروازہ کھول کر اس کو جنت کی بشارت دے دو۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری ؓ نے کہا آنے والے حضرت ابوبکر ؓ تھے۔ میں نے دروازہ کھول کر ان کو جنت کی بشارت دے دی۔ پھر ایک شخص نے دروازہ کھلوایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا دروازہ کھول کر اس کو جنت کی بشارت دے دو۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری ؓ کہتے ہیں میں گیا تو وہ حضرت عمر ؓ تھے۔ میں نے دروازہ کھول کر ان کو جنت کی بشارت دے دی۔ پھر ایک شخص نے دروازہ کھلوایا۔ نبی ﷺ بیٹھ گئے اور فرمایا دروازہ کھول دو اور اس کو مصیبتوں کے ساتھ جنت کی بشارت

دے دو۔ میں نے جا کر دروازہ کھولا تو وہ حضرت عثمانؓ تھے۔ میں نے دروازہ کھولا اور ان کو جنت کی بشارت دی اور جو کچھ حضورﷺ نے فرمایا تھا وہ کہہ دیا۔ حضرت عثمانؓ نے کہا: اے اللہ صبر عطا فرما، یا اللہ تجھ ہی سے مدد طلب کی گئی ہے۔۳۲

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے اپنے گھر میں وضو کیا، پھر باہر آئے اور کہا میں ضرور رسول اللہﷺ کے ساتھ رہوں گا اور آج سارا دن آپﷺ کے ساتھ گزاروں گا۔ وہ مسجد میں گئے اور نبیﷺ کے متعلق سوال کیا۔ حاضرین نے بتایا کہ آپﷺ فلاں جانب گئے ہیں۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے کہا میں آپﷺ کے پیچھے پوچھتے پوچھتے گیا حتیٰ کہ حضورﷺ اریس کنوئیں میں داخل ہوگئے۔ میں دروازے کے پاس بیٹھ گیا۔ اس کا دروازہ لکڑی کا تھا۔ رسول اللہﷺ نے قضائے حاجت کے بعد وضو کیا۔ میں آپﷺ کے پاس کھڑا ہوگیا اور رسول اللہﷺ اریس کنوئیں کے وسط میں ٹانگیں لٹکا کر بیٹھ گئے۔ میں نے آپﷺ کو سلام کیا اور پھر جا کر دروازے کے پاس بیٹھ گیا۔ میں نے دل میں سوچا آج میں رسول اللہﷺ کا دربان بنوں گا۔ پھر حضرت ابوبکرؓ آئے اور انھوں نے دروازہ کھٹکھٹایا، میں نے پوچھا کون ہے؟ انھوں نے کہا ابوبکر، میں نے کہا ٹھہرو۔ پھر میں گیا اور میں نے کہا یہ ابوبکر ہیں اور آنے کی اجازت طلب کر رہے ہیں۔ آپﷺ نے فرمایا: ان کو اجازت دو اور جنت کی بشارت دے دو۔ پھر میں آیا اور میں نے حضرت ابوبکرؓ سے کہا جائیں۔ آپ کو رسول اللہﷺ جنت کی بشارت دے رہے ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ آئے اور کنویں کی منڈیر پر رسول اللہﷺ کی داہنی جانب ٹانگیں لٹکا کر بیٹھ گئے جس طرح رسول اللہﷺ بیٹھے ہوئے تھے اور انھوں نے اپنی پنڈلیوں سے کپڑا ہٹالیا۔ میں پھر واپس جا کر دروازے پر بیٹھ گیا۔ میں اپنے بھائی کو وضو کرتا ہوا چھوڑ کر آیا تھا۔ میں نے دل میں سوچا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے فلاں کے ساتھ (میری مراد میرا بھائی تھا) خیر کا ارادہ کیا تو اس کو بھی بھیج دے گا۔ اچانک کوئی شخص دروازہ کھٹکھٹا رہا تھا؛ میں نے کہا کون ہے؟ اس نے کہا عمر بن الخطاب۔ میں نے کہا ٹھہریئے۔ پھر میں نے رسول اللہﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر سلام عرض کیا اور کہا اب حضرت عمرؓ اجازت طلب کر رہے ہیں۔ آپﷺ نے فرمایا ان کو اجازت دے دو اور ان کو جنت کی بشارت دے دو۔ پھر میں حضرت عمرؓ کے پاس گیا اور کہا؛ اب آپ جائیں اور رسول اللہﷺ آپ کو جنت کی بشارت دیتے ہیں۔ پھر حضرت عمرؓ گئے اور کنویں کی منڈیر پر رسول اللہﷺ کی بائیں جانب بیٹھ گئے اور اپنی دونوں ٹانگیں کنویں میں لٹکالیں۔ پھر میں واپس آ کر بیٹھ گیا اور میں نے دل میں کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے فلاں کے ساتھ (میری مراد میرا بھائی تھا) خیر کا ارادہ کیا تو اس کو بھیج دے گا۔ پھر ایک شخص نے آ کر دروازہ کھٹکھٹایا۔ میں نے کہا کون ہے؟ اس نے کہا عثمان بن عفان۔ میں نے کہا ٹھہریے۔ میں نے نبیﷺ کے پاس جا کر خبر دی۔ آپﷺ نے فرمایا اس کو اجازت دو اور جو مصائب اس کو لاحق ہوں گے ان کے ساتھ اس کو جنت کی بشارت دو۔ میں نے کہا جایئے رسول اللہﷺ آپ کو ان مصائب کے ساتھ جنت کی بشارت دے رہے ہیں جو آپ کو لاحق ہوں گے۔ وہ آئے۔ انھوں نے دیکھا کہ منڈیر بھر چکی ہے۔ وہ ان کے سامنے کی جانب بیٹھ گئے۔ سعید بن مسیب کہتے ہیں۔ اس حدیث سے میں نے یہ نتیجہ نکالا کہ ان کی قبریں بھی اسی طرح ہوں گی۔۳۳

سیدنا انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اُحد پہاڑ پر چڑھے۔ آپ ﷺ کے ساتھ سیدنا ابوبکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ بھی تھے۔ پہاڑ میں حرکت ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

''اُحد ٹھہر جا۔ (میرا خیال ہے آپ ﷺ نے پہاڑ پر اپنا پاؤں مارا تھا) تجھ پر ایک نبی ﷺ، ایک صدیقؓ اور دو شہیدؓ موجود ہیں۔'' (صحیح البخاری، حدیث۔۳۶۹۷)

سیدنا ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کوہِ حرا پر تھے۔ سیدنا ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، طلحہؓ، زبیرؓ اور سعد بن ابی وقاصؓ آپ ﷺ کے ساتھ تھے۔ اچانک چٹان ہلنے لگی تو آپ ﷺ نے فرمایا۔

''حرا ٹھہر جا۔ تجھ پر ایک نبی ﷺ، صدیقؓ اور شہیدؓ ہی تو ہیں۔'' ۳۶

ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ابوبکرؓ، عمرؓ، علیؓ، عثمانؓ، طلحہؓ اور زبیرؓ حرا پہاڑ پر تھے تو وہ چٹان جس پر یہ لوگ تھے، ہلنے لگی تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''ٹھہری رہ۔ تجھ پر نبی ﷺ، صدیقؓ اور شہیدؓ ہیں'' (یہ حدیث صحیح ہے) ۳۷

حضرت انسؓ کہتے ہیں، رسول اللہ ﷺ اُحد پہاڑ پر چڑھے۔ اور ابوبکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ بھی، تو وہ ان کے ساتھ ہل اُٹھا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ٹھہرا رہ اے اُحد۔ تیرے اوپر ایک نبی ﷺ، ایک صدیقؓ اور دو شہیدؓ ہیں'' (یہ حدیث صحیح ہے)

صحیح بخاری کتاب فضائل الصحابہ (باب مناقب ابی بکر) اور (باب مناقب عثمان) میں اُحد پہاڑ کا تذکرہ، حافظ ابن حجر کے بقول یہ دو الگ الگ واقعات ہیں۔ اس میں کوئی تضاد یا تعارض کی بات نہیں ہے۔ ۳۸

ابو عبدالرحمٰن سلمیؒ کہتے ہیں کہ جب حضرت عثمانؓ کا محاصرہ کیا گیا تو انھوں نے اپنے مکان کے کوٹھے سے جھانک کر بلوائیوں کو دیکھا اور پھر کہا میں تمھیں اللہ کا حوالہ دے کر یاد دلاتا ہوں کیا تم جانتے ہو کہ حرا پہاڑ سے، جس وقت وہ ہلا تھا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا۔ ''حرا ٹھہرے رہو کیوں کہ تجھ پر ایک نبی ﷺ، ایک صدیقؓ اور ایک شہیدؓ کے علاوہ کوئی اور نہیں'' ان لوگوں نے کہا ہاں۔ پھر حضرت عثمانؓ نے کہا میں تمھیں اللہ کا حوالہ دے کر یاد دلاتا ہوں کیا تمھیں معلوم ہے رسول اللہ ﷺ جیش عسرہ (غزوہ تبوک) کے سلسلے میں فرمایا تھا۔ ''کون اس غزوہ کا خرچ دے گا جو اللہ کے نزدیک مقبول ہوگا؟'' اور لوگ اس وقت پریشانی اور تنگی میں تھے تو میں نے خرچ دے کر اس لشکر کو تیار کیا۔ لوگوں نے کہا ہاں۔ پھر حضرت عثمانؓ نے کہا میں تمھیں اللہ کا واسطہ دے کر یاد دلاتا ہوں کیا تمھیں معلوم نہیں ''بئرِ رومہ'' کا پانی بغیر قیمت کے کوئی پی نہیں سکتا تھا تو میں نے اسے خرید کر محتاج اور مسافر سب کے لیے وقف کر دیا؟ لوگوں نے کہا ہاں ہمیں معلوم ہے۔ اور اسی طرح اور بھی بہت سی چیزیں انھوں نے گنوائیں۔ ۳۹

ابو اشعث صنعانی سے روایت ہے کہ مقررین ملکِ شام میں تقریر کے لیے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ ان میں رسول

اللہ ﷺ کے اصحاب میں سے بھی کچھ لوگ تھے۔ پھر سب سے آخر میں ایک شخص کھڑا ہوا جسے مرہ بن کعبؓ کہا جاتا تھا، اس نے کہا اگر میں نے ایک حدیث رسول اللہ ﷺ سے نہ سنی ہوئی ہوتی تو میں کھڑا نہ ہوتا۔ پھر انھوں نے فتنوں کا ذکر کیا اور بتایا کہ اس کا ظہور قریب ہے۔ پھر ایک شخص منہ پر کپڑا اڈالے ہوئے گزرا تو مرہ نے کہا یعنی نبی ﷺ کا قول نقل کیا" یہ اس دن ہدایت پر ہوگا" تو میں اسے دیکھنے کے لیے اس کی طرف اٹھا تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ عثمان بن عفانؓ ہیں۔ میں نے ان کا منہ نبی اکرم ﷺ کی طرف کر کے کہا وہ یہی ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا "ہاں وہ یہی ہیں۔" یہ حدیث حسن صحیح ہے۔[۴۰]

حوالہ جات:

۱۔ سیرت عثمان ذوالنورینؓ، ڈاکٹر علی محمد الصلابی، دارالسلام، ص ۵۳

۲۔ ایضاً، ص ۵۳

۳۔ ایضاً، ص ۶۳

۴۔ السیرۃ النبویہ لابن ہشام، ص ۲۸۷۔۲۸۹

۵۔ البدایہ والنھایہ، ۷/۲۱۰

۶۔ انساب الاشرف، ص ۸۹

۷۔ سیرت عثمان ذوالنورینؓ، ص ۶۷

۸۔ عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری، ۱۶/۲۰۱

۹۔ سیرت عثمان ذوالنورینؓ، ص ۷۳

۱۰۔ صحیح بخاری، حدیث ۳۶۹۹

۱۱۔ سیرت عثمان ذوالنورینؓ، ص ۹۰

۱۲۔ سیرت عثمان ذوالنورینؓ، ص ۹۶

۱۳۔ زادالمعاد، حافظ ابن قیم

۱۴۔ صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب غزوہ حدیبیہ، حدیث ۴۱۶۹

۱۵۔ صحیح بخاری، کتاب جہاد، حدیث ۲۹۵۸

۱۶۔ سیرت عثمان ذوالنورینؓ ص ۹۸

۱۷۔ سیرت عثمان ذوالنورینؓ، ص ۱۰۱۔۱۰۰

۱۸۔ سیرت عثمان ذوالنورینؓ، ص ۱۰۵

۱۹۔ جامع ترمذی، حدیث ۳۷۰۱

۲۰۔ جامع ترمذی، حدیث ۳۷۰۰

۲۱۔ سیرت عثمان ذوالنورین ؓ ص ۱۰۷

۲۲۔ سنن نسائی، حدیث ۳۶۳۸

۲۳۔ صحیح بخاری، ۲۷۷۸

۲۴۔ جامع ترمذی، ۳۷۰۳

۲۵۔ سنن نسائی ۳۶۳۷

۲۶۔ سیرت عثمان ذوالنورین ؓ ص ۵۳۱۔۵۳۰

۲۷۔ صحیح بخاری، فضائل القرآن، حدیث ۵۰۲۷

۲۸۔ مسند احمد، ۵۷/۱، اسناد صحیح

۲۹۔ مسند احمد، ۵۷/۱، اسناد صحیح

۳۰۔ مسند احمد، حدیث ۵۹۵، اسناد صحیح

۳۱۔ مسند احمد، حدیث ۵۸۶، اسناد صحیح

۳۲۔ صحیح مسلم ۶۰۸۷ ، شرح صحیح مسلم، علامہ غلام رسول سعیدی، فرید بک سٹال لاہور، باب حضرت عثمان ؓ کے فضائل، ص ۹۳۲

۳۳۔ صحیح مسلم ۶۰۸۸، شرح صحیح مسلم، علامہ غلام رسول سعیدی، فرید بک سٹال لاہور، باب حضرت عثمان ؓ کے فضائل، ص ۹۳۳۔۹۳۲

۳۴۔ صحیح مسلم ۶۰۹۰، شرح صحیح مسلم، علامہ غلام رسول سعیدی، فرید بک سٹال لاہور، باب حضرت عثمان ؓ کے فضائل، ص ۹۳۳۔۹۳۴

۳۵۔ صحیح مسلم ۶۰۹۲، شرح صحیح مسلم، علامہ غلام رسول سعیدی، فرید بک سٹال لاہور، ص ۹۳۶۔۹۳۵۔۹۳۴، کتاب فضائل الصحابہ ؓ

۳۶۔ صحیح مسلم، حدیث ۲۴۱۷

۳۷۔ سنن ترمذی، کتاب المناقب، حدیث ۳۶۹۶ جلد نمبر ۴، ص ۵۷۱

۳۸۔ سنن ترمذی، کتاب المناقب، حدیث ۳۶۹۷ جلد نمبر ۴، ص ۵۷۲

۳۹۔ سنن ترمذی، کتاب المناقب، حدیث ۳۶۹۹ جلد نمبر ۴، ص ۵۷۳

۴۰۔ سنن ترمذی، کتاب المناقب، حدیث ۳۶۹۹ جلد نمبر ۴، ص ۵۷۷

☆☆☆☆

شیخ شہاب الدین سہروردیؒ۔احوال وآثار

☆عطاالمصطفیٰ مظہری (ریسرچ اسکالر)

شجرہ نسب:

ماہرین انساب کے مطابق حضرت شہاب الدین سہروردی کا سلسلہ نسب ۱۳یا۱۶ واسطوں سے حضرت ابو بکر الصدیقؓ تک پہنچتا ہے۔امام تقی الدین سبکی شافعی نے طبقات الشافعیہ میں اور علامہ ابن خلکان نے وفیات الاعیان میں ۱۶ واسطوں پر مشتمل شجرۂ نسب ذکر کیا ہے جب کہ ابن النجار کا بیان کردہ نسب نامہ ۱۳ واسطوں پر مشتمل ہے۔امام تقی الدین سبکی شافعی کا اختیار کردہ نسب نامہ کچھ یوں ہے۔

''عمر بن محمد بن عبداللہ بن محمد بن عبداللہ بن عمّو یہ ابن سعید بن الحسین بن القاسم بن نصر بن القاسم بن محمد بن ابی بکر الصدیق عبداللہ ابن ابی قحافہؓ '' [۱]

جب کہ ۱۳ واسطوں پر مشتمل ابن النجار کا ذکر کردہ نسب نامہ کچھ یوں ہے۔

''شیخ شہاب الدین ابوحفص عمر بن محمد بن ابی عبداللہ بن محمد بن عبداللہ بکری المعروف بہ شیخ عمویہ ابن سعد بن حسین بن قاسم بن سعد بن نصر بن عبدالرحمٰن بن قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیقؓ'' [۲]

اسم مبارک، لقب اور کنیت:

آپ کا اسم مبارک عمر بن محمد جب کہ کنیت مشہور ''ابوحفص'' [۳] اس کے علاوہ ابوعبداللہ، ابونصر اور ابوالقاسم الصّوفی بھی کنیت ذکر کی گئی ہے۔ [۴] آپ ''شہاب الدین [۵] کے لقب سے مشہور ہوئے۔اس کے علاوہ شیخ الشیوخ، شیخ العارفین اور شیخ الاسلام کے القابات سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔

سنِ ولادت وجائے ولادت:

آپ مولداً سُہر وَردِی، موطناً بغدادی، نسباً بکری اور مذہباً شافعی تھے۔آپ عراقِ عجم میں زنجان کے مضافات میں واقع ایک چھوٹے سے قصبہ'' سُہر وَرد'' میں پیدا ہوئے۔بکری قبیلہ تیم کی ایک ذیلی شاخ ہے جو کہ قریش میں سے ہے آپ آواخر شہرِ رجب یا اوائل شہرِ شعبان ۵۳۹ھ کو پیدا ہوئے، پیدائش تو سہرورد میں ہوئی۔جب کہ زندگی کا اکثر حصہ بغداد میں گزارا۔شیخ امام تاج الدین سبکی شافعی نے ماہِ ولادت رجب بیان کیا ہے۔جائے ولادت وسن ولادت کا ذکر

☆ پی ایچ۔ڈی اسکالر، جی سی یونیورسٹی، لاہور

کرتے ہوئے آپ لکھتے ہیں:

"هو الشيخ شهاب الدين السهروردی، صاحب "عوارف المعارف"، ولد فی رجب، سنة تسع و ثلاثين و خمسمائة، بسهرورد، وقدم بغداد، فصحب عمه الشيخ ابا النجيب عبدالقاهر، واخذ عنه التصوف و الوعظ، وصحب ايضا الشيخ عبدالقادر، و صحب بالبصرة الشيخ ابا محمد بن عبدالله"[٦]

ترجمہ: شیخ شہاب الدین سہروردی، صاحب عوارف المعارف، ماہ رجب ۵۳۹ھ سہرورد کے مقام پر پیدا ہوئے۔ پھر آپ بغداد تشریف لے گئے، اپنے عم محترم شیخ ابوالنجیب عبدالقاہر کی صحبت میں رہے اور ان سے تصوف و وعظ میں اکتسابِ فیض کیا، (اس کے علاوہ) شیخ عبدالقادر (جیلانی) کی صحبت میں بھی رہے اور بصرہ میں شیخ ابومحمد بن عبداللہ کی صحبت کا شرف بھی حاصل کیا"

الحافظ شمس الدین محمد بن علی بن احمد الداوٗدی المتوفی ۹۴۵ھ ماہِ ولادت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ومولده بسهرورد فی أواخر رجب أوأوائل شعبان، و الشک منه فی سنه تسع وثلاثين وخمسمائة."[٧]

"آپ سہرورد میں اواخر رجب یا اوائل شعبان (اس میں اختلاف ہے) میں ۵۳۹ھ کو پیدا ہوئے"

تعلیم وتربیت:

آپ کے والد ابوجعفر محمد بن عبداللہ نے علومِ فقہ کی تحصیل بغداد سے کی اور کافی عرصہ تک بغداد میں وعظ و ارشاد کا فریضہ سرانجام دیتے رہے، اس کے بعد آپ سہرورد کے قاضی مقرر ہوئے بعدازاں آپ کو بغداد میں شہید کر دیا گیا۔[٨] اس وقت شیخ شہاب الدین چھ ماہ کے تھے، والد کی شہادت کے بعد آپ کب تک سہرورد رہے، بغداد کی طرف تحصیلِ علم کے لیے کب رختِ سفر باندھا؟ کس کے ساتھ بغداد تشریف لائے؟؟ کہاں کہاں سے علم حاصل کرتے رہے؟؟ اس کے بارے اگرچہ معلومات کی کمی ہے لیکن علامہ اِسنوی کے مطابق آپ ۱۷ سال تک اپنے شہر پڑھتے رہے، جب کہ شیخ تقی الدین ابن القاضی شہبہ دمشقی نے لکھا کہ آپ نے اپنے چچا شیخ ابوالنجیب عبدالقاہر السہروردی کے گھر پرورش پائی اور بعض کے مطابق آپ نے بغداد کی طرف رختِ سفر اپنے عم محترم کے ہمراہ باندھا۔ اس کے علاوہ آپ کے بھائی شیخ عبدالملک بن محمد ایک صاحبِ ورع و پرہیزگار بزرگ تھے۔ بغداد میں لوگ حصولِ برکت کی دعا کے لیے ان کے پاس آیا کرتے۔

ابن النجار کا آپ کے بھائی متعلق یہ بیان ہے:

وكان له اخ صالح يتبرک الناس بدعائه فی بغداد، اسمه عبدالملک بن محمد[٩]

''آپ کے بھائی جن کا نام عبدالملک بن محمد تھا، ایک متقی انسان تھے بغداد کے رہنے والے، حصول برکت کے لیے آپ سے دُعا کے لیے رجوع کرتے تھے''

بہرحال شیخ شہاب الدین نے تحصیل علم کی تکمیل بغداد میں کی، یہاں آپ نے علم حدیث، فقہ اور اصول کی تعلیم شیخ ھبتہ اللہ الشبلی کے پاس مکمل کی، جب کہ تصوف وارشاد میں اخذِ فیض اپنے عم محترم سے کیا، اس کے علاوہ تفسیر و حدیث اور فقہ و حدیث کے دیگر آئمہ عصر سے بھی استفادہ کرتے رہے، آپ کے بعض مشہور اساتذہ کے نام حسب ذیل ہیں:

۱) آپ کے عمِ محترم شیخ عبدالقاہر بن عبداللہ بن محمد السہر وردی (۴۹۰/۵۶۳)
۲) ابوالمظفر ھبتہ اللہ بن احمد الشبلی (۴۷۰/۵۵۷)
۳) محمد بن عبدالباقی بن احمد (۴۷۷/۵۶۴)
۴) طاہر بن محمد بن طاہر بن علی (۴۸۱/۵۶۶)
۵) یحیٰ بن واثق بن علی بن فضل بن ھبتہ اللہ فقیہہ شافعی (۵۹۵/۵۱۷)
۶) معمر بن عبداللہ بن رجا بن عبدالوہاب بن محمد (۴۹۴/۵۶۴)
۷) محمد بن ابوجعفر محمد بن علی بن محمد (۴۷۵/۵۵۵)
۸) شیخ عبدالقادر بن صالح عبداللہ بن جنکی دوست (۴۷۱/۵۶۱)
۹) عبداللہ بن سعد بن حسین بن الخاطر (۴۸۰/۵۶۰)
۱۰) احمد بن مقرب بن حسین بن حسن (۴۷۹/۵۶۳)
۱۱) یحیٰ بن ثابت بن بیذار بن ابراہیم (۵۶۶/۱۱۷۰)
۱۲) ابومحمد بن عبداللہ البصری۔[۱۰]

تلامیذ شیخ سہرورد:

شیخ شہاب الدین نے فقہ، حدیث، ادب اور اصول میں درسیات کی تکمیل کے بعد مدتِ طویل تک لوگوں سے عزلت اور خلوت اختیار کیے رکھی۔ اور ذکر و تلاوت قرآن اور صوم وصلوۃ میں مشغول ہو گئے پھر آپ نے مجالس وعظ و نصیحت میں لوگوں کی تربیت شروع کی۔ ہر خاص و عام میں آپ کو قبولِ عام حاصل ہوا۔ علم کے پیاسوں نے آپ کے چشمۂ فیض سے استفادہ کیا، فقہا ہوں کہ محدثین، صوفیا ہو کہ متکلمین ہر شعبہ علم و معرفت سے تعلق رکھنے والوں نے آپ کی درگاہ کا قصد کیا۔ چند مشہور تلامذہ کے اسما حسب ذیل ہیں:

۱) محمد بن محمود بن حسن بن ھبتہ اللہ المعروف با بن النجار (۵۷۸/۶۴۳)
۲) ابوبکر محمد بن عبدالغنی المعروف با بن نقطہ (۵۷۹/۶۲۹)

۳) محمد بن ابوالمعالی المعروف بابن الدبیثی (۵۵۸/۶۳۷)

۴) محمد بن عبدالواحد المشہو رضیاء الدین المقدسی (۵۶۹/۶۴۳)

۵) اسماعیل بن حامد بن عبدالرحمٰن المعروف بالقوصی (۵۷۴/۶۵۳)

۶) احمد بن محمد بن النابلسی المعروف بشرف الدین بن النابلسی (۶۹۳/۱۲۹۵)

۷) محمد بن عبداللہ بن احمد الزنجانی (۵۶۹/۶۷۴)

۸) اسعد بن مسلم بن مکی بن علان المعروف بابی الغنائم علان (۵۶۰/۶۳۶)

۹) محمد بن یوسف بن محمد (۵۷۷/۶۳۶)

۱۰) محمد بن علی بن حسین بن حمزہ المعروف بابی الفضل الخلاطی (۵۹۴/۶۷۵)

۱۱) محمد بن عبدالمومن ابوالفتح

۱۲) محمد بن ابراہیم بن عبدالواحد بن علی المعروف بالجاعیلی القاضی الحنبلی (۶۰۳/۶۷۶)

۱۳) محمد بن سوار بن اسماعیل المعروف بنجم الدین سوار الدمشقی الشاعر (۶۰۳/۶۷۷)

۱۴) عبدالرحمٰن بن عمر بن احمد المعروف بمجد الدین بن العدیم (۶۱۴/۶۷۷)

۱۵) احمد بن اسحاق بن محمد المعروف بشہاب الدین والابرقوھی (۶۱۵/۷۰۱) ۱۱

۱۶) ابوالفرج بن الزین

۱۷) ابواسحاق بن الواسطی

۱۸) رشید بن ابوالقاسم

۱۹) ظہیرالدین محمد الزنجانی

۲۰) الفخر بن عساکر

۲۱) الشمس بن الشیرازی

۲۲) القاضی الحنبلی

۲۳) حسن بن الجلال

۲۴) احمد بن العطار

۲۵) زکی الدین عبداللہ المنذری ۱۲

علمی مقام ومرتبہ:

شیخ سہروردکا بچپن میں ہی اپنے عمِ محترم حضرت شیخ ابوالنجیب السہروردی کی بارگاہ میں آنے کا مقصدِ وحید ہی

یہی تھا کہ آپ دینی اور روحانی تعلیم سے بہرور ہوسکیں۔ شیخ عبدالقاھر ابوالخبیب کے زیرِ تربیت آپ نے تفسیر، حدیث، فقہ، تصوف، ادب اور دیگر علومِ متداولہ میں تبحر حاصل کیا آپ نے فقہ اور اصول میں وہ کمال حاصل کیا کہ اپنے زمانہ کے فقہائے شافعیہ میں سے ہوئے، انھوں نے امام غزالی کی اتباع میں بعض دفعہ خلاف مذہب شافعی فتاویٰ بھی دیئے۔[۱۳]

اپنے زمانہ میں آپ مرجع فتویٰ تھے۔ دیگر بلادِ اسلامیہ کے مشائخ طریقت آپ کی طرف اپنے اشکالات بصورتِ سوال ارسال کرتے تو آپ ان کے جوابات دیا کرتے تھے۔ ایسے ہی ایک سوال کا ذکر کرتے ہوئے ابن خلکان لکھتے ہیں:

وکان ارباب الطریق من مشایخ عصرہ یکتبون الیه من البلاد صور فتاوی یسالونه عن شئی من احوالهم، سمعت أن بعضهم کتب الیه" یاسیدی، إن ترکت العمل أخلدت إلی البطالة، وان عملت داخلنی العجب، فأیهماأولی؟ فکتب جوابه: اعمل واستغفرالله من العجب"[۱۴]

ترجمہ: آپ کے ہم عصر مشائخِ طریقت مختلف بلادِ اسلامیہ سے آپ سے مسائل فتویٰ پوچھا کرتے، میں نے سنا کہ ان میں سے بعض نے آپ کی طرف لکھا کہ یاسیدی! اگر میں عمل چھوڑتا ہوں تو بے ہودہ پن کی طرف جاتا ہوں اور اگر عمل کرتا ہوں تو مجھ میں غرور آجاتا ہے۔ اس کے جواب میں آپ نے لکھا کہ عمل کر اور تکبر سے استغفار کر"

شیخ عبدالرحمٰن جامیؔ بروایت شیخ رکن الدین علاؤالدولہ "نفحات الانس" میں لکھتے ہیں کہ لوگوں نے شیخ سعد الدین حموی سے شیخ محی الدین ابن عربی کے متعلق پوچھا کہ آپ نے انھیں کیسا پایا؟ کہا **بحرِ مواج لانهایة له** یعنی ایک موجزن سمندر تھے جس کی کوئی انتہا نہیں" پھر پوچھا کہ آپ نے شیخ شہاب الدین سہروردی کو کیسا پایا؟ جواب دیا:

نور متابعة النبی ﷺ فی جبین السهروردی شئی آخر.[۱۵]

"سہروردی کی پیشانی نبی ﷺ کی اتباع کا نور ایک اور ہی قسم کا ہے۔"

امام یافعی رحمتہ اللہ علیہ شیخ سہرورد کے القاب میں کچھ یوں لکھتے ہیں:

"استادِ زمانہ، فرید آدانہ، مطلع الانوار، منبع الاسرار، دلیل الطریقہ، ترجمان الحقیقت، استاد الشیوخ، الاکابر الجامع، بین علم الباطن والظاہر، قدوۃ العارفین وعمدۃ السالکین، العالم الربانی شہاب الدین ابوحفص عمر بن البکری سہروردی قدس سرہ العزیز۔"[۱۶]

آپ شیخ عبدالقادر جیلانی کی صحبت میں بھی رہے۔ آپ کی علمی قدر و منزلت کا اندازہ حضرت غوث الاعظم کے حسبِ ذیل فرامین سے لگایا جاسکتا ہے۔

انت آخر المشهورين بالعراق۔ ١٧

یعنی تم ان بزرگوں کے آخر میں ہو، جو عراق میں مشہور ہوں گے۔

لم یکن فی آخر عمرہ فی عصرہ مثلہ۔ ١٨

''آخری عمر میں آپ کے معاصرین میں آپ کا ہم پلہ کوئی نہیں ہوگا۔''

عوام وخواص میں آپ کی شہرت کی وجہ افراط وتفریط سے بچنا اور علم ظاہر وباطن میں کمال تھا اور یہ بات آپ کے اس خط سے ظاہر ہے جو آپ نے اپنے بیٹے کو بطور وصیت لکھا تھا۔

"یابنی اوصیک بتقوی اللّٰہ وخشیۃ والزم حق اللّٰہ تعالیٰ وحق رسولہ وحق والدیک.... واحفظ حقہ تعالیٰ فی السر والعلانیۃ ولا تدع قرائۃ القرآن ظاہراً وباطناً وسراً وعلانیۃ بالفھم والتدبر والحزن ولابکاء ولا تعدل عن العلم لحظۃ وتعلم الفقہ ولا تکن من جھال الصوفیۃ وعوامھم وقراء الاسواق فانھم لصوص الدین وقطاع الطریق علی المسلمین وعلیک بالسنۃ واعتقاد اھل التوحید واجتناب المحدثات..... ١٩

ترجمہ: اے بیٹے میں تمھیں تقویٰ اور خشیتِ الٰہی کی وصیت کرتا ہوں (اور اس کی بھی کہ) اللہ اور اس کے رسول کے حق کو ادا کرنا (نیز) حقِ والدین کو بھی، اعلانیہ اور پوشیدہ (ہر حال میں) حقِ خدا کی پاسداری کرنا، تلاوت کرنا، فہم وتدبر اور غم ورنج اور بکاء کے ساتھ کرنا اور اعلانیہ اور پوشیدہ اور ظاہر و باطن (ہر حال میں)، علم سے رُوگردانی نہ کرنا اور فقہ کا علم حاصل کرنا اور جاہل صوفیوں میں سے نہ ہونا'' اور نہ بازاری قراء جیسا ہونا، سنت اور عقیدۂ اہلِ توحید کا التزام رکھنا اور محدثات سے بچنا''

آپ نے کتاب وسنت کی روشنی میں اصلاحِ تصوف کا کام بھی سرانجام دیا:

اس کی تائید ''صاحبِ شذرات الذھب'' کی حسبِ ذیل عبارت سے ہوتی ہے۔

"ویؤید ھنا تعلیقہ علی ماروی من ان عبدالقادر الکیلانی قال" ان قدمی ھذین علی اعناق الاولیاء" فعد السھرروردی ھذا القول من شطحاتھم وردہ قائلاً:

"ان اقوال غیر المعصومین تقبل وترد، واقوال المعصومین تقبل ولا ترد'' ٢٠

ابن خلکان آپ کے متعلق لکھتے ہیں:

''کان فقیھا شافعی المذھب، شیخا صالحا وردا کثیر الاجتھاد فی العبادۃ والریاضۃ وتخرج علیہ خلق کثیر من الصوفیہ فی المجاھدۃ ولخلوۃ، ولم یکن فی

آخر عمره فی عصره مثله" ۲۱

"آپ شافعی المذہب فقیہہ، پرہیزگار، صالح بزرگ اور عبادت و ریاضت میں بکثرت مجاہدہ کرنے والے تھے۔ مجاہدہ وخلوت میں خلقِ کثیر نے آپ سے فیض حاصل کیا۔ آخیر زمانہ آپ کے معاصرین میں آپ کے ہم پلہ کوئی نہ ہوا"

ابن النجار آپ کے متعلق یوں رطب اللسان ہوئے،

کان شیخ وقته فی علم الحقیقة: ۔۲۲

آپ علمِ حقیقت میں امامِ زمانہ تھے۔

امام تاج الدین السبکی الشافعی آپ کے متعلق لکھتے ہیں:

وکان فقیها فاضلا، صوفیا اماما ورعا، زاهدا عارفا، شیخ وقته فی علم الحقیقة، والیه المنتهی فی تربیت المریدین ۔۲۳

آپ فاضل فقیہہ، صوفی، امام، متقی، زاہد و عارف، علمِ حقیقت میں امام زمانہ، اور مریدوں کی تربیت کرنے میں کامل تھے۔

سلسلہ طریقت:

آپ کے عمِ محترم حضرت شیخ ضیاء الدین ابوالنجیب عبدالقاہر سہروردی ایک عارفِ کامل بزرگ تھے۔ بغداد کے مدرسہ نظامیہ سے علومِ ظاہری کی تکمیل کی، اس زمانہ کے اولیاء اللہ سے فیضِ باطنی حاصل کیا۔ شیخ قاضی وجیہہ الدین قدس سرہ العزیز کے دستِ حق پرست پر بیعت کی اور ان سے خرقۂ طریقت حاصل کیا۔ اس کے علاوہ حجۃ الاسلام امام محمد الغزالی کے بھائی امام احمد الغزالی کی خدمت میں رہ کر ان سے بھی ظاہری اور باطنی فیضان حاصل کیا۔ پھر شیخ عبدالقادر جیلانی کی صحبت سے بھی استفادہ کیا۔ آپ کی لکھی ہوئی کتاب "آداب المریدین" ۲۴ دستور العمل صوفیہ سمجھی جاتی ہے۔ شیخ شہاب الدین سہروردی جو آپ کے بھتیجے تھے، کافی عرصہ تک آپ کی صحبت میں رہے، آپ سے ہی بیعت تھے اور خرقۂ خلافت حاصل کرنے والے خلیفۂ اکبر تھے۔ شیخ شہاب الدین سہروردی اپنی جوانی میں علمِ کلام میں بہت مشغول رہتے تھے۔ اور یہ بات شیخ ابوالنجیب کو پسند نہ تھی۔ ایک دن اپنے ہمراہ انھیں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کی مجلس میں لے آئے اور عرض کیا حضرت میرا یہ بھتیجا علمِ کلام میں بہت مشغول رہتا ہے، روکتا ہوں لیکن اثر نہیں ہوتا"

شیخ عبدالقادر جیلانی نے ان سے مخاطب ہو کر پوچھا۔

"عمر کون کونسی کتابیں پڑھی ہیں"؟ انھوں نے نام گنوائے، حضرت نے سن کر اپنا دست مبارک ان کے سینہ پر پھیرا تو تمام علوم بھول گئے خود فرماتے ہیں کہ۔

''ہاتھ کا پھیرنا تھا کہ خدا کی قسم ایک لفظ بھی مجھے ان کتابوں کا یاد نہ رہا، خدا نے تمام کلامی مسائل اور علوم میرے دل سے مٹا دیے اور میرے دل کو علم لدنی سے لبریز کر دیا'' ۲۵

شیخ شہاب الدین، شیخ ابوالنجیب اور شیخ وجیہ الدین تینوں کا تعلق سہروردیہ سے تھا، جہاں تک اس سلسلہ کے بانی کا تعلق ہے تو اس حوالے سے تذکرہ نگاروں میں اختلاف پایا جاتا ہے، بعض شیخ ضیاء الدین ابوالنجیب کو سلسلہ سہروردیہ کا بانی بتاتے ہیں جب کہ بعض شیخ شہاب الدین کی طرف موسس اوّل ہونے کی نسبت کرتے ہیں، شیخ اکرام نے ''آبِ کوثر'' میں بیان کیا ہے کہ سہروردی سلسلہ کے بانی شیخ ابوالنجیب تھے جب کہ ان کے بھتیجے شیخ شہاب الدین سہروردی اس سلسلہ کے بانی ثانی تھے۔ ۲۶ لیکن یہ حقیقت ہے کہ سلسلہ سہروردیہ کو چہار دانگ عالم میں شہرت حضرت شیخ الشیوخ کی وجہ سے حاصل ہوئی۔ لہٰذا سلسلہ سہروردیہ کے قیام میں شیخ ابوالنجیب کا نام سرِ فہرست ہے لیکن اس سلسلہ کے فروغ میں سب سے زیادہ کردار حضرت شیخ الشیوخ کا ہے۔ شیخ الشیوخ کا سلسلہ طریقت کچھ یوں ہے:

شیخ شہاب الدین سہروردی، شیخ ابوالنجیب عبدالقاہر سہروردی، شیخ وجیہہ الدین سہروردی، شیخ ابوعبداللہ عمویہ، شیخ اسود احمد دینوری، شیخ ممشاء علو دینوری، سید الطائفہ شیخ جنید بغدادی، شیخ سری سقطی، شیخ معروف کرخی، شیخ نصیر بن داؤد الطائی، شیخ حبیب عجمی، حضرت امام حسن بصری رضی اللہ عنہ، حضرعلی کرم اللہ وجہہ الکریم، حضرت سرور کائنات ﷺ۔

جہاں شیخ الشیوخ نے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی سے اکتساب فیض کیا وہیں سفرِ حج میں دورانِ طواف کعبہ آپ کی ملاقات شیخ ابنِ فارض مکی سے بھی ہوئی۔ کہتے ہیں کہ حضرت شیخ الشیوخ کے ہمراہ سفرِ حج میں ۱۲ ہزار افراد تھے۔ جن میں زیادہ تر علما، فضلا، اور صوفیا تھے۔ ایک دن آپ بیت اللہ کا طواف کر رہے تھے کہ دوران طواف دِل میں خیال گزرا کہ الٰہی اتنی مخلوق تو نے میرے پیچھے کر دی، واللہ اعلم میں تیری بارگاہ کے مقربین میں سے ہوں یا مطرودین سے؛ ان کے پیچھے شیخ ابن فارض مکی تھے۔ فرمانے لگے۔

انت من المقربین یا سهروردی واخلع ما علیک۔ (اے سہروردی تو مقربین میں سے ہے جو کچھ اپنے اوپر رکھتا ہے اُتار دے) حضرت شیخ الشیوخ نے جان لیا کہ مردِ کامل ہے کہ جسے میرے خیال پر اطلاع ہوگئی، طواف کے بعد ان سے ملاقات کی۔ ۲۷

شیخ عبدالقادر جیلانی بغداد میں مرجع خلائق تھے۔ ان کے وصال کے ایک سال بعد ۵۶۳ھ شیخ ابوالنجیب سہروردی بھی داغِ مفارقت دے گئے۔ شیخ الشیوخ اس کے بعد ۶۳۲ھ تک خلقِ خدا کو فیضیاب کرتے رہے۔

شیخ الشیوخ نے دیگر بلاد کی طرف اپنے بکثرت خلفا بھیجے جنھوں نے اشاعتِ اسلام کا کام سرانجام دیا۔ اشاعتِ اسلام کا کام جس قدر منظم انداز سے سلسلۂ سہروردیہ کے بزرگوں نے سرانجام دیا اس قدر کسی دوسرے سلسلہ کے ہاں نظر نہیں آتا۔

آپ سے خرقہ خلافت حاصل کرنے والے چند مشہور خلفا کے اسما حسب ذیل ہیں۔

☆ آپ کے صاحبزادے ابو جعفر محمد بن عمر السہر وردی المعروف شیخ عماد الدین سہروردی المتوفی ۔۶۵۵ھ
☆ شیخ ابو العباس قسطلانی المتوفی ۶۸۳ھ
☆ شیخ عزالدین بن عبد السلام المتوفی ۶۶۰ھ
☆ شیخ ابو العباس الفاروقی المتوفی ۶۹۴ھ
☆ شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی المتوفی ۶۶۱ھ
☆ شیخ سعدی الشیر ازی المتوفی ۶۹۱ھ
☆ المحد ث الزاھد شیخ ضیاء الدین عیسیٰ بن یحیٰی انصاری
☆ شیخ جلال الدین تبریزی المتوفی ۶۴۲ھ
☆ شیخ مخدوم نوح بکھروی سہروردی
☆ خواجہ حمید الدین ناگوری المتوفی ۶۷۳ھ ۔[۲۸]
☆ شیخ نجیب الدین شیرازی
☆ شیخ محمد یمنی سہروردی
☆ شیخ سید محمد شجاع مشہدی
☆ شیخ نورالدین مبارک غزنوی
☆ شیخ شرف الدین محمود تستری ۔[۲۹]

سلسلہ چشتیہ کے عظیم بزرگ شیخ کبیر بابا فرید الدین مسعود شکر گنج بھی بغداد شیخ الشیوخ کی زیارت کے لیے تشریف لے گئے تھے وہاں سے واپسی پر ان کی سخاوت کا حال کچھ یوں بیان فرمایا:

> جب میں بغداد شریف پہنچا تو میں حضرت شیخ الشیوخ سے حصولِ فیض اور زیارت کے لیے مجلس میں حاضر ہوا۔ کئی دن آپ سے فیض یاب ہوتا رہا۔ اس تمام عرصہ میں کوئی دن ایسا نہ تھا کہ آپ کی خانقاہ میں بارہ ہزار دینار سے کم فتوح آئی ہو۔ آپ اسی روز سب کچھ راہِ خدا میں خرچ کر دیتے اور ایک دینار بھی اپنے پاس نہ رکھتے اور فرماتے کہ اگر میں ایک دینار بھی اپنے پاس رکھوں تو لوگ مجھے درویش نہ کہیں گے بلکہ کہیں گے یہ تو مالدار اور حبِ دُنیا کا طلب گار ہے۔[۳۰]

خلفائے شیخ سہروردا اور اشاعتِ اسلام:

جہاں دیگر سلاسلِ طریقت کے صوفیا نے اشاعتِ اسلام کی خدمات سرانجام دیں وہیں سلسلہ سہروردیہ کے بزرگوں نے بھی کارہائے نمایاں سرانجام دیے، شیخ شہاب الدین سہروردی کے زیادہ تر خلفا صوفیائے چشت کی طرح برصغیر پاک و ہند، بنگال، کشمیر کے علاقوں کی طرف تشریف لائے، ان علاقوں کے لوگوں کو دولتِ اسلام سے سرفراز کرنے میں زیادہ تر چشتی اور سہروردی صوفیہ کا کردار ہے۔

برصغیر پاک و ہند میں سلسلہ سہروردیہ کا موسسِ اوّل حضرت شیخ بہاؤالدین زکریا سہروردی کو بیان کیا جاتا ہے۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے بقول آپ شیخ الشیوخ کی خدمت میں صرف ۱۷دن رہے اور آپ کو خرقۂ خلافت مل گیا۔ اس پر حضرت شیخ الشیوخ کے پرانے احباب نے شکوہ کیا کہ ہم تو ایک عرصہ سے آپ کی صحبت میں ہیں اور منزلِ مقصود تک نہ پہنچے اور انھیں محض چند دن سے کامیابی مل گئی، اس پر شیخ الشیوخ نے فرمایا:

"تم لوگ تر لکڑیاں لائے ہو جن میں آگ دیر سے لگتی ہے جب کہ بہاؤالدین خشک لکڑی لایا ہے جو ایک ہی پھونک مارنے سے بھڑک اٹھی۔" ۳۱

شیخ محمد اکرام نے "آبِ کوثر" میں بحوالہ "انوارِ غوثیہ" لکھا ہے شیخ بہاؤالدین زکریا سہروردی کی کاوشوں اور وعظ سے سندھ، ملتان اور لاہور کے ہندوؤں میں سے بے شمار خلقت نے دینِ اسلام کو اختیار کیا اور شیخ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے۔ ۳۲

مزید آپ کے خلفا حضرت شیخ صدر الدین عارف سہروردی، سید جلال الدین سہروردی، شیخ شاہ رکن عالم سہروردی، سید جلال الدین میر سرخ بخاری (اوچ شریف) اور شیخ سید عثمان المعروف لال شہباز قلندر نے بھی ہزار ہا لوگوں کو دولتِ اسلام سے سرفراز کیا۔ سید جلال سرخ بخاری نے اوچ شریف میں ہندوؤں کو مشرف با اسلام فرمایا، اس علاقے کا پرانا نام دیوگڑھ تھا، آپ کی کوششوں سے راجپوتوں کے کئی قبائل نے اسلام قبول کیا، سندھ میں اشاعتِ اسلام کے حوالے سے ابتدائی بنیادوں میں شیخ الشیوخ کے خلیفہ شیخ مخدوم نوح بھکروی کا نام ہے، جب کہ بعد میں اس سلسلہ کو مزید وسعت شیخ بہاؤالدین سہروردی کے خلیفہ سید عثمان المعروف حضرت لال شہباز قلندر کی وجہ سے ملی۔ ۳۳

بنگال میں سب سے پہلے صوفی بزرگ حضرت شیخ جلال الدین تبریزی ہیں جنھوں نے اشاعتِ اسلام کا کام سرانجام دیا۔ شیخ جلال الدین تبریزی حضرت شیخ الشیوخ کے خلیفہ تھے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی "اخبار الاخبار" میں آپ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ۔

"در فوائد الفواد نقل از سلطان المشائخ می کند کہ شیخ جلال الدین تبریزی مرید شیخ ابوسعید تبریزی بود بعد از وفات پیر در خدمت شیخ شہاب الدین سہروردی افتاد خدمت ہائی کردہ کہ ہیچ بندہ و مریدی را میسر نشود گویند کہ شیخ شہاب الدین ہر سال بسفر حج رفتی پیر شدہ بود وضعیف تو شتہ کہ برای او کہ میر اشقتند چندان بر

مزاج اور موافق نبودہ است شیخ جلال الدین تبریزی نوعی کردہ بود کہ دیگدانی و دیگی بر سر کردہ می بردو آتشی درآن کردہ چنانچہ سراو نسوزد تا چون شیخ طعام طلبیدی طعام گرم پیش بردی'' ۳۴

ترجمہ: فوائد الفواد میں شیخ المشائخ سے منقول ہے کہ شیخ جلال الدین تبریزی پہلے شیخ ابوسعید تبریزی کے مرید تھے ان کی وفات کے بعد حضرت شیخ الشیوخ کی خدمت میں پہنچے اور شیخ کی ایسی خدمت کی کہ شاید ہی کسی مرید کو اپنے پیر کی ایسی خدمت نصیب ہوئی شیخ شہاب الدین ہر سال حج کے لیے تشریف لے جاتے تھے اور بوجہ ضعف اور کمزوری کے موافق مزاج کے ماسوا غذا نہ کھا سکتے تھے تو شیخ جلال الدین تبریزی اپنے سر پر انگیٹھی اور دیگچی رکھ کر چلتے تھے لیکن سر کو نہ ہلنے دیتے تھے، جب حضرت شیخ الشیوخ کھانا طلب فرماتے آپ گرم کھانا پیش کر دیتے تھے۔''

''سیر العارفین'' کے مطابق جب آپ بنگال پہنچے تو وہاں کثرت سے خلقت آپ کے ہاتھ پر مشرف با اسلام ہوئی۔ آپ نے یہاں ایک خانقاہ تعمیر فرمائی، آپ نے بہت سے باغات اور زمین خرید کر لنگر خانہ کے لیے وقف کی، اس جگہ کو بندر دیو محل کہتے تھے، یہاں ہندوؤں کا ایک بہت بڑا بت خانہ تھا، یہاں آپ کی تبلیغ سے بکثرت ہندوؤں نے اسلام قبول کیا پھر آپ نے اس بت خانہ کو ہی بطور قیام گاہ کے اختیار فرمایا اور بعض تذکرہ نگاروں کے مطابق بعد ازاں آپ کا مزار مبارک بھی یہیں بنایا گیا۔ ۳۵

بنگال کے علاوہ کشمیر میں بھی اشاعتِ اسلام کا کام سہروردی کی ایک ذیلی شاخ کبرویہ سہروردیہ کے بزرگوں کے ہاتھوں سرانجام پایا۔

شیخ سہروردی کی توالیفِ حسنہ:

شیخ شہاب الدین سہروردی نے بکثرت کتب تصنیف فرمائیں۔ جن میں سے بعض تو مستقل کتابیں ہیں اور بعض رسائل ہیں۔

☆ **عوارف المعارف۔**

امام غزالی کے منہج پر آپ نے یہ کتاب تصوف کے موضوع پر عربی میں تالیف فرمائی۔

☆ **رشف النصائح الایمانیۃ و کشف الفضائح الیونانیہ**

علم کلام کے موضوع پر فلسفہ یونان کے رد میں یہ کتاب تالیف فرمائی، اس کا ایک نسخہ مکتبہ سلیمانیہ میں بقسم اسعد آفندی ۱۲۲۷/۶ رقم کے تحت موجود ہے۔

☆ **اعلام الھدیٰ فی عقیدۃ ارباب التقیٰ:** ۳۶

یہ بھی فلسفہ قدیم کے رد پر تصنیف فرمائی۔ مولانا جامی نے ''نفحات الانس'' میں اس کتاب کا نام ''اعلام التقیٰ''

ذکر کیا ہے۔

تصانیف شیخ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔"وے را تصانیف بسیار است چوں عوارف، رشف النصائح واعلام التقی وغیرہ" بعض نے اِن کو ایک کتاب کی بجائے دو الگ الگ کتابیں "اعلام الهدیٰ" اور" عقیدة ارباب التقیٰ" کے نام سے ذکر کیا ہے۔ ۳۷

☆ کتاب حلية الناسك فی المناسك:

فضائل و مناسک حج پر یہ کتاب تصنیف فرمائی۔ اس کا ایک نسخہ بصورتِ مخطوطہ مکتبہ سلیمانیہ قسم آیا صوفیا برقم 1136 موجود ہے۔ داؤدی نے "طبقات المفسرین" میں اس کا نام "کتاب المناسک" ذکر کیا ہے۔ ۳۸

☆ نغبة البيان فی تفسير القرآن:

آپ کی یہ تفسیر ایک جلد میں یاشار دوزنلی کی تحقیق کے ساتھ استانبول، ترکی سے شائع ہو چکی ہے، داؤدی نے "طبقات المفسرین" میں اس کتاب کا نام "بغية البيان فی تفسير القرآن" ذکر کیا ہے۔ اس کے پانچ نسخے بصورتِ مخطوطات موجود ہیں۔ جن میں سے دو قاہرہ میں، دو استانبول میں اور ایک دمشق میں موجود ہے۔

☆ رحيق التحقيق المختوم:

اسرار غیبیہ پر یہ کتاب لکھی، اس کا ایک نسخہ مکتبہ سلیمانیہ میں بقسم محمود آفندی برقم ۱/۲۶۸۲ موجود ہے۔ ۳۹

☆ کتاب الفتوة:

یہ کتاب آپ نے فارسی میں تالیف فرمائی ایک نسخہ اس کا مکتبہ سلیمانیہ میں بقسم آیا صوفیا برقم ۱/۲۰۴۹ موجود ہے۔ ۴۰

☆ اللوامع الغيبة فی الروح:

روح کی حقیقت اور اس کے احوال پر یہ رسالہ تصنیف فرمائی، اس کا ایک نسخہ مکتبہ سلیمانیہ میں بقسم بغدادلی وھبی برقم ۳/۱۰۲۳ موجود ہے۔ ۴۱

☆ جذاب القلوب الی طريق المحبوب وموصل الی المطلوب:

مبتدئین کے لیے آدابِ تصوف پر یہ کتاب تالیف فرمائی۔ تیس ابواب پر مشتمل ہے اور حلب سے شائع ہو چکی ہے۔ ۴۲

☆ کتاب ارشاد المريدين:

مصطلحات تصوف پر یہ کتاب تصنیف فرمائی، اس کا مخطوطہ مکتبہ سلیمانیہ میں بقسم شہید علی پاشا برقم ۱/۱۳۹۷ موجود ہے۔ ۴۳

☆ رسالة السيد و الطير:

رسول اکرم ﷺ کی ایک حدیث کی شرح میں یہ رسالہ تالیف فرمایا: اس کا نسخہ مکتبہ سلیمانیہ میں بقسم شہید علی پاشا برقم ۱۳۹۳ موجود ہے۔[۴۴]

☆ رسالة فی الارادة:

آپ نے یہ رسالہ حسب ذیل آیت کی تفسیر میں تحریر فرمایا: [۴۵]

''ولا تطرد الذين يدعون ربهم بالغداة والعشی يريدون وجهه''[۴۶]

☆ فتوحات:

اس رسالہ کا نسخہ مکتبہ سلیمانیہ میں بقسم شہید علی پاشا برقم ۱/۱۳۸۲ موجود ہے۔[۴۷]

☆ الوصایا:

اپنے بیٹے شیخ عمادالدین کو جو وصایا فرمائیں، ان پر مشتمل یہ رسالہ ہے۔ مکتبہ سلیمانیہ میں بقسم قصیدة بی زاده برقم ۶/۲۱/۷ موجود ہے۔[۴۸]

☆ الرسالة:

یہ رسالہ آپ نے امام فخرالدین رازی کی طرف لکھا، اس کا نسخہ مکتبہ سلیمانیہ میں بقسم وھبی آفندی برقم ۲۰۲۳/۱۵ موجود ہے۔[۴۹]

☆ اوراد السهروردی:

اس میں شیخ کے روزانہ کے اورادواذکار اور وظائف کا ذکر ہے۔ علی رضا کحالہ نے اِس کتاب کا نام ''خــــــواص اورادالسهروردی'' لکھا ہے۔[۵۰] ''کنزالعبادفی شرح الاوراد'' کے نام سے اس کی شرح شیخ علاؤالدین علی بن احمد الغری نے کی۔ یہ شرح مکتبہ سلیم آغا میں برقم ۲/۵۵۰ موجود ہے۔

☆ الاسئلة الاجوبة:

شیخ سے مجلس میں کیے جانے والے سوالات اور ان کے جوابات پر مشتمل یہ کتاب ہے، دارالامانۃ مصریہ میں برقم ۶۲ ۱۷م موجود ہے۔[۵۱]

☆ ادالة الاعيان علی البرهان:

عقیدہ اہلِ سنت کے دفاع اور فلاسفہ اور دھریہ کے رَد پر یہ کتاب لکھی، مکتبہ سلیمانیہ میں بقسم حمیدیہ برقم ۱۲/۱۴۴۷ میں ایک مخطوطہ موجود ہے۔[۵۲]

☆ رسالة فی الفقر:

مکتبہ سلیمانیہ میں قسم ابراہیم آفندی میں رقم المسلسل ۱۱/۸۷۰ کے تحت یہ رسالہ موجود ہے۔[۵۳]

☆ رسالة فی السلوك:

یہ رسالہ آداب المریدین کے عنوان پر لکھا گیا ہے۔[۵۴]

یہ رسالہ مکتبہ سلیمانیہ بقسم ابراہیم آفندی ۱۱/۸۷۰ موجود ہے۔

☆ مقامات العارفین:

یہ رسالہ بروکلمان میں اس نام سے ہے جب کہ مکتبہ سلیمانیہ کی فہارس میں اس کا نام "هدیة الطالبین ومصباح السالکین" ہے۔ مکتبہ سلیمانیہ میں بقسم ابراہیم آفندی برقم ۸۷۰ موجود ہے۔[۵۵]

☆ بهجة الاسرار:

شیخ عبدالقادر جیلانی کی مبسوط سوانح حیات ہے، بعض نے اسے شیخ الشیوخ کی تالیفات میں بیان کیا، یاشار دوزنلی نے "بہجۃ الابرار فی مناقب غوثیہ"[۵۶] کے نام سے اسے شیخ سہروردی کی تالیف کہا، اسی طرح دریا آبادی نے بھی اسے شیخ کی تالیف شمار کیا، حالاں کہ یہ تالیف کردہ شیخ نورالدین ابوالحسن علی بن یوسف الشطنوفی شافعی کی ہے۔[۵۷]

☆ رسالة العاصمیه:

یہ خوارزمیوں کی تاریخ پر ہے لیکن مفقود ہے۔

☆ غاية الامكان فی الكلام:[۵۸]

☆ نعمة الفقه[۲]

☆ حل الرموز ومفاتيح الكنوز[۵۹]

☆ رسالة فی غرر الخلق واستدراجهم۔[۶۰]

☆ رسالة فی اعتقاد الحكماء[۶۱]

☆ رسالة فی لبس الخرقة[۶۲]

☆ القول المختصر فی اخبار المهدی المنتظر[۶۳]

☆ مغانی المعانی[۶۴]

حواشی وتعلیقات

۱۔ تفصیل کے لیے دیکھیں

☆۔ امام تاج الدین سبکی، طبقات الشافعیة الکبریٰ، ۸:۳۳۸

☆۔ تقی الدین ابوبکر دمشقی، طبقات الشافعیہ ۔۲: ۱۰۳

☆۔ شمس الدین ابن خلکان، وفیات الاعیان،۳: ۴۹۶

☆۔ داوٗ دی، الحافظ شمس الدین محمد بن علی بن احمد ۔ طبقات المفسرین۔ (بیروت: دار الکتب العلمیہ) ۔ ج ۲ ص ۱۵-۱۲۔

۳۔ شمس الدین ابن خلکان، وفیات الاعیان،۳: ۴۹۶

۴۔ اکثر ماہرین انساب واعلام نے آپ کی کنیت ابوحفص ذکر کی ہے لیکن امام تاج الدین سبکی شافعی نے اس کنیت کا ذکر ہی نہیں کیا بلکہ انھوں نے دیگر تین کنیات (ابوعبداللہ، ابونصر اور ابوالقاسم الصوفی) ذکر کر دی ہیں جب کہ تقی الدین ابن القاضی شہبہ نے ''طبقات الشافعیہ'' میں ابونصر کنیت ذکر کی ہے۔

☆۔ شمس الدین ابن خلکان، وفیات الاعیان،۳: ۴۹۶

☆۔ امام تاج الدین سبکی، طبقات الشافعیہ الکبری، ۸: ۳۳۸

۵۔ تقی الدین ابوبکر دمشقی، طبقات الشافعیہ ۔۲: ۱۰۳

۶۔ امام تاج الدین سبکی، طبقات الشافعیہ الکبری، ۸: ۳۳۹

۷۔ الحافظ شمس الدین داوٗدی، طبقات المفسرین ۲: ۱۳

۸۔ سہروردی، شیخ شہاب الدین عمر بن محمد۔ نغبة البیان فی تفسیر القرآن، (استانبول: ۱۹۹۴) تحقیق، یاشار دوزنلی، ص

۹۔ شیخ شہاب الدین سہروردی، نغبة البیان فی تفسیر القرآن ۔۵

۱۰۔ شیخ شہاب الدین سہروردی، نغبة البیان فی تفسیر القرآن ۔۹

۱۱۔ امام تاج الدین سبکی، طبقات الشافعیہ الکبری، ۸: ۳۴۱

۱۲۔ شمس الدین ابن خلکان، وفیات الاعیان،۳: ۴۴۸

۱۳۔ ملفوظات مہریہ میں حضرت پیر مہر علی شاہ علیہ الرحمۃ نے شیخ اکبر اور شیخ الشیوخ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ ایک مرتبہ حضرت شیخ الاکبر محی الدین ابن عربی اور شیخ شہاب الدین سہروردی کا کسی بازار میں اتفاقیہ گزر ہوا۔ ہر ایک بزرگوار دوسرے کو دیکھ کر گزر گیا، کسی نے شیخ اکبر سے شیخ الشیوخ کے بارے پوچھا کہ کیف و حدتہ (شیخ شہاب الدین سہروردی کیسے شخص ہیں) تو حضرت شیخ اکبر نے فرمایا:

رجل مملوء اتباعا و سنة یعنی شیخ سہروردا اتباعِ سنتِ نبوی ﷺ میں کامل اور بھرپور مرد ہیں'' کسی اور شخص نے حضرت شیخ الشیوخ سے شیخ اکبر کے متعلق پوچھا تو انھوں نے فرمایا: رجل مملوء حکمة و اسرارا یعنی حضرت شیخ اکبر ایک مرد ہے جو حکمت اور اسرار الٰہیہ سے سرتاپا بھرپور ہے، ملفوظاتِ مہریہ، (لاہور: پاکستان انٹرنیشنل پرنٹرز، ۱۹۷۴) ص، ۹

۱۴۔ شیخ عبدالرحمان جامی، نفحات الانس، ۲۳۵

۱۵۔ شیخ شہاب الدین سہروردی، نغبة البیان فی تفسیر القرآن ۔۱۰

۱۶۔ شمس الدین ابن خلکان، وفیات الاعیان،۳: ۴۴۸

۱۷۔ شیخ شہاب الدین سہروردی، نغبة البیان فی تفسیر القرآن ۔۹

۱۸۔ ایضاً۔۱۰

۱۹۔ تقی الدین ابوبکر دمشقی، طبقات الشافعیہ ۔۲:۱۰۳

۲۰۔ تقی الدین ابوبکر دمشقی، طبقات الشافعیہ ۔۲:۱۰۳

۲۱۔ امام تاج الدین سبکی، طبقات الشافعیۃ الکبری،۸: ۳۴۰

۲۲۔ آداب المریدین اُردو ترجمہ کے ساتھ تصوف فاؤنڈیشن لاہور نے حال ہی میں شائع کی ہے۔

۲۳۔ دریا آبادی، مولانا عبدالماجد۔تصوف اسلام۔(لاہور۔المعارف گنج بخش روڈ،۲۰۱۱) ص۔۱

۲۴۔ شیخ محمد اکرام، آب کوثر، (لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۱۹۸۷) طبع دوازدہم، ص، ۲۵۶

۲۵۔ ملفوظات مہریہ، ص، ۹۳۴

۲۶۔ قاضی حمید الدین ناگوری بخارا سے دہلی آئے تھے اور تین سال ناگور میں قاضی رہے، اس لیے ناگوری مشہور ہوئے، شیخ شہاب الدین سہروردی کے مرید اور خلیفہ تھے لیکن دہلی آ کر حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے ارادت مندوں میں شامل ہو گئے۔آب کوثر۔ص، ۲۱۶

۲۷۔ شیخ شہاب الدین سہروردی، نغبة البیان فی تفسیر القرآن ۔۹

۲۸۔ مولانا عبدالماجد دریا آبادی، تصوف اسلام ۹۱

۲۹۔ شارب، ڈاکٹر ظہور الحسن، تذکرہ اولیائے پاک وہند، (لاہور: پروگریسو بکس، ۱۹۹۹) ص، ۴۶

☆۔ شیخ محمد اکرام، آب کوثر، ۲۵۶

۳۰۔ شیخ محمد اکرام، آب کوثر، ۲۶۰

۳۱۔ ایضاً، ۲۶۵

۳۲۔ دہلوی، شیخ عبدالحق محدث، الاخبار الاخیار، (لاہور: النوریہ الرضویہ پبلشنگ کمپنی، ۲۰۱۵) ص، ۴۴

۳۳۔ شیخ محمد اکرام، آب کوثر، لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، 1987) طبع دوازدہم، ص300

۳۴۔ شیخ شہاب الدین سہروردی، نغبة البیان فی تفسیر القرآن ۔۱۱

۳۵۔ کحالہ، علی رضا، معجم المؤلفین، (بیروت: موسسہ الرسالہ) ص، ۵۷۵

۳۶۔ داؤدی، شمس الدین محمد بن علی بن احمد، طبقات المفسرین، (بیروت: دارالکتب العلمیہ) ج۔۲۔ص، ۱۲

۳۷۔ ایضاً

۳۸۔ شیخ شہاب الدین سہروردی، نغبة البیان فی تفسیر القرآن ۔۱۱

۳۹۔ ایضاً

۴۰۔ ایضاً

۴۱۔ ایضاً

۴۲۔ ایضاً ۱۲

۴۳۔ شیخ شہاب الدین سہروردی، نغبة البیان فی تفسیر القرآن ۔۱۲

۴۴۔ ایضاً

۴۵۔ سورۃ الانعام:۵۲

۴۶۔ شیخ شہاب الدین سہروردی، نغبة البیان فی تفسیر القرآن ۔۱۲

۴۷۔ ایضاً

۴۸۔ ایضاً

۴۹۔ علی رضا کحالہ، معجم المولفین، ۵۷۵

۵۰۔ علی رضا کحالہ، معجم المولفین، ۵۷۵

۵۱۔ شیخ شہاب الدین سہروردی، نغبة البیان فی تفسیر القرآن ۔۱۲

۵۲۔ ایضاً

۵۳۔ ایضاً

۵۴۔ ایضاً

۵۵۔ علی رضا کحالہ، معجم المولفین، ۵۷۵

۵۶۔ شیخ شہاب الدین سہروردی، نغبة البیان فی تفسیر القرآن ۔۱۲

۵۷۔ شیخ شہاب الدین سہروردی، نغبة البیان فی تفسیر القرآن ۔۱۳

۵۸۔ ایضاً

۵۹۔ ایضاً

۶۰۔ ایضاً

۶۱۔ ایضاً

۶۲۔ ایضاً

۶۳۔ ایضاً

۶۴۔ ایضاً

☆☆☆☆

''رُود بارِ یقین''

''شمس الافاضل، مفتی اعظم، قاضی القضاۃ''

مولانا احمد الدین گانگوی، فرنگی محلی کا مختصر ذکرِ دِل نشیں

محمد ریاض بھیروی ☆

شہرِ مردم خیز میانوالی کے معروف محلے گانگوی کی ایک گلی جس میں نادرِ روزگار ہستیوں کا بسیرا رہا، میں واقع جامع مسجد گانگوی میں داخل ہوں تو بر کنارِ صحن ایک دِل آرا و دِل کشا مقبرے کے اندر دو قبریں موجود ہیں۔ اندر ہمہ وقت موجود اِک سحر انگیز سکوت و سکون انسان کو اپنی گرفت میں لے کر سانسیں بھی آہستہ کر لینے پر مجبور کر دیتا ہے۔ شاید یہ سپاسِ نیاز کا اِک اُلوہی انتظام ہے! قبروں میں علم و عرفاں کے دو ہمالے محوِ استراحت ہیں۔ مولانا سید احمد الدین گانگوی اور ان کے فرزندِ فلک کمند مولانا سید فخر الدین گانگوی۔ اوّل الذکر یکے از فاضلینِ فرنگی محل[۱] و دہلی اور ثانی الذکر مولانا نعیم الدین مراد آبادی کے شاگردِ مجید ہیں اور ان کے دو بیٹوں کے استاد بھی ہیں۔ علمی پایہ مسلّم ہے اور اُن کا علمی اثاثہ اس پر شاہدِ عادل ہے۔ معاشرے پر اپنے ہمہ گیر اثرات و گرفت کے حوالے سے آخر الذکر معروفِ خلائق ہیں۔ جب کہ اول الذکر مولانا احمد الدین گانگوی تو مسلسل سو سال تک علم کی دُنیا کے بے تاج بادشاہ رہے ہیں۔

صدرُ العلماء مفتیٔ اعظم سید احمد الدین گانگوی دہلوی، فرنگی محلی نام ہے۔ رُوحانی و دینی، علمی و ادبی، سیاسی و سماجی خدمات کے سو سالہ عہدِ زریں کا! رومانوی اور علمی گاؤں گانگی جو کہ دریائے سندھ کے پاٹ میں لیٹا، بستا اُجڑتا رہتا تھا، سے جنم لینے والی اس نادرِ روزگار اور افتخارِ زمانہ، منفرد و یگانہ ہستی نے اس دریا کے ظالم پانیوں میں غرق اس گاؤں کو لافانی بنا دیا ہے، اتنا کہ اب اسے دوام ہی دوام ہے۔ ہمہ وقت اپنی بقا کی جنگ لڑنے والے اور بالآخر فنا کے گھاٹ اُتر جانے والے اس گاؤں کے اِس لائق فرزند نے وہ خرد افروز کارہائے ممتاز سرانجام دیئے ہیں کہ اب وقت کی کوئی کانگ اس کی مانگ نہیں اجاڑ سکتی، وقت کا کوئی تھپیڑا اس کے حسنِ خداداد کو دھندلا نہیں سکتا۔ مانا کہ وقت کے ریگزاروں میں دب بِٹ اور لُٹ اور مَر جانے والے اس گاؤں کا نشاں تک باقی نہیں رہا لیکن اس کا معنوی بیٹا احمد الدین گانگوی ہے کہ اسے مرنے ہی نہیں دیتا۔

۱۔ فرنگی محل۔ فرنگی محل لکھنو کا ایک محلہ ہے۔ اکبر بادشاہ کے زمانے میں یہاں ایک فرنگی تاجر مقیم تھا جس کی نسبت سے یہ علاقہ فرنگی محل کہلاتا ہے۔ جب یہ تاجر لاوارث مر گیا تو زمین بحق سرکار ضبط ہوگئی۔ اورنگ زیب کے زمانے میں مُلا قطب

☆ فاضلِ علوم اسلامیہ۔ میانوالی

الدین نے فروغ حاصل کیا۔ وہ قصبہ سہالی میں رہتے تھے جو قریب ہی ہے۔ اس جگہ انصاریوں اور عثمانیوں میں زمینداری پر کچھ جھگڑا ہو گیا۔ مُلا قطب الدین انصاری تھے۔ ۱۶۹۱ء کی ایک رات کو کچھ عثمانی ان کے گھر چڑھ آئے اور مُلا کو شہید کر کے ان کا گھر جلا دیا۔ ان کے صاحبزادے مُلا محمد سعید سہالوی نے عالمگیر کی خدمت میں حاضر ہو کر شکایت کی تو فرنگی محل کا علاقہ انھیں جاگیر میں دے دیا گیا۔

مُلا قطب الدین نے مُلا عبدالسلام کے شاگرد مُلا دانیال اور قاضی محب اللہ الہ آبادی کے شاگرد قاضی گاسی سے علم حاصل کیا تھا۔ آپ کی تصانیف میں سے ایک شرح عقائد، علامہ دوانی پر حاشیہ تھا جو آپ کے گھر کی تباہی میں تلف ہو گیا۔ آپ کے چار بیٹے تھے جو ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر تھے۔ اور انھیں کی وجہ سے ہندوستان میں آپ کا فیض جاری رہا۔ ''تذکرہ علمائے ہند'' میں قطب الدین کی بابت یہ فقرہ درج ہے ''عمرِ عزیزش بشغل درس بسر برد۔ گوئی ریاست علمی بجوار لکھنو بروختم شد و سلسلہ تلمذ اکثر علمائے ہند بر و منتہی مے شود''

مُلا قطب الدین کے بیٹوں میں سب سے برگزیدہ مُلا نظام الدین تھے جن کے نام پر درس نظامی مشہور ہے۔ ان کے استاد ان کے اپنے والد مُلا قطب الدین شہید سہالوی، مولوی غلام نقشبند لکھنوی اور حافظ امان اللہ بنارسی تھے۔ آپ کے تصانیف میں سے حاشیہ شرح ہدایت الحکمت، شرح مسلم الثبوت، حاشیہ شمس بازغہ، حاشیہ شرح عقائد دوانی بہت مشہور ہیں۔ آپ شاہ عبدالرزاق ہانسوی کے مرید تھے ان کے ملفوظات آپ نے مرتب کیے۔ آپ کی وفات ۱۷۴۸ء میں نادر کے حملے کے بعد ہوئی۔ آپ کی اصل شہرت بطور مدرس کے تھی۔ آپ کے درس و تدریس کے مقابلے میں باقی سب علما کے درس بے رونق ہو گئے۔ درسِ نظامی کا سلسلہ اب تک کم و بیش جاری ہے۔

حوالہ: اردو انسائیکلوپیڈیا، فیروز سنز لاہور، تیسرا ایڈیشن: جنوری ۱۹۸۴ء صفحہ نمبر ۷۳۰، ۷۳۱

اک نام کیا لکھا ترا ساحل کی ریت پر
پھر عمر بھر ہوا سے میری دشمنی رہی

یہ کیسی فنا ہے کہ ہر لحہ وقت کی کوکھ سے ہزاروں بقائیں جنم پذیر ہو رہی ہیں۔ یہاں سے معنوی حیات کا اک حقیقی آفتاب طلوع ہو رہا ہے، ایسا آفتاب جس کے لیے طلوع ہے نہ غروب، یہ اجرِ خداداد کا آفتابِ نصف النہار ہے اور بس! اس عظیم اور حیرت انگیز متکلم کی ابھی ابھی شائع ہونے والی کتابوں نے دنیائے علم سے تسلیم کا خراج پا کر عالم میں یہ ڈنکا بجا دیا ہے کہ:۔

بلھے شاہ اَسیں مرناں ناہیں
گور پیا کوئی ہور!

ایسا کیوں نہ ہو کہ لوحِ وقت پر ثبت ہے کہ علم کی دولت سے مالا مال ہونے والا نا آشنائے زوال رہتا ہے۔

بابِ مدینۃ العلم سے منسوب قول لازوال ہے

رضینا قسمة الجبار فینا......لنا علم وللجهال مال

فان المال یفنی عن قریب......وان العلم باق لا یزال

ایک وقت تھا کہ لوگ زبانی بتایا کرتے تھے کہ مولانا گانگوی بڑے عالم ہیں، بہت ہی بڑے عالم! لیکن ان کی آنے والی کتابوں نے اس پرانے بیانیئے پر زوردار تحریری شہادت دے دی ہے کہ "مولانا واقعتاً عظیم ترین عالموں میں سے تھے"۔ اب بات زبانی نہیں رہی بلکہ ان کا "کلام" اس دلیل کی زبان بن گیا ہے۔

ولادت و مقام باسعادت:

مولانا سید احمد الدین گانگوی ابن مولانا غلام علیؒ ۱۸۴۳ء کو بہ مقام گانگی شریف جو کہ میانوالی شہر سے جانبِ غرب ۶ میل کے فاصلے پر واقع ہے، میں پیدا ہوئے۔ گانگی، سیلواں کی شمالی جانب ایک میل کے فاصلے پر واقع تھا جو اَب سیلواں اور دیگر چھوٹے بڑے دیہات و قصبات کی طرح چشمہ ڈیم کی نذر ہو چکا ہے۔

سلسلۂ نسب:

آپ کا سلسلۂ نسب ۳۱ واسطوں سے غوثِ صمدانی، قطبِ ربانی، حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ سے جاملتا ہے۔

خاندانی پسِ منظر:

۱۶ صدی عیسوی کے نصف اول میں محبوب سبحانی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کے اخلاف میں سے ایک بزرگ حضرت شیخ جلال الدینؒ سندھ اور ملتان سے ہوتے ہوئے کلورکوٹ تشریف لائے۔ شیخ کا مقصد تبلیغ دین اور اشاعتِ اسلام تھا وہ اپنے خاندان سمیت ہجرت کر کے آئے تھے۔ اُن کے ساتھ ان کے فرزندانِ جلیل علی احمد (بانیٔ میانوالی)، محمد، احمد اور عمر تھے۔ حضرت شیخ جلال الدینؒ کچھ عرصہ کچھی (میانوالی کا قدیمی نام) اور کلور میں قیام فرما ہونے کے بعد واپس بغداد شریف تشریف لے گئے اور وہیں جہانِ فانی سے ملک جاودانی کی طرف انتقال فرمایا۔ شیخ جلال الدین المعروف جلہ پیر اپنے فرزندان کو سنتِ ابراہیمی ادا کرتے ہوئے یہاں بسا گئے تھے۔

حضرت میاں علی احمدؒ (بانیٔ میانوالی) اور ان کے اخلاف:

شیخ جلال الدین کے فرزندِ اول حضرت میاں علی احمد شاہ صاحب تھے۔ میانوالی کی بستی انھی کے نام سے آباد ہوئی۔ بڑے صاحبِ علم اور صاحبِ کرامت بزرگ تھے، ان کی ولادت بغداد کی تھی۔ اس وقت اس علاقہ میں گکھڑوں کی حکمرانی تھی۔ حضرت علی احمد شاہ صاحب نے مقامی پٹھانوں کو ترغیب دی کہ وہ گکھڑوں کی غلامی کا طوق اُتار پھینکیں۔ اُنھوں نے اپنی پیش گوئی بھی سنائی کہ پٹھان گکھڑوں کو تباہ کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ پیش گوئی پوری ہوئی اور گکھڑوں کا نام و نشان بھی نہ رہا۔ حضرت میاں علی احمد کے چار بیٹے تھے، سلطان زکریا، محمد اسحاق، محمد ابراہیم، محمد سلیمان ان

میں سے محمد سلیمان کی اولاد تین پشتوں تک چل کر ختم ہوگئی۔ حضرت میاں علی کا مزار پُر انوار میانوالی کے قدیم ترین قبرستان واںڈھی گھنڈ والی میں واقع ہے۔

حضرت سلطان زکریا (محسن میانوالی):

سلطان زکریا بڑے صاحب کرامت بزرگ تھے۔ میانوالی کے مغرب میں بلوخیل کے پاس ان کا مزار مرجع خلائق ہے۔ حضرت علی احمد شاہ نے چوں کہ پٹھانوں کو گکھڑوں پر سیاسی تسلط دِلانے میں اہم کردار ادا کیا تھا اس لیے پٹھان بالخصوص وتہ خیل پٹھانوں میں سلطان زکریا صاحب اور ان کی اولاد سے عقیدت تھی۔ حضرت سلطان زکریا کا عرس ہر سال ماہ صفر المظفر کی آخری بدھ اور جمعرات کو منایا جاتا ہے۔ اس دِن ضلع بھر میں مقامی تعطیل ہوتی ہے۔

حضرت شاہ محمد اسحاق:

شاہ محمد اسحاق حضرت علی احمد شاہ کے دوسرے بیٹے تھے۔ انھوں نے دینی علوم کی طرف توجہ کی اور بلند پایہ علمی مقام حاصل کیا۔ کچھ کا علاقہ ان کی جولاں گاہ تھا۔ عیسیٰ خیل کے ساتھ شیخانوالی اور سیلواں کے ساتھ گانگی ان کے دو مستقل ٹھکانے تھے۔ گائے بھینس پالتے تھے اور اپنی زمینیں کاشت کر کے روزی پیدا کرتے تھے۔ طالب علموں کا ہجوم ساتھ رہتا ان کے جانور اور اُن کی زمین ان کے خاندان اور ان کے شاگردوں کی مشترکہ ملکیت تھی۔ شاگرد بھی اُن کے ساتھ کام کراتے اور مطمئن زندگی گزارتے۔ کبھی کسی امیر کے گھر جا کر نہیں مانگا۔ تذکرۂ علمائے سندھ (ص ۱۲۹) کے مطابق ''مولانا نور الحق گشکوری، مولانا عبدالرحمٰن سندھی اور مولانا عبداللطیف سانگھڑی' کچھی کے علاقہ کے مولوی محمد اسحاق شاہ کے شاگرد تھے۔ ان میں سے مولانا عبدالرحمٰن سندھی نے قرآن حکیم اور مؤطا امام مالک کا سندھی میں ترجمہ کیا تھا جس کا قلمی نسخہ عبدالواحد سندھی نے دیکھا تھا۔'' اس طرح دور دراز سے طلبہ اُن کے پاس آتے اور فیض یاب ہوتے تھے۔ شاہ محمد اسحاق کی اولاد ہمیشہ سلطنت علم و ادب کی وارث رہی۔

سید احمد الدین گانگوی کا تعلق میانوالی کے سادات جیلانی کی اسی شاخ اسحاقیہ سے تھا۔ واضح رہے کہ شاخ اسحاقیہ علما، صوفیا، ادبا، حکما اور شعرا سے بھری ہوئی ہے۔ حضرت شاہ اسحاق کی اولاد میں سے بہت بڑے بڑے علما و صلحا ہوگزرے ہیں۔ یہ خاندان اپنی دینی و علمی سرگرمیوں اور خدمات کے لیے ہمیشہ ممتاز رہا ہے۔

سلسلہ اسحاقیہ کے علما و مشائخ، شعرا و ادبا و حکما اور مشاہیر:

۱۔ سید محمد عثمان شاہ ولد شاہ محمد اسحاق:۔ معروف عالم ہوئے۔ اذکاء الفاضلین (ص ۱۷) کے مصنف نے انھیں مفسر کچھی کے نام سے یاد کیا ہے۔ اس لقب سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے شاید قرآن حکیم کی کوئی تفسیر لکھی تھی جو دست بُرد زمانہ سے محفوظ نہ رہ سکی۔

۲۔ مولانا سید عبدالواحد شاہ ولد سید محمد عثمان شاہ

۳۔ مولانا محمد حسن شاہ ولد مولانا سید عبدالواحد شاہ:۔ بہت بڑے فاضل تھے۔ اذکاء الفاضلین میں ان کی ایک کتاب ''پارسی آموز'' کی نشاندہی کی گئی جو ''نصاب ضروری'' کی طرز پر لکھی گئی تھی بلکہ نصاب نوری کی پیش رو تھی۔

۴۔ مولانا سید بہاؤالدین شاہ ولد مولانا سید عبدالواحد شاہ

۵۔ مولانا خیر محمد شاہ ولد مولانا سید عبدالواحد شاہ

۶۔ مولانا سید اشرف علی ولد مولانا سید بہاؤالدین شاہ

۷۔ مولانا سید غلام علی شاہ ولد مولانا بہاؤالدین شاہ

۸۔ مولانا سید احمد الدین شاہ گانگوی ولد مولانا غلام علی شاہ

۹۔ مولانا سید غلام فخر الدین شاہ ولد مولانا سید احمد الدین شاہ

۱۰۔ مولانا سید مقصود علی شاہ ولد مولانا سید اشرف علی شاہ

۱۱۔ مولانا سید محمد اکبر علی شاہ ولد مولانا سید مقصود علی شاہ

۱۲۔ مولانا سید نظام الدین شاہ ولد میاں احمد الدین شاہ

۱۳ مولانا سید امیر علی شاہ ولد مولانا سید مقصود علی شاہ

۱۴۔ سید محمد مسعود شاہ ولد مولانا سید محمد امیر علی شاہ

۱۵۔ سید نصیر الدین شاہ المعروف سید نصیر شاہ ولد مولانا سید امیر علی شاہ

۱۶۔ مولانا سید نور محمد شاہ ولد مولانا سید محمد اکبر علی شاہ

۱۷۔ مولانا حکیم سید دوست محمد شاہ ولد مولانا سید محمد اکبر علی شاہ

۱۸۔ پروفیسر سید محمد فیروز شاہ ولد سید نور محمد شاہ

۱۹۔ مولانا سید محمد فاضل شاہ ولد مولانا سید اشرف علی شاہ

۲۰۔ حکیم سید علی محمد شاہ گانگوی ولد مولانا سید محمد فاضل شاہ

۲۱۔ حکیم محمد حنیف شاہ گانگوی ولد حکیم سید علی محمد شاہ گانگوی

۲۲۔ حکیم سید محمد سعید شاہ ارشد گانگوی ولد حکیم سید علی محمد شاہ گانگوی

۲۳۔ سید محمد لطیف شاہ گانگوی

۲۴۔ سید محمد رشید شاہ گانگوی

۲۵۔ سید غلام حیدر شاہ گانگوی

۲۶۔ سردار علی شاہ گانگوی

۲۷۔ مولانا سید محمد مظہر شاہ

۲۸۔ مولانا سید غلام حسین شاہ ولد مولانا سید محمد مظہر شاہ

۲۹۔ مولانا سید خادم حسین شاہ ولد مولانا سید غلام حسین شاہ

۳۰۔ مولانا سید اکبر علی شاہ

۳۱۔ سید غلام سرور شاہ شاہیانوالہ

۳۲۔ مولوی سید محمد حیات شاہ

۳۳۔ مولانا حکیم سید غلام حیدر شاہ ولد مولانا سید اکبر علی شاہ

۳۴۔ مولانا صاحبزادہ سید محمد صفدر شاہ گیلانی ولد مولانا حکیم سید غلام حیدر شاہ گیلانی

۳۵۔ مولوی سید محمد امیر شاہ ولد مولانا سید محمد اکبر علی شاہ

۳۶۔ مولوی سید غلام یٰسین شاہ ولد مولانا سید محمد اکبر علی شاہ

۳۷۔ حافظ مولوی سید محمد امیر شاہ ولد مولوی سید غلام یٰسین شاہ

۳۸۔ سید محمد سلطان شاہ آف شاہ پور

۳۹۔ سید غلام حسین شاہ ولد سید محمد سلطان شاہ آف شاہ پور

۴۰۔ میاں سید غلام یٰسین شاہ گانگوی ولد مولانا سید احمد الدین شاہ

۴۱۔ میاں شیر محمد شاہ گانگوی ولد مولانا سید احمد الدین شاہ گانگوی

۴۲۔ پروفیسر سید ظہیر الدین شاہ گانگوی ولد سید نظام الدین شاہ گانگوی

۴۳۔ صاحبزادہ سید محمد نعیم الدین شاہ گانگوی ولد سید میاں نظام الدین شاہ گانگوی

سید احمد الدین گانگوی کے اساتذہ:

سید احمد الدین گانگوی نے جن افاضل سے اکتسابِ فیض کیا ان میں سے بعض کے اسمائے گرامی حسبِ ذیل ہیں۔

☆ **شیخ سید غلام علی (م ۱۸۶۶ء):** ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے مدرسہ گانگی میں حاصل کی۔

☆ **مولانا محمد علی قریشی:** آپ کے والد نے کثرتِ اشغال اور علالتِ طبع کی وجہ سے مزید تعلیم کے لیے مولانا علی محمد قریشی کے پاس مدرسہ سیلواں بھیج دیا، قدیم میانوالی (کچھی) میں مدرسہ سیلواں کو فارسی علوم کے لیے مرکزیت حاصل تھی۔

☆ **مولانا غلام رسول، مظفر گڑھ:** صرف ونحو کی کتب شجرہ مضافات مظفر گڑھ میں مولانا غلام رسول سے پڑھیں۔

☆ مولانا عبدالرحمٰن ملتانی: فقہ، اصول اور منطق کی کتب مولانا عبدالرحمٰن ملتانی سے ملتان میں پڑھیں۔

☆ علامہ الٰہی بخش عمرپوری: ازاں بعد جمیع علوم وفنون معہ حدیث شریف عمر پور میں علامہ الٰہی بخش سے پڑھیں، علامہ الٰہی بخش عمرپوری نے سید گانگوی کی کتاب ''البرق السانیہ'' پر تقریظ بھی لکھی، سید گانگوی نے استاذ الکل کے لقب سے ان کا ذکر کیا ہے۔

☆ شیخ الاسلام عبدالحلیم فرنگی محلی (۱۲۸۵ھ): سید گانگوی نے چند سال فرنگی محل (لکھنو) اور دہلی میں رہ کر افاضل سے اکتساب فیض کیا اور فرنگی محل میں شیخ الاسلام عبدالحلیم فرنگی محلی سے بھی کسب فیض کیا۔ دہلی، لکھنو اور عمر پور سے سندات فراغت حاصل کیں۔ مولانا سید احمد الدین گانگوی صرف تین واسطوں سے استاد الہند مُلا نظام الدین سہالوی فرنگی محلی (متوفی ۱۱۶۱ھ) کے شاگرد تھے۔

مولانا گانگوی کے دو عدد شجرات علمی حسب ذیل ہیں:

(۱) مولانا سید احمد الدین گانگوی (متوفی ۱۳۸۸ھ) شاگرد شیخ الاسلام مولانا عبدالحلیم فرنگی محلی (متوفی ۱۲۸۵ھ)، شاگردِ مُلا ظہور اللہ فرنگی محلی (متوفی ۱۲۵۶ھ)، شاگردِ مُلا محمد ولی فرنگی محلی (متوفی ۱۱۹۸ھ)، شاگردِ مُلا نظام الدین محمد سہالوی (متوفی ۱۱۶۱ھ)

(۲) مولانا سید احمد الدین گانگوی (متوفی ۱۳۸۸ھ) شاگردِ شیخ الاسلام مولانا عبدالحلیم فرنگی محلی (متوفی ۱۲۸۵ھ)، شاگردِ مُلا ظہور اللہ فرنگی محلی (متوفی ۱۲۵۶ھ)، شاگردِ مُلا محمد حسن فرنگی محلی (متوفی ۱۲۰۹ھ)، شاگردِ مُلا نظام الدین محمد سہالوی (متوفی ۱۱۶۱ھ)

درس وتدریس:

علومِ دینیہ سے فراغت کے بعد وطن واپس آئے تو والد ماجد نے آپ کو اپنی مسندِ علم ورُوحانیت پر بٹھادیا اور دارالعلوم گانگوی کے جملہ اُمور آپ کے سپرد فرمادیئے، والد ماجد ایک ہفتہ بعد اپنے خالق حقیقی سے جاملے۔

سید گانگوی کم وبیش ۸۵ سال تک درس وتدریس، خطابت اور فتویٰ نویسی جیسی خدماتِ دینیہ میں مصروف رہے۔ آپ نے تین مقامات پر تدریس کے فرائض سرانجام دیئے۔

۱) مدرسہ گانگی، گانگی شریف

۲) جامعہ شمس العلوم، میانوالی

۳) مدرسہ اسلامیہ ضیاء شمس الاسلام، سیال شریف۔ ضلع سرگودھا

۱۸۶۷ء سے ۱۹۰۹ء تک مولانا گانگوی دارالافتاء گانگی شریف سے منسلک رہے۔ یہ درس گاہ آپ کے آباؤ اجداد کی تعمیر کردہ تھی۔ قیامِ گانگی کے دور میں کثیر طلبا کو تعلیم دی۔ کابل اور قندھار تک سے طالبانِ علم کھچ کھچ کر آپ کی

خدمت میں آتے رہے۔۱۹۰۳ء کی ایک قلمی یادداشت کے مطابق یہاں مقیم طلبا کی تعداد تین سو سے زائد تھی۔

۱۹۰۹ء میں مجاہدِ اعظم خواجہ ضیاء الدین سیالوی (م ۱۹۲۹ء) نے مدرسہ اسلامیہ کی تاسیس جدید کی تو مولانا گانگوی کو مفتیِ اعظم مقرر کیا۔ سید گانگوی ۴۰ سال سے زائد عرصہ تک سیال شریف کے مفتیِ اعظم کے منصب پر فائز رہے۔ آپ ایک چلتا پھرتا مدرسہ تھے، کچھ دن گانگی قیام کرتے اور کچھ دن سیال شریف، یوں طلبا بھی آپ کے ہم رکاب سفر رہتے۔ خواجہ ضیاء الدین سیالوی سے آپ کو والہانہ عقیدت تھی اور یہی سبب ہے کہ ۱۹۰۹ء سے ۱۹۲۹ء تک کے بیس سالہ عرصہ میں آپ نے اکثر حصہ سیال شریف بسر کیا۔ سفر و حضر میں مجاہدِ اعظم کے ہمراہ رہے۔

خواجہ ضیاء الدین سیالوی نے پنجاب میں امارتِ شرعیہ قائم کی تو آپ کو ''قاضی القضاۃ'' مقرر کر دیا۔ آپ نے نہایت محنت اور کامیابی سے اس منصبِ جلیلہ کو نبھایا۔

حاجی مرید احمد چشتی آپ کے علم و فضل کا تذکرہ کرتے ہوئے یوں رقم طراز ہیں:

> ''آپ حدیث و فقہ میں امتیازی مقام کے مالک تھے۔ مخالفین بھی آپ کے علم و فضل کے معترف اور قائل تھے۔ آپ کی تحقیقات پاک و ہند کے تمام علماء میں مشہور اور مسلمہ تھیں۔ ہندوستان تک سے لوگ فتویٰ طلب کرتے تھے معاصر علماء آپکا انتہائی احترام کرتے تھے۔
>
> علماء وقت کا اگر کسی فقہی مسئلہ میں اختلاف ہو جاتا تو محاکمہ کیلئے اکثر علماء آپ کی طرف رجوع کرتے آپ علمی تحقیق سے جب مسائل کا حل فرماتے تو فریقین علماء مطمئن ہو جاتے چنانچہ آپ جہاں کہیں بھی علماء و مشائخ کے اجتماع میں تشریف لے جاتے تو سناٹا چھا جاتا۔''

سید احمد الدین گانگوی کی کتب پر تقاریظ لکھنے والے علمائے کرام:

سید گانگوی کے نو دریافت مخطوطات پر برصغیر پاک و ہند کے اکابر علما کی تقاریظ موجود ہیں۔ جن کے مطالعہ سے سید گانگوی کی بھرپور علمی شخصیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ آپ کی کتب پر تقاریظ لکھنے والے چند معروف علما کے اسمائے ذیل ہیں:

- ☆ مولانا احمد حسن کانپوری (م ۱۳۲۲ھ)
- ☆ شیخ الاسلام عبدالحئی فرنگی محلی (م ۱۲۸۵ھ)
- ☆ مولانا غلام دستگیر قصوری (م ۱۳۱۵ھ)
- ☆ مولانا لطف اللہ علی گڑھی (م ۱۹۰۶ء)
- ☆ مجاہدِ اعظم خواجہ ضیاء الدین سیالوی (م ۱۹۲۹ء)
- ☆ شیخ الاسلام خواجہ قمر الدین سیالوی (م ۱۴۰۱ھ)
- ☆ مولانا محمد غازی خان (م ۱۹۳۹ء)
- ☆ استاذ الکل علامہ الٰہی بخش عمر پوری

☆پیر سید جماعت علی شاہ (م۱۹۳۹ء)
☆مولانا غلام محمود پپلانوی (م:۱۹۴۸ء)
☆شیخ الہند مولانا معین الدین اجمیری
☆مولانا عبدالرسول نائم، شاہ پور☆
مولانا غلام محمد سری
☆مولانا میاں نور احمد
☆مولانا اکبر علی چشتی (م۱۹۵۶ء)
☆سید فخر الزمان شاہ، کوٹ چاندنہ (م۱۹۵۲ء)
☆مولانا نور محمد ہاشمی (م۱۹۶۸ء)

نقد و تعاقب:

سید احمد الدین گانگوی نے جن معاصر علما کی تحریرات پر نقد کیا ہے اور آرا کا تعاقب کیا؛ ان میں سے بعض معروف علما کے اسمائے گرامی حسبِ ذیل ہیں:

۱۔ مولانا نذیر حسین دہلوی (م۱۹۰۲ء)
۲۔ مولانا عین القضا حیدر آبادی (م۱۹۲۵ء)
۳۔ مولانا رشید احمد گنگوہی (م۱۹۰۵ء)
۴۔ سر سید احمد خاں
۵۔ مولانا حسین علی واں بھچروی (م۱۹۴۳ء)
۶۔ مولانا محمد علی مونگیری، ناظم ندوۃ العلماء لکھنو
۷۔ مولانا اشرف علی تھانوی (م۱۹۴۳ء)
۸۔ مولانا خلیل احمد انبیٹھوی (م۱۳۴۶ھ)
۹۔ مولانا عبداللہ چکڑالوی
۱۰۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاری (م۱۹۶۱ء)
۱۱۔ مولانا کفایت اللہ دہلوی (م۱۳۷۲ھ)، صدر جمعیت علمائے ہند
۱۲۔ مولانا حسین احمد مدنی (م۱۳۷۷ھ)
۱۳۔ مولانا احمد علی سہارنپوری (م۱۲۹۷ھ)
۱۴۔ مولانا قطب الدین مگھیالوی
۱۵۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری (م۱۹۴۸ء)
۱۶۔ مولانا عاقل محمد جلالپوری

معروف تلامذہ:

آپ سے استفادہ کرنے والے معروف تلامذہ میں حسب ذیل اکابرین شامل ہیں۔

۱۔ شیخ سید نور الزمان شاہ (م ۱۹۲۴ء)، کوٹ چاندنہ
۲۔ شیخ الاسلام خواجہ محمد قمر الدین سیالوی
۳۔ خواجہ محمد اکبر علی چشتی (میانوالی)
۴۔ شیخ نور احمد لائل پوری
۵۔ شیخ محمد زاہد (دریا خان)
۶۔ شیخ فقیر محمد کابلی
۷۔ شیخ دولت خان کابلی
۸۔ شیخ محمد رمضان کلوری
۹۔ مولانا غلام فخر الدین گانگوی (م ۱۹۸۳ء) وغیرہم۔

چوتھی سالانہ رپورٹ، مدرسہ اسلامیہ ضیاء شمس الاسلام سیال شریف ۱۳۳۸ھ کے مطابق درج ذیل علمائے کرام نے بھی سید احمد الدین گانگوی سے اکتسابِ فیض کیا۔

۱۔ مولانا غلام مصطفیٰ خان، میانوالی ۲۔ مولوی فخر الدین، میانوالی
۳۔ خواجہ محمد قمر الدین سیالوی ۴۔ مولوی محبوب عالم، ہزارہ
۵۔ مولوی عبد الحمید ۶۔ مولوی عبد الرحمٰن، ہنگمری
۷۔ مولوی عبد الواحد، ضلع ہزارہ ۸۔ مولوی عبد العزیز، شاہ پور
۹۔ مولوی غلام مرتضیٰ، میانوالی ۱۰۔ مولوی سید امیر علی گانگوی، میانوالی
۱۱۔ مولوی محمد حسین، لاہور ۱۲۔ مولوی عبد العزیز، جھنگ
۱۳۔ مولوی محمد لطیف شاہ، ہزارہ ۱۴۔ مولوی عبد الحق، ڈیرہ غازی خان
۱۵۔ مولوی عبد العزیز، ڈیرہ غازی خان ۱۶۔ مولوی فیض اللہ، شاہ پور
۱۷۔ مولوی سلطان محمود، شاہ پور ۱۸۔ مولوی محمد علی، شاہ پور سرکی
۱۹۔ مولوی عبد الغفور، سرکی ۲۰۔ مولوی نور حسن، میانوالی
۲۱۔ مولوی نور احمد، میانوالی ۲۲۔ مولوی انور شاہ، ہزارہ
۲۳۔ قریشی محمد شریف ۲۴۔ مولوی محمد ایوب، ساہیوال

آپ کے دیگر تلامذہ میں مولانا امیر بخش، مولانا غلام محمد (لاوہ) اور مولانا علی محمد وغیرہ کے نام بھی ملتے ہیں۔

سید احمد الدین گانگوی کی سیاسی وسماجی خدمات:

مولانا گانگویؒ نے تحریکِ پاکستان کے لیے قائدِ اعظم کی حمایت کو دینی فریضہ قرار دیتے ہوئے ایک معرکۃ الاراء فتویٰ جاری کیا جس پر مولانا غلام محمود پپلانوی، مولانا خواجہ اکبر علی کے علاوہ درجنوں علما کے دستخط تھے۔

مجاہدِ ملت مولانا عبدالستار خان نیازی (م ۲۰۰۱ء) نے تحریکِ پاکستان میں آپ کی خدمات کا اعتراف یوں کیا:

''تحریکِ آزادی کی ابتداء سے لیکر انتہاء تک ہمارے بزرگوں نے لازوال قربانیاں دی ہیں، تحریک پاکستان کے پچاس سال میرے سامنے میرے ہاتھ کی طرح ہیں۔ جن میں برصغیر کے ہمارے بزرگان علماء مشائخ عظام نے آزادی کی تحریک کی کامیابی کیلئے دن رات ایک کردیا اور اسی تحریک آزادی میں ہمارے ضلع میانوالی کے اہل سنت بزرگوں حضرت مولانا خواجہ محمد اکبر علیؒ، خواجہ مولانا احمد الدین گانگوی، پیر صاحب آف مکھڈ شریف، پیر صاحب آف میرا شریف، پیر صاحب بھور شریف اور دیگر بزرگان اہل سنت نے اپنے ہزاروں مریدوں کے ساتھ تحریکِ پاکستان کیلئے اپنی خدمات وقف کردیں۔''

۱۹۳۶ء کا دورِ قیام پاکستان کی تحریک کا دور تھا۔ میانوالی کے اکثر زمیندار یونینسٹ پارٹی سے وابستہ تھے جو کہ کانگریس کی ہم نوا تھی، مسلم لیگ کے قیام کے لیے پہلا اجتماع حضرت خواجہ محمد اکبر علیؒ کے زیرِ سایہ جامعہ مسجد میانوالی (موجودہ جامعہ اکبریہ) میں ہوا۔ محمد اکبر خان خنکی خیل کو صدر چنا گیا، اسی اجتماع میں مجاہدِ ملت مولانا عبدالستار خان نیازی نے پہلی تقریر فرمائی۔ ان دنوں آپ مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے جوائنٹ سیکرٹری تھے اور اس وقت مسلم لیگ غریب لوگوں کی جماعت تھی۔

اعیانِ گانگوی:

۱۹۴۰ء کا عشرہ مسلمانانِ برصغیر کی دینی، ملی اور سیاسی بیداری کا عشرہ ثابت ہوا، قیامِ پاکستان جو کہ سب کا مشترکہ خواب بن گیا تھا، اس کے بڑے مثبت اثرات مرتب ہوئے، مختلف الخیال لوگ ایک پلیٹ فارم پر مجتمع ہوگئے۔ اس دور کے محفوظ رہ جانے والے تاریخی ریکارڈ کے مطالعہ سے یہ منظر نامہ بالکل واضح ہوجاتا ہے۔ لہٰذا بہت سے لوگوں کی کاوشوں کو ایک منظم اکائی کی صورت میں دیکھنے کی ضرورت ہے ''تسبیح میں پروئے ہوئے ان دمکتے دانوں میں مولانا گانگوی کی حیثیت ''امام'' کی تھی۔ آپ ہی کی سیادت وقیادت میں تمام تر سیاسی، سماجی، معاشرتی اور دینی معرکہ آرائیاں جاری تھیں۔

۲۰۔ اکتوبر ۱۹۴۳ء کو جارج پریس میانوالی سے شائع ہونے والے مجلس شعبۃ التبلیغ کے ایک تاریخی اشتہار سے پتہ چلتا ہے کہ ملی شیرازہ بندی کی کوششوں میں سب یکجا تھے اور علاقائی تناظر میں ایسی کوششوں کو خواجگانِ سیال شریف وسہاگ (سواگ شریف) ضلع مظفر گڑھ (حال ضلع لیہ) کی مکمل سرپرستی بھی حاصل تھی۔ ضلع میانوالی میں مولانا احمد الدین گانگوی، مولانا اکبر علی، مولانا غلام جیلانی، خان محمد اکبر خان خنکی خیل، مولانا سید غلام قاسم شاہ، مخدوم سلطان محمود، میاں اصغر علی اور دوست محمد اسی مجلس اور کونسل کے ایگزیکٹو ارکان تھے۔ جب کہ انتظامی ممبران کی تفصیل ایک خوشگوار ترین حیرت کی حامل ہے۔ اس مجلس کے منتظمین میں خان مظفر خان، مولانا عبدالستار خان نیازی، خان محمد امیر عبداللہ خان روکھڑی، خان محمد برخوردار خان، خان احمد گل خان، خان محمد اکبر خان ثانی، حکیم محمد امیر علی شاہ، حکیم غلام یٰسین، پیر سراج الدین، میاں شیر محمد گانگوی، میاں فضل احمد، ملک مولا بخش وکیل، حافظ حسن الدین، حاجی شمس الدین، صوفی محمد حسن اور شیخ محمد حسین شامل تھے جبکہ اس مجلس کے مبلغین میں مولوی شیخ کلیم اللہ صاحب کوٹلہ جام، مولوی نور محمد صاحب کندیاں، مولوی نور احمد صاحب وتہ خیل، مولوی علی محمد صاحب بلوخیل، مولوی غلام یٰسین صاحب قریشی اور مولوی حافظ احمد الدین علی خیلانوالہ شامل تھے۔

اس مجلس کے ناظم خان محمد اکبر خان خنکی خیل تھے اور علاقہ بھر میں جا بجا اس مجلس کی ذیلی تنظیموں کا جال بچھا دیا گیا تھا۔ اس مجلس کی طرف سے مسلمانوں سے اپنے اختلافی مسائل ختم کرنے اور فرقہ بندی کے خاتمے کی اپیل کی گئی۔

اس مجلس کے اغراض و مقاصد بھی بڑے زوردار تھے۔ مثلاً مسلمانوں میں دین کی تعلیم کو بین الاقوامی معیار کے مطابق ترویج دینا، ان کی دینی واخلاقی اور اقتصادی حالت کی اصلاح کرنا، الحاد اور دہریت کا مقابلہ کرنا، لوگوں کو فرقہ بازی سے بچانا، بُری رسموں کا خاتمہ کرنا، مرد و خواتین کے لیے دینی مدارس قائم کرنا، خانگی جھگڑوں کے حل کے لیے علما کی خدمات سے استفادہ کرنا، بُری رسومات کے خاتمے کے لیے مبلغوں کو چھوٹے چھوٹے دیہاتوں میں بھیجنا وغیرہ شامل تھے۔ چوں کہ اس مجلس کے کارکنان ضلع کے بڑے بڑے علما اور رؤسا تھے لہٰذا مجلس کی باقاعدہ رسیدات چھپوائیں گئیں اور حاصل شدہ سرمایہ کواپریٹو بنک میانوالی میں جمع کرایا جاتا تھا۔ مجلسِ ہذا کی معاونت کے لیے بیت المال پہلے سے ہی موجود تھا جس میں ہر شکل کی امداد وغیرہ آیا کرتی تھی۔

اس مجلس کے عزائم و ارادے اس قدر بلند تھے کہ مستقل آمدن دینے والی جائیدادیں خریدنے کا بھی عندیہ دیا گیا تھا اور بعد ازاں اس مجلس اور اس قبیل کی دیگر مجالس نے واقعتاً قابلِ فخر کارنامے سرانجام دیئے۔ ایسے ادارے قائم کیے جو آج بھی بھرپور انداز کے ساتھ آباد ہیں۔

میانوالی اور سیاست کے عنوان سے سید نصیر شاہ رقم طراز ہیں:

''تحریکِ خلافت شروع ہوئی تو یہاں کے عوام نے اس تحریک کا بھرپور ساتھ دیا، بریلویوں نے جو یہاں اکثریت میں تھے، بھی تحریکِ خلافت کا ساتھ دیا۔ یہاں کے بریلویوں کی طرف سے تحریکِ خلافت کی پذیرائی اور مکمل حمایت کی بڑی وجہ یہ تھی کہ یہاں کی آبادی کی اکثریت بالواسطہ یا بلا واسطہ سیال شریف کے سجادہ نشینوں کے حلقۂ ارادت میں تھی۔ ان دنوں سیال شریف کے سجادہ نشین حضرت خواجہ ضیاء الدین مرحوم حق گوئی و بے باکی میں بے مثال تھے اور تحریکِ آزادی کے بہت بڑے مجاہد تھے۔ انھوں نے تحریکِ خلافت میں انتہائی جان دار کردار ادا کیا اور ان کے تمام مریدان باصفا انگریز استعمار کیخلاف سینہ سپر ہوگئے اس وقت واں بھچراں کے رئیس اعظم ملک مظفر خان کو انگریزوں کی طرف سے خان بہادر کا خطاب ملا تھا وہ بھی آستانہ سیال شریف سے وابستہ تھے اور خواجہ ضیاء الدین کے عقیدت مند تھے۔ تحریکِ خلافت کے دوران وہ سیال شریف میں قدم بوسی کیلئے حاضر ہوئے اور ایک ہزار روپے کی تھیلی نذر کی۔ اس وقت ایک ہزار روپے کی بڑی قدر و قیمت تھی۔ خواجہ صاحب نے تھیلی کو لات ماری اور فرمایا ''مظفر! جا میری نظروں سے دور ہو جا۔ تو اس انگریز کا وفادار ہے جس کے ہاتھ ترک مسلمانوں کے لہو سے آلودہ ہیں تو خان بہادری کے خطاب کو چاٹ رہا ہے۔ آج سے ہمارا تمہارا تعلق ختم'' عقیدت مند ملک مظفر کانپنے لگا اس نے اسی وقت لکھا۔ میں خان بہادری کا خطاب واپس کرتا ہوں اور فوج کا جو اعزازی عہدہ مجھے دیا گیا اس سے بھی استعفیٰ دیتا ہوں'' اس طرح حضرت کی خفگی دور ہوگئی۔ بہر حال میانوالی کی گلیوں میں ''بولیں اماں محمد علی کی۔ جان، بیٹا خلافت پہ دے دو'' کا نغمہ گونجتا رہا۔ کرنل الطاف الٰہی ملک کے بیان کے مطابق اسی تحریک کے دوران مولانا محمد علی جوہر کی والدہ جو ''اماں بی'' کے نام سے مشہور تھیں میانوالی تشریف لائی تھیں اور ان کے والد ملک مولا بخش ایڈووکیٹ کے پرانے مکان واقع صدر بازار بالمقابل زنانہ ہسپتال میں قیام کیا تھا۔

یہاں مولانا حسین احمد مدنی بھی مولانا شیر محمد زرگر کی دعوت پر متحدہ قومیت کا علم اٹھائے تشریف لائے تھے اور ہندوؤں کے دھرم شالہ (جہاں آج کل ایم سی ہائی سکول ہے) میں قیام کیا تھا۔ علامہ اقبال کے ۱۹۳۰ء کے الہ آباد والے خطبۂ صدارت کی اور مسلم لیگ کی گونج یہاں تک پہنچ گئی تھی۔ یہاں کا دانا ہندو جان گیا تھا کہ ایک روز پاکستان بن ہی جائیگا اس لئے ہندو مسلم اتحاد میں سرگرم ہوگیا تھا۔ اسی خیر سگالی کے طور پر لالہ ہیم راج نے وہ مسجد بنوائی تھی جسے آج کل موتی مسجد کے نام سے پکارا جاتا ہے اور اس طرح گویا یہ ثابت کرنے کی کوشش کی تھی کہ یہاں کا ہندو بڑا وسیع الظرف ہے۔ قائد اعظم اپنی کوششوں کی عدم پذیرائی پر مایوس ہوکر انگلستان چلے گئے۔ ان کا فیصلہ تھا کہ اب وہ کبھی ہندوستان نہیں آئیں گے پھر علامہ اقبال نے انھیں متواتر خطوط لکھے اور آخر اس پر آمادہ کرلیا کہ وہ ہندوستان واپس آ کر مسلم لیگ کی قیادت سنبھال لیں۔ یوں مسلم لیگ کے تنِ مردہ میں حیاتِ تازہ کا لہو رواں ہوگیا۔ قاضی دین الحق کراچی کی روایت کے مطابق قائد اعظم، مولانا عبدالستار خان نیازی، مرزا عبدالحمید کی کوششوں سے پہلی دفعہ لاہور آنے پر رضا مند ہوئے تھے۔ مرزا عبدالحمید ان دنوں آسٹریلیا مسجد نزد ریلوے اسٹیشن میں خطیب تھے قائد اعظم نے ایک نماز ان کی امامت میں ادا کی تھی۔ پنجاب کے زمینداروں میں پہلے شخص ملک امیر محمد خان آف کالاباغ تھے جنھوں نے مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کی۔

علامہ اقبال نے دوقومی نظریہ کی تحریک شروع کی تو میانوالی کے علماء نے ان کا بھرپور ساتھ دیا مولانا حکیم محمد امیر علی شاہ نے سرائیکی نظموں کے ذریعے نظریہ کی وضاحت کی۔ مولانا غلام محمود صاحب پپلانوی نے مولانا حسین احمد مدنی کو ان کی غلطی پر متنبہ کرنے کیلئے انہیں بہت سے خطوط لکھے۔ علامہ شبیر احمد عثمانی کو بھی خط لکھے جن میں ان کی صداقت پرستی پر انھیں ہدیۂ تحسین وتبریک پیش کیا گیا۔ انھوں نے اپنی تقاریر میں بھی دوقومی

نظریہ کو ہی موضوع بنائے رکھا۔ ان کے گرامی قدر فرزند مولانا محمد حسین شوق نے عملی طور پر تحریک پاکستان میں حصہ لیا۔ مولانا احمد الدین گانگوی اور مولانا محمد اکبر علی نے قائداعظم کی حمایت کو دینی فریضہ قرار دیتے ہوئے ایک فتویٰ تحریر کیا جس پر بریلوی مکتب فکر کے دیگر علماء کے بھی دستخط تھے۔

میانوالی میں جب مسلم لیگ کا باقاعدہ قیام عمل میں آیا تو جا بجا مسلم لیگ کے جلسے ہونے لگے یہاں یہ تحریک مولانا عبدالستار خان نیازی کی مساعی جمیلہ کی مرہون احسان تھی۔ پیر شاہ عالم شاہ اور خان محمد اکبر خان خنکی خیل اس تحریک کے متحرک کارکن بن گئے۔ محمد امیر خان سنبل ضلعی جنرل سیکرٹری اور مولانا حکیم محمد امیر علی شاہ سیکرٹری نشر واشاعت مقرر ہوئے۔ بعد میں حکیم محمد عظیم خان خنکی خیل بھی ان صفوں میں شامل ہو گئے۔ جلسوں میں سٹوڈنٹ لیڈر کی حیثیت سے حبیب اللہ خان (مرحوم) آف دھلہ عظمت متعارف ہوئے اور مولانا نیازی کے بعد پر جوش اور شستہ تقریروں کے باعث معروف ہو گئے۔ امان اللہ خان شیر مان خیل بھی سٹوڈنٹ لیڈر تھے اور مسلم لیگ کے جلسوں میں اپنا کردار ادا کر رہے تھے۔ اب مسلم لیگ کی آواز ہر گھر میں پہنچ گئی اور گلی کوچوں میں بچے تک پاکستان زندہ باد کے نعرے لگانے لگے۔ میانوالی میں جامعہ اکبریہ میں بہت بڑا جلسہ ہوا۔ امیر عبداللہ خان روکھڑی اور محمد عظیم خان خنکی خیل نے سول نافرمانی کے آغاز کا علم بلند کیا اور ایک جلوس کی قیادت کرتے ہوئے ضلع کچہری پہنچے۔ امیر عبداللہ خان روکھڑی نے ڈی سی آفس پر چڑھ کر برطانوی جھنڈا پھاڑ کر پھینک دیا اور اپنے آپ کو گرفتاری کیلئے پیش کر دیا۔ آخر عوامی احتجاج سے مجبور ہو کر خضر حیات ٹوانہ نے مارچ ۱۹۴۷ء میں استعفیٰ دیدیا۔ آخر بے دست و پا ہو کر انگریز نے ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو آزادی کا اعلان کر دیا اور پاکستان وجود میں آ گیا۔ (بحوالہ تاریخ میانوالی صفحہ نمبر ۲۰۶ تا ۲۰۹، مرتبہ: ڈاکٹر لیاقت علی خان نیازی)

تاریخ میانوالی کے مندرجہ بالا طویل اقتباس سے اس دور کی سیاسی اور دینی صف آرائی کا قارئین بخوبی اندازہ

لگا سکتے ہیں۔

غلام محمد خان نیازی، عبدالرحیم خان نیازی مسکین، سابق صدر مجلس احرار اسلام پاکستان کے حالاتِ زندگی لکھتے ہوئے اپنی کتاب سرگزشت مسکین کے صفحہ نمبر ۱۴۷ پر ''شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کی میزبانی کا انتظام'' کے عنوان سے یوں رقم طراز ہیں:۔

''تقسیم ملک سے پہلے حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ اپنے جماعتی پروگرام کے مطابق بنوں صوبہ سرحد تشریف لے گئے۔ ان ایام میں بنوں جانے کیلئے میانوالی کالاباغ لکی مروت کے راستے ریل گاڑی پر ہی لوگ سفر کر کے جاتے تھے۔ حضرت موصوف نے واپسی پر میانوالی شہر کی کانگریس جماعت کے جلسے میں رات کو خطاب کرنا تھا۔ اس وقت میانوالی کی کانگریس جماعت میں کوئی شخص مسلمان کارکن نہیں تھا۔ اس لئے میانوالی کانگریس کے ہندو صدر چاندی رام نے حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کی میزبانی اپنے ذمہ لی۔ جب عبدالرحیم خان کو اس بات کا علم ہوا تو کافی پریشان ہوئے۔ آپ نے چاندی رام صدر کانگریس میانوالی کے اس مجوزہ پروگرام سے اتفاق نہ کیا اور اس سے اجازت لیکر انکی میزبانی کی ذمہ داری خود سنبھالی۔ اس لئے آپ اپنے مقامی دوست صوفی شیر محمد زرگر کو ہمراہ لیکر کالاباغ کے نزدیک ماڑی انڈس گئے اور وہاں حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کی واپسی کے موقع پر استقبال کر کے ریل گاڑی کے ذریعے میانوالی اپنے ساتھ لائے۔ اور اپنے دوست صوفی شیر محمد کے گھر ٹھہرایا وہاں آپ نے نہ صرف خورد و نوش کا اہتمام کیا بلکہ حضرت مولانا مذکور جتنا وقت میانوالی شہر رہے، آپ اور آپکے احرار کارکنوں نے حفاظتی دستہ کے طور پر بھی کام کیا۔ آپ کے ساتھ آپکے دیگر معروف ساتھی بھی اس میزبانی اور نگرانی کے انتظام میں شریک رہے۔''

تاہم مولانا حسین احمد مدنی کے مذکورہ بالا دورۂ میانوالی کے موقع پر مولانا اکبر علی اور مولانا غلام محمود پپلانوی نے مولانا مدنی سے احتجاجاً ملاقات سے اجتناب کیا بلکہ مولانا احمد الدین گانگوی نے لالہ ہیم راج کی بنوائی گئی موتی مسجد کے قضیے کے خلاف سخت محاکمہ کیا اور شدید گرفت کرتے ہوئے ایک معرکتہ الاراء فتویٰ بعنوان ''الشعلۃ الجباریہ لاحراق مسجد

آریہ" جاری کر کے اس سازش کو طشت اَز بام کر دیا اور یوں قومیت پرست علما کے سیاسی غبارے سے ہوا نکال دی۔

برصغیر پاک و ہند کی پُرامن اور ہمہ گیر تحریک، تحریکِ خلافت میں بظاہر ناکامی کے بعد بیدار مغز اور دور اندیش مسلم زعما، علما اور مشائخ نے جب اس کے منفی اثرات مترتب ہوتے دیکھے تو اس کے سدِ باب کے لیے اپنے اپنے حلقوں میں مصروف کار ہو گئے۔ مجاہدِ ملت مولانا ظہور احمد بگوی ان عظیم بزرگوں میں سے تھے جنھوں نے حالات کے تقاضوں کو سمجھتے ہوئے اپنے فرض کو پہچانا اور دین کی اشاعت و سربلندی اور مسلمانوں کی تعلیم و اصلاح کے لیے انتہائی موثر اقدامات کیے گئے۔ ۵۔ نومبر ۱۹۲۹ء کو مجلسِ مرکزیہ حزب الانصار، بھیرہ کی تشکیل کی گئی اور یہ تحریک میانوالی تک بھی پہنچ گئی۔ لیکن یہاں پر اس سے بھی پہلے "اصلاح المسلمین" کے نام سے ایک جماعت عمل میں آ چکی تھی اور مصروفِ کار تھی۔ حیرت کی بات ہے کہ اس مجلس کے بانیان بھی مولانا احمد الدین گانگویؒ اور مولانا اکبر علیؒ تھے۔ چناں چہ تذکارِ بگویہ جلد اول صفحہ ۷۹۲ اور ۷۹۳ پر اس حقیقت کا کیا زبردست اعتراف موجود ہے۔ آپ بھی پڑھیے:

> "خوش قسمتی سے ضلع میانوالی میں چند ایسے مخلص خدامِ ملت موجود ہیں جن کے ذریعے اصلاح المسلمین کے نام سے ایک باعمل جماعت کا قیام عمل میں آ چکا تھا۔
>
> ضلع میانوالی میں مندرجہ ذیل علماء کا وجود مسلمانوں کیلئے باعثِ برکت ورحمت ثابت ہوا: مولانا گل شیر خان کالاباغ، مولانا احمد الدین گانگوی، مولانا محمد اکبر علی میانوالی، مولانا نور احمد وتہ خیل، مولانا صاحبزادہ محمد فخر الزمان سجادہ نشین کوٹ چاندن بن حضرت مولانا نور الزمان، مولانا صاحبزادہ محمد زین الدین سجادہ نشین ترگ شریف، جناب خان اللہ داد خان رئیس عیسیٰ خیل، حضرت مولانا ابوالسعد احمد خان مجددی خانقاہ کندیاں شریف، جناب حکیم عبد المجید سیفی، انجمن اصلاح المسلمین اور اکابرین ضلع میانوالی کی درخواست پر ۳۰ ستمبر ۱۹۳۸ء کو جامع مسجد میانوالی میں مولانا ظہور احمد بگوی صاحب امیر حزب الانصار کا زبردست خطاب ہوا۔ جس سے عام مسلمانوں خصوصاً نوجوانوں پر بہت اچھے اثرات پڑے۔ اسی روز اکابرین کے مشورے سے رضا کاران اسلام کی بھرتی کا پروگرام مرتب کیا گیا اور اس کے دوسرے دن اسلامی تنظیموں کا عملی کام شروع کر دیا گیا۔ عیسیٰ خیل، ترگ، موچھ، کالاباغ، کوٹ چاندنہ، ٹھٹھی

ودیگر مقامات پر رضا کاران کے جیوش مرتب ہو گئے۔ پندرہ روز کے اندر وردیاں بھی تیار ہو گئیں اور اسی عرصہ میں ترکی زبان میں فوجی پریڈ بھی شروع ہو گئی۔

۲۲ اکتوبر ۱۹۳۸ء کو تین سو سے زیادہ رضا کاران نے عید گاہ میانوالی کے وسیع میدان میں منظم طریقے پر حربی پریڈ کی جس کو دس بارہ ہزار اشخاص نے دیکھا۔

سید گانگوی درج ذیل تنظیمات کے موسس اور سرپرست رہے

۱۔ انجمن اصلاح المسلمین میانوالی۔ بانی

۲۔ انجمن شعبۃ التبلیغ۔ سرپرست

۳۔ انجمن حمایت العرب۔ ناظم میانوالی

۴۔ انجمن اسلامیہ میانوالی۔ بانی وصدر

۵۔ صدر جمعیت العلماء۔ میانوالی

۶۔ جامعہ شمس العلوم میانوالی۔ بانی وسرپرست

۷۔ یتیم خانہ ودار الاطفال۔ بانی وصدر

سید احمد الدین گانگوی اور مولانا اکبر علی کی سماجی خدمات ''برصغیر بھر میں پھیلی ہوئی مسلمانوں کی سماجی تنظیم ''انجمن اسلامیہ''، ضلع میانوالی جس کی بنیاد مولانا احمد الدین گانگوی اور مولانا اکبر علی نے ہی رکھی تھی، اس کی صدارت خان محمد اکبر خان خنکی خیل کے پاس تھی۔ اس انجمن میں میانوالی کے دیگر نامی گرامی بزرگ خان سلطان خان سرور خیل، میاں محمد اکبر میانہ، خان جی احمد خان خنکی خیل، حاجی خانزمان خان خنکی خیل، خان غلام محمد خان زادے خیل، مولا بخش ایڈووکیٹ، میجر غلام حسن خان وغیرہ بھی شانہ بشانہ ہوا کرتے تھے۔ انتہائی وسیع وعریض یتیم خانہ اور اس سے بڑا دار الاطفال قائم کیا گیا یہ تاریخی عمارتیں آج بھی قابل دید ہیں۔ یہاں سے ہزاروں یتیم طلبا پروان چڑھے، بعد ازاں ایکڑوں پر مشتمل میانوالی کی تاریخی عید گاہ اور جنازہ گاہ بلوخیل بھی قائم ہوئی۔''

تصنیفات وتالیفات گانگوی، مختصر تحقیقی جائزہ:

سید احمد الدین گانگوی نے عربی، فارسی، اُردو، پنجابی اور سرائیکی میں کتابیں تصنیف کیں۔ سرائیکی اور عربی میں شاعری بھی کی، ''دِل سوز'' تخلص تھا، آپ کی درجنوں کتابیں، حواشی اور سینکڑوں فتاویٰ جات دیمک کی نظر ہو چکے ہیں۔ جن میں سے چند کے صرف نام دستیاب ہیں۔ متعدد کتابیں علما ومشائخ کی ذاتی لائبریریوں کی زینت ہیں۔ جن کتب اور

رسائل تک راقم الحروف کو رسائی مل سکی اور جن کے قلمی مسودات راقم السطور کے پاس محفوظ ہیں، ایسے نو دریافت کتب و رسائل کا ایک مختصر تعارف حسب ذیل ہے:۔

القبس القامعہ فی جواب الشمس الامعہ:

یہ مبسوط کتاب سید گانگوی نے مولانا رشید احمد گنگوہی کے رسالہ "الشمس الامعہ" کے جواب میں تحریر کی۔ یہ کتاب ۱۹ویں صدی کے آخری عشرہ میں تحریر کی گئی، جب کہ جو نسخہ راقم الحروف کے پاس ہے اس کے کاتب محمد دین ہیں۔ جنھوں نے مولانا اکبر علی چشتی کی فرمائش پر کتابت کیا، تاریخ کتابت ۱۳۲۵ھ ہے، اس کی کتابت انتہائی خوبصورت و دل نشیں ہے۔ اس کا موضوع فقہ الصلوٰۃ میں تکرارِ جماعت ہے۔ اس سے پہلے جماعتِ ثانیہ کے جواز پر اس قدر دلائل سے بھرپور اور مبسوط کتاب تحریر نہیں کی گئی۔ سید گانگوی نے متعارض روایات میں تطبیق اور آرائے فقہا کی تفصیل، راجح و مرجوح کی تحدید و تعین سے اپنے محدثانہ اور فقیہانہ جلالتِ علمی کا بھرپور اظہار کیا ہے۔ یہ کتاب لائق زیارت و مطالعہ ہے۔

البرق الساطعۃ فی جواز الجماعۃ الثانیۃ:

جماعتِ ثانیہ کے جواز پر یہ رسالہ بزبانِ عربی تالیف کیا، اس کے کاتب بھی محمد دین ہیں اور یہ بھی مولانا اکبر علی چشتی کی فرمائش پر تحریر کیا، اس رسالہ کی اہمیت کا اندازہ صرف اس پر تقاریظ، تصدیقات و تائیدات لکھنے والے جلیل القدر علما کے نام دیکھ کر لگایا جاسکتا ہے، چند معروف نام یہ ہیں۔

۱۔ استاذ الکل مولانا الٰہی بخش عمر پوری
۲۔ مولانا محمد شاہ غازی پوری
۳۔ فقیر اللہ بخش سکنہ شہر سلطان
۴۔ مولانا اللہ بخش خان گڑھی
۵۔ مولانا سراج الدین مظفر گڑھ
۶۔ مولانا عبد الخالق شیخ پوری
۷۔ الفاضل الکبیر المولوی غلام دستگیر قصوری
۸۔ شیخ الکل مولانا لطف اللہ علی گڑھی
۹۔ شیخ احمد حسن کانپوری وغیرہم

نور الایمان فی تائید مذہب النعمان:

دیگر مذاہبِ اسلامیہ پر حنفی مذہب کی ترجیح ثابت کرنے کے لیے سید احمد الدین گانگوی نے "نور الایمان فی تائید مذہب النعمان" کے نام سے عربی زبان میں ایک معرکتہ آراء کتاب تصنیف فرمائی۔ ایک مخطوط راقم الحروف کی لائبریری میں موجود ہے۔

مخطوط چوں کہ قدیم اور بوسیدہ ہے اس لیے اس کا اکثر حصہ ناقابل قرأت ہے۔ ورق شماری بھی مشکل ہے۔ صفحات الٹنے سے مزید خرابی کا اندیشہ ہے لہٰذا انتہائی حزم و احتیاط سے صرف حسب ذیل مباحث کا تعین کیا جاسکا۔ اس کے مباحث کی ترتیب کچھ یوں ہے۔

یہ کتاب مقدمہ فنون ابواب اور خاتمہ پر مشتمل ہے۔ مقدمہ کتاب، اصطلاحاتِ اصولِ حدیث کی نفیس شرح پر مشتمل ہے۔ فنِ اول، مبحثِ تقلید سے متعلق ہے، جو مقدمہ تین ابواب اور خاتمہ پر مشتمل ہے۔ باب اول، ثبوتِ تقلید مطلق سے متعلق ہے اور یہ تین فصول پر مشتمل ہے۔

فصل اول: عقلاً وجوبِ تقلید

ثانی: نقلاً وجوبِ تقلید

ثالث: فیمن یجب علیه التقلید ومن لایجب علیه

سے متعلق ہے۔ باب ثانی، تقلید شخصی کے وجوب پر مشتمل ہے، اس میں ایک مقدمہ اور دو فصول ہیں۔ فصل اول میں ادلہ اربعہ، کتاب وسنت، اجماع وقیاس سے تقلید شخصی کے وجوب کا اثبات ہے۔ فصل ثانی، فی وجوب تعین التقلید سے ہے۔

سید گانگوی نے امام اعظم کے فضائل احادیث واقوالِ فقہا سے ثابت کرنے کے بعد یہاں تک لکھا۔

فاحفظ والحاصل ان ابا حنيفة النعمان من اعظم معجزات المصطفى بعد القرآن

زجر الاشقیاء عن اہانۃ الاصفیاء معروف بہ تصویر محبت:

یہ رسالہ مسئلہ توہینِ رسالت ﷺ اور توہینِ صحابہ واہلِ بیت کے موضوع پر آپ کا تحریر کردہ ایک مدلل رسالہ ہے۔ اس میں آپ نے توہینِ رسالت کے مسئلہ پر شرعی اور قانونی پہلو کے اعتبار سے سیر حاصل گفتگو فرمائی۔ راقم الحروف کی لائبریری میں اس کا قلمی نسخہ موجود ہے اور ۲۰۱۷ء میں راقم الحروف کی تحقیق وتدوین سے مجموعہ ''حفاظت الایمان'' میں کتاب محل لاہور سے طبع بھی ہو چکا ہے۔

لوامع الضیاء فی علوم سید الانبیاء:

یہ بھی غیر مطبوعہ ہے، گانگوی لائبریری جامعہ شمس العلوم میں اس کا ایک مخطوط موجود ہے۔ اس مبسوط کتاب کا مرکزی موضوع تو علم نبوت ﷺ ہے مگر ضمناً درجنوں دیگر کلامی مباحث بھی اس میں شامل کر دیے ہیں۔ بیسویں صدی کی ابتدا میں برصغیر میں ہونے والی مذہبی تقسیم کی وجوہات کو جاننے کے لیے اس کتاب کا مقدمہ انتہائی اہم ہے۔

السیوف العتابیہ:

یہ کتاب غیر مطبوعہ ہے۔ اس کے دو قلمی نسخے گانگوی لائبریری جامعہ شمس العلوم میں موجود ہے۔ اس کے سر ورق پر لکھا ہے کہ یہ کتاب ''صاعقۃ الرحمٰن علی حزب الشیطان'' کے رَد میں لکھی گئی ہے۔ صفحات کی تعداد ۳۷۳ ہے۔ یہ مبسوط کتاب بھی کلامی مباحث پر مشتمل ہے اس کے ایک قلمی نسخے پر اس کا نام 'بل نقذف بالحق على الباطل'' بھی لکھا ہے۔

الشعلۃ الجباریۃ لاحراق مسجد آریہ:

یہ رسالہ ہندو مسلم اتحاد کی علامت کے طور پر قائم کی جانے والی ''مسجد آریہ'' کے قضیہ پر لکھا، راقم الحروف کے پاس اس کے دو قلمی نسخے ہیں۔ اس تاریخی فتویٰ پر بڑے بڑے علمائے معاصرین نے تقاریظ لکھیں۔

اسلامی بیت المال:

یہ کتاب بھی مطبوعہ ہے۔ پہلی مرتبہ ہمدرد پریس کوچہ چیلاں دہلی اور دوسری بار راقم الحروف کی تحقیق سے کتاب محل لاہور سے شائع ہوئی۔

حرمت تعزیہ داری:

یہ کتاب بھی مطبوعہ ہے۔ مگر تا حال راقم السطور کو نہیں مل سکی۔

القول البشیر فی رد التحریر:

۱۹ویں صدی کے آخری عشرہ میں یہ رسالہ مولانا عاقل محمد جلالپوری کے رَد میں تحریر فرمایا۔ اس کا موضوع بھی فقہ الصلوٰۃ ہے۔ سید گانگوی نے ''القبس القامعہ'' میں اس رسالے کا ذکر کیا ہے۔

ایقاظ الرقود فی اموال الہنود:

یہ رسالہ بھی آپ کی فقاہت کا آئینہ دار ہے۔ اس کے بھی دو قلمی مسودے موجود ہیں۔ مرکزی موضوع تقسیم ہند کے بعد ہندوؤں کے چھوڑے ہوئے مکانات کی ملکیت کا شرعی حکم ہے۔

فقرات شریف (فارسی):

۱۱۹ صفحات پر مشتمل یہ رسالہ بزبان فارسی، تصوف کے موضوع پر تحریر فرمایا ہے۔

مقدمۃ الصرف:

یہ کتاب آپ نے علم الصرف کے موضوع پر بزبانِ پنجابی تحریر فرمائی۔ اس کا قلمی نسخہ موجود ہے۔ ۱۳۴ صفحات پر مشتمل یہ رسالہ بزبان پنجابی سید گانگوی کے شاگرد شیخ غلام محمد، لاوہ نے آپ سے املا کیا۔

علم الصرف:

صرف کے موضوع پر آپ کے ہاتھ کا تحریر کردہ ایک رسالہ بزبان فارسی بھی موجود ہے۔

نسب نامہ:

یہ ایک مختصر سا رسالہ ہے۔ جس میں حضرت شیخ نے اپنے سلسلۂ نسب کا ذکر فرمایا۔ اس کے قلمی نسخے پر تاریخ تحریر جمادی الاول ۱۳۴۰ھ مطابق جولائی ۱۹۰۴ء رقم ہے۔ اس کے مطابق آپ کا سلسلۂ نسب اکتیس واسطوں سے حضرت شیخ عبد القادر جیلانی تک پہنچتا ہے۔

رسالہ حکمت:

مختلف بیماریوں کے اسباب اور ان کے علاج کے حوالے سے حکمت کے موضوع پر یہ رسالہ بزبانِ فارسی موجود ہے۔ابتدائی صفحات نہ ہونے کی وجہ سے اس کا درست نام معلوم نہ ہوسکا۔ یہ رسالہ کم وبیش ۹۰ صفحات پر مشتمل ہے۔

الحق المبین:

یہ مختصر رسالہ شیخ حسین علی واں بھچروی کے رسالہ ''اباحتِ انتفاع مرتہن لمرہون'' کے رَد میں لکھا گیا۔اس کا قلمی نسخہ موجود ہے۔ یہ مختصر رسالہ ''فقہ البیع'' سے متعلق ہے۔

رسالہ میلاد:

میلاد النبی ﷺ کے موضوع پر ایک مختصر مگر دلائل سے بھر پور تحریر ہے۔راقم الحروف کی تدوین وتحقیق سے مجموعہ ''حفاظت الایمان'' میں یہ رسالہ بھی شائع ہو چکا ہے۔

مسئلہ قنوت نازلہ:

سید گانگوی نے یہ مختصر رسالہ، مولانا مشتاق احمد خانیوال کے جواب میں تحریر فرمایا۔

ہمرکاب موج ضیاء:

سید احمد الدین گانگوی نے مجاہدِ اعظم خواجہ محمد ضیاء الدین سیالوی کے بارے میں اپنی معلومات اور ذاتی مشاہدات بھی قلم بند کیے ہیں اور سفر وحضر کے ان واقعات کا تذکرہ کیا ہے جن میں آپ خواجہ صاحب کے ہم راہ رہے۔ یہ ایک ضخیم کتاب تھی اس کا اکثر حصہ ضائع ہو چکا ہے۔دست بُردِ زمانہ سے بچ جانے والے سولہ صفحات راقم الحروف کی لائبریری میں موجود ہیں۔صفحات ۴۱ سے ۵۶ کے مطالعہ سے خواجہ ضیاء الدین سیالوی کی مجاہدانہ زندگی کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

السیوف القہار علی انوف الاشرار:

یہ کتاب دیمک کی نذر ہو چکی ہے، اس کا صرف سرورق موجود ہے۔

دیگر مختصر رسائل حسبِ ذیل ہیں۔

☆ رسالہ طلقات ثلثہ

☆ فیصلہ نامہ شرعیہ

مذکورہ دونوں رسائل فقہ الطلاق سے متعلق ہیں۔

☆ العقائد

☆ احسن الاسلوب فی جواب المکتوب

☆ تفسیر وما اھل بہ لغیر اللہ

☆ ندائے غائبانہ

☆ تکفیر المسلمین کے فقہی قواعد

☆ شمس الاسلام بھیرہ کے سوالات اوران کے جوابات

☆ ابرادالمعہود

☆ زیارتِ قبور کے آداب

☆ حیاۃ النبی ﷺ

☆ مسئلہ حاضر وناظر

مندرجہ ذیل کتابوں پر مختصر حواشی، تعلیقات، فوائد تفسیر لکھے اور فقہی قواعد کا انتخاب کیا۔

☆ تفسیر صاوی

☆ الاشباہ والنظائر

☆ حاشیہ البحر الرائق

مولانا گانگویؒ کا مذکورہ بالا مختصر ترین تذکرہ یہ کہنے کے لیے کافی ہے کہ یقیناً وہ صدر العلماء تھے، وہ نادرِ روزگار تھے، وہ نابغۂ عصر تھے، وہ اپنی صدی کے عظیم متکلم اور صوفی تھے، وہ انتہائی منفرد اور جداگانہ طرز کے فقیہ تھے، وہ مرجع العلماء تھے، سند الفقہاء تھے، قبلہ گاہِ فضلاء تھے، انیس الادباء تھے، آپ امام الاصولیین تھے، نور المحدثین تھے، بقیۃ الاولین تھے، آپ میرِ کارواں تھے، نباضِ سیاستِ دوراں تھے، وہ خادمِ بے کساں تھے، بزمِ دوستاں میں بریشم و پرنیاں اور متلاشیانِ علم پر ازحد فریفتہ ومہرباں تھے، آپ صفِ اول میں رہنے والے مجاہدِ تحریک پاکستان تھے، برصغیر میں اٹھنے والی ہر اہم تحریک کی اپنی سطح پر روح اور جان تھے، آپ جلیس الفقرا تھے اور فزوں ترین یہ کہ آپ محب الاولیا تھے اور اس سے بھی فزوں وبالاتر یہ کہ آپ عشق کی دُنیا کے شہریارِ باوفا تھے، طریقت کی وادیوں کے فرہاد تھے، محبت کی کٹھنائیوں کے کوہ کن تھے، آپ اپنی معنوی لیلیٰ کے کاروانِ صد بہار کے غبار میں گم اِک مجنوں تھے، وہ مداہنت سے ناآشنا تھے، خوفِ تنقیدِ خلائق سے بے پروا تھے، ذوقِ ستائشِ عوام سے ماوراتھے۔ کلام ان پر نازاں تھا، معنی کی پریاں ان کی خادمائیں تھیں، سروش ان کی صدا کے دوش پر رہتے تھے، تحریریں ان پر جاں چھڑکتی تھیں، دلائل ان کا پانی بھرتے تھے، کتابیں ان کی جولان گاہ تھیں۔

وہ حرف نہیں کتاب تھے، جھونکا نہیں بہار تھے، فرد نہیں کارواں تھے، دریا نہیں بحرِ بے کراں تھے، ستارے نہیں کہکشاں تھے، زمیں نہیں آسماں تھے، منزل اور منزل نشاں تھے، وہ گل نہیں گل ستاں تھے، وہ بوئے گل نہیں خود بوستاں تھے، وہ جمود نہیں تحرک تھے، وہ غزل نہیں دیوان تھے، وہ کرن نہیں آفتاب تھے، وہ گل نہیں گل زار تھے، لالہ نہیں لالہ زار تھے، وہ

بہار نہیں بہارستاں تھے، وہ نور نہیں نورستاں تھے، وہ لمحہ نہیں عہد تھے۔

مجھے خوشی ہے کہ وقت بدل رہا ہے، اندھیرا ڈھل رہا ہے، آندھیاں رُک رہی ہیں، طوفاں تھم رہے ہیں، چڑھی ہوئی ستم گر کانگ اتر رہی ہے، میں کنارِ سندھ پہ کھڑا چشمِ تصور سے یہ حیرت زا منظر دیکھ رہا ہوں کہ اگر چہ اب بھی دریا چڑھا ہوا ہے اور کانگ اب بھی آئی ہوئی ہے، لیکن عین اسی جگہ ہولے ہولے اِک نیا گانگی، اِک نیا معنوی گاؤں ابھر رہا ہے، احمد الدین کا گانگی! علم وعرفاں کا گانگی! میں دیکھ رہا ہوں کہ بستیاں نمودار ہو رہی ہیں، چہل پہل بڑھ رہی ہے، موت، حیات کی کروٹ لے رہی ہے، گُل وگلزار نمو پا رہے ہیں، کلیاں کھلتی جا رہی ہیں، نووارد طائرانِ خوش نوا کی وا منقاریں بہار کے جھونکوں کا والہانہ استقبال کر رہی ہیں، بچوں کی چہکاریں آنے لگی ہیں، زندگی کے رنگ بکھرنے لگے ہیں، ظلمتیں بھاگ رہی ہیں اور اچانک بادلوں کی اوٹ سے نکلتے اِک سورج نے اِردگرد کو نور سے جل تھل کر دیا ہے، مولانا احمد الدین گانگوی کی شائع پذیر کتابوں کی کرنوں سے گانگی سے لے کر فرنگی محل تک خیرہ کُن اجالا ہی اجالا ہے۔

وصال:

۱۲۸ کتوبر ۱۹۶۸ء مطابق ۴ رجب المرجب ۱۳۸۸ھ بروز شنبہ سوا ایک بجے بعد از دوپہر رب العالمین کا ذکر کرتے کرتے اس صاحبِ دانش، عارفِ شرعِ متین، واقفِ مزاجِ دین کی روح رضا آ گیں اپنے مالکِ جاں آفریں کے پاس اعلیٰ علیین کے مقامِ صدق ویقین کی قربت گاہوں میں جا کر خیمہ نشین ہو گئی۔

کتابیات

☆ اکابر تحریک پاکستان، محمد صادق قصوری، مکتبہ رضویہ گجرات، اشاعت ۱۹۷۶ء

☆ الیواقیت المہریہ، مولانا غلام محمد علی گولڑوی، حکیم آرٹ پریس، ملتان، اشاعت ۱۳۸۴ھ

☆ تاریخ میانوالی (تاریخ وتہذیب)، ڈاکٹر لیاقت علی خان نیازی، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، اشاعت ۲۰۱۵ء

☆ تاریخ میانوالی (حصہ اول) تحریر وتحقیق محمد اکبر عبداللہ روکھڑی، صدق رنگ پبلیکشنز 87/3 ڈبلیو بلاک نیو ملتان اشاعت یکم رمضان ۱۴۳۲ھ/اگست ۲۰۱۱ء

☆ تذکرہ اکابرِ اہلِ سنت، علامہ عبدالحکیم شرف قادری، نوری کتب خانہ لاہور، اشاعت ۲۰۰۵ء

☆ تذکرہ اولیائے چشت، سلطان احمد فاروقی، عمر حیات ٹوانہ کی سوانح، غلام رسول لہر، پاکستان ٹائمز پریس لاہور انوار قمریہ، مفتی غلام احمد سیالوی، ۱۹۶۵ء

☆ تذکرہ اولیائے کرام سرزمین اولیاء میانوالی، مرتبہ سید طارق مسعود شاہ کاظمی، مکتبہ سیدی قطب مدینہ، مسلم بازار میانوالی، اشاعت مئی ۲۰۰۸ء

☆ گزیٹیئر آف میانوالی ڈسٹرکٹ ۱۹۱۵ء سنگ میل پبلیکشنز، 25 شاہراہ پاکستان، لوئر مال لاہور اشاعت ۲۰۰۸ء

☆ گزیٹیئر آف دی بنوں ڈسٹرکٹ (۸۵۔۱۹۸۴) سنگ میل پبلیکیشنز، 25 شاہراہ پاکستان، لوئر مال لاہور اشاعت ۱۹۸۹ء

☆ مراتب سلطانی، تاریخ تصوف میانوالی، مصنف میاں محمد عالمگیر شاہ گیلانی قادری، سوانح حضرت سید سلطان زکریا الحسن الگیلانی، مقام اشاعت، صدر دفتر انجمن تنظیم اتحاد مین زکریا فورس صدام ہسپتال، بیت النوریہ آستانہ کریانوالہ مکان نمبر L/141-A محلہ میانہ میانوالی

☆ مٹی کے فرزند (سوانح کرنل الطاف الٰہی ملک)، تدوین، پروفیسر ضیاء الدین خان نیازی، ناشر ملک مولا بخش میوریل ٹرسٹ (رجسٹرڈ) اسلام آباد، پاکستان۔ اشاعت اکتوبر ۲۰۱۶ء

☆ سرگزشت مسکین، عبدالرحیم خان نیازی مسکین، سابق صدر مجلس احرار اسلام پاکستان، غلام محمد خان نیازی مطبع شنگریلا پرنٹرز فیصل آباد، بساط ادب، سرکلر روڈ لاہور، ستمبر ۱۹۹۷ء

☆ محبوب سیال، غلام دستگیر خان بے خود جالندھری، مکتبہ مفید عام لاہور، اشاعت ۱۳۴۳ھ

☆ اکبر السوانح، تذکرہ حضرت خواجہ محمد اکبر علی، مولف سید محمد باقر شاہ، ناشران خدا بخش، محمد اسلم، تاجران کتب، چوک بازار، بھکر، طبع ثنائی پریس سرگودھا، اشاعت ۱۹۵۷ء

☆ جمال فقر، صاحبزادہ محمد عبدالمالک چشتی میروی سجادہ نشین آستانہ عالیہ اکبریہ طبع میثاق انٹرپرائزز اسلام آباد ناشر، انجمن اکبریہ بلوخیل روڈ میانوالی، طبع سوم نومبر ۲۰۱۳ء

☆ جمال فقر، سوانح حیات حضرت خواجہ محمد اکبر علی میروی چشتی، مرتبہ پروفیسر محمد اشفاق چغتائی لیکچرار فیڈرل اسلامیہ کالج اسلام آباد، ضیاء القرآن اکیڈمی، حافظ مارکیٹ میانوالی، طبع ۱۴۰۷ھ

☆ فوز المقال فی خلفائے پیر سیال (جلد سوم) تذکرہ ضیاء العارفین محمد ضیاء الدین سیالوی قدس سرہ العزیز، حاجی مرید احمد چشتی، ناشر بزم شیخ الاسلام جامعہ رضویہ احسن القرآن دینہ جہلم، مئی ۲۰۰۵ء

☆ فوز المقال فی خلفاء پیر سیال، جلد ہشتم، تالیف حاجی محمد مرید احمد چشتی، ناشر سید ابوالحسن شاہ منظور ہمدانی، قمر الاسلام سلیمانیہ، ایس ٹی بلاک نمبر 2 کہکشاں کلفٹن کراچی، جولائی ۲۰۱۰ء

☆ فوز المقال فی خلفاء پیر سیال، جلد نہم، تالیف حاجی محمد مرید احمد چشتی، ناشر سید ابوالحسن شاہ منظور ہمدانی، قمر الاسلام سلیمانیہ، ایس ٹی بلاک نمبر 2 کہکشاں کلفٹن کراچی، اشاعت اول ۱۴۳۲ھ/۲۰۱۱ء

☆ فوز لقال فی خلفائے پیر سیال تذکرہ ضیاء العارفین محمد ضیاء الدین سیالوی قدس سرہ العزیز، حاجی مرید احمد چشتی، ناشر ادارہ تعلیمات اسلاف لاہور، تاریخ طباعت اکتوبر ۱۹۹۷ء

☆ ممتاز علمائے فرنگی محل لکھنو، تالیف یٰسین اختر مصباحی، ناشر اکبر بک سیلرز، زبیدہ سنٹر اردو بازار لاہور اشاعت فروری

۲۰۱۷ء

☆ محمد فیروز شاہ کی علمی وادبی خدمات، سمیع نوید، نمود اول، اشاعت اردو سخن، آرٹ لینڈ، گرلز کالج روڈ اردو بازار چوک اعظم، لیہ، جون ۲۰۱۶ء

☆ اسلامی بیت المال، صدر العلماء سید احمد الدین گانگوی، تحقیق وتدوین عطا المصطفیٰ مظہری، تقدیم محمد ریاض بھیروی، کتاب محل لاہور، ۲۰۱۸ء

☆ حفاظت الایمان، مفتی اعظم الشیخ السید احمد الدین گانگوی، الحنفی (۱۸۴۳ء۔۱۹۶۸ء)، توہین رسالت، میلاد النبیؐ، ندائے غائبانہ کے موضوع پر کم وبیش ایک صدی پیشتر رسائل کا مجموعہ، تحقیق وتدوین عطا المصطفیٰ مظہری، تصحیح نظر ثانی یاسر اعجاز شاہ، کتاب محل لاہور، ۲۰۱۷ء

☆ میانوالی تاریخ کے آئینہ میں، منشی محمد رمضان انصاری، عارف بک سٹال، جنرل بس سٹینڈ میانوالی، سن اشاعت نامعلوم

☆ درد اسلام، منظوم پنجابی، مصنفہ مولفہ محمد امیر علی سکنہ بستی گانگی ضلع میانوالی، حسب فرمائش حیات محمد بزاز، پبلک پریس میانوالی، اشاعت اول محرم ۱۳۵۳ھ رمئی ۱۹۴۳ء

☆ مناجات لاثانی، بحضور محبوب سبحانی قطب ربانی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی، از مسکین العصر، غریب البشر محمد امیر علی، اشاعت ۱۹۶۰ء

☆ تحریک پاکستان اور علمائے کرام، تحقیق وتحریر محمد صادق قصوری، زاویہ، دربار مارکیٹ، لاہور، ۱۹۹۹ء

☆ خیر آبادیات، اسید الحق قادری بدایونی، خانقاہ قادریہ بدایون، مکتبہ اعلیٰ حضرت، دربار مارکیٹ لاہور، اکتوبر ۲۰۱۱ء

☆ برکات سیال، مولانا غلام دستگیر خان بیخود جالندھری، جالندھر: مطبوعہ نگینہ پریس، ۱۳۴۴ھ

☆ السیوف العتابیہ قلمی، سید احمد الدین گانگوی

☆ لوامع الضیاء فی علوم سیّد الانبیاء، قلمی، سید احمد الدین گانگوی

☆ زجر الاشقیاء عن اہانۃ الاصفیاء، قلمی، سید احمد الدین گانگوی

☆ ندائے غائبانہ قلمی، سید احمد الدین گانگوی

☆ رسالہ میلاد قلمی، سید احمد الدین گانگوی

☆ الحق المبین قلمی، سید احمد الدین گانگوی

☆ مقدمۃ الصرف قلمی، سید احمد الدین گانگوی

☆ علم الصرف قلمی، سید احمد الدین گانگوی

☆ نسب نامہ قلمی، سیداحمدالدین گانگوی
☆ رسالہ حکمت قلمی، سیداحمدالدین گانگوی
☆ اسلامی بیت المال، سیداحمدالدین گانگوی، مکتبہ ہمدرد، دہلی، انڈیا
☆ ضیاء شمس الانوار فی تحقیق سماع الابرار والفجار، سیداحمدالدین گانگوی، مطبوعہ سرگودھا، ۱۹۲۴ء
☆ ریگزاروں سے لالہ زاروں تک، خواجہ محمد اکبرعلی کی تحریک اکبریہ پرایک تاریخی نظر، محمد ریاض بھیروی، ادارہ نور المصطفیٰ پاکستان، جنوری ۲۰۱۹ء
☆ تذکرہ علماء پنجاب (۱۲۰۱ھ/۱۴۰۰ھ)، اختر راہی، مکتبہ رحمانیہ، اشاعت دوم، ۱۹۹۸ء
☆ رحمت الباری فی عطاء تقریرات البخاری، مولانا محمد اکبرعلی چشتی، عکس پبلی کیشنز لاہور، ۲۰۱۹ء
☆ حدائق الحنفیہ، فقیر محمد جہلمی، مرتبہ معہ حواشی وتکملہ: خورشید احمد خان، انوارالاسلام بہاولنگر، پنجاب، پاکستان اکتوبر ۲۰۱۵ء
☆ مولانا سیداحمدالدین گانگوی فرنگی محلی، احوال وآثار، غیرمطبوعہ مضمون، محررہ: عطاالمصطفیٰ مظہری، پی ایچ ڈی اسکالر

☆☆☆☆

سلطان العارفین طیفور بن عیسیٰ شیخ بایزید بسطامی (م۲۶۱ھ) ایک تعارف

محمد منشا خان☆

نسبی وخاندانی پس منظر:

آپ نام طیفور تھا اور نسب: "طیفور بن عیسیٰ"۔ آپ کی کنیت ابو یزید ہے جسے بایزید بھی کہا جاتا ہے اور آپ اسی کنیت (بایزید) سے مشہور ہوئے۔ آپ کے آباؤ اجداد کا تعلق ایران کے قصبہ بسطام سے تھا۔ آپ کے دادا پہلے آتش پرست تھے جو بعد ازاں مسلمان ہوگئے۔ آپ کے والد کا نام شیخ عیسیٰ ہے جو نہایت نیک اور نفیس بزرگ تھے جو آپ کی ولادت کے چند ماہ بعد وفات پاگئے۔(۱) آپ تین بھائی تھے آدم، طیفور اور علی اور تینوں عابد و زاہد تھے۔ اُن میں ابو یزید سب سے زیادہ جلیل القدر تھے۔(۲)

ولادت باسعادت:

آپ نے ۱۸۸ھ میں بسطام کے محلہ موبدان میں ایک زاہد اور متقی خاندان کے گھرانے میں ولادت پائی۔ بسطام ملکِ ایران کے صوبہ سمنان کے ضلع قلعہ نو، تحصیل شہرود کا ایک قصبہ (گاؤں) ہے۔ علامہ ابنِ خلکان فرماتے ہیں کہ آپ کی تاریخ ولادت میں بڑا اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض نے ۱۳۶ھ تحریر کیا ہے جب کہ مستند کتب میں ۱۸۸ھ تحریر ہے اور سالِ وفات کو سامنے رکھتے ہوئے یہی سنِ ولادت (۱۸۸ھ) زیادہ درست و مستند ثابت ہے۔(۳)

ابتدائی تعلیم:

آپ کی ابتدائی تربیت آپ کی والدہ ماجدہ نے فرمائی اور بسطام کی مسجد میں آپ کی تعلیم کا آغاز ہوا۔ آپ نے استاذ کے پاس قرآن پڑھنا شروع کیا۔ جب سورہ لقمان کی اس آیت پر پہنچے:

ان اشکر لی ولولدیک ☆

ترجمہ: یعنی "میرا شکر ادا کرو اور اپنے ماں باپ کا"

تو استاد گرامی سے اجازت لے کر گھر آئے اور والدہ ماجدہ سے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "شکر کر میرا اور اپنے والدین کا"۔ فرمایا مجھ سے دو ہستیوں کا شکر ادا نہیں ہوتا۔ لہٰذا آپ مجھے خدا تعالیٰ سے طلب کر لیں۔

☆ شاہِ بسطام تحقیقاتی ادارہ برائے تصوف، میاں والی

تاکہ آپ ہی کا شکر ادا کروں یا پھر خدا تعالیٰ کے سپرد کر دیں کہ اس کے شکر میں مشغول ہو جاؤں والدہ نے فرمایا کہ میں اپنے حقوق سے دست بردار ہو کر تجھے خدا کے سپرد کرتی ہوں چناں چہ اس کے بعد آپ شام کی جانب نکل گئے اور تین سال شام کے میدانوں اور جنگلوں میں زندگی گزاری۔(۴)

شادی:

آپ نے ایک مدت تک شادی نہ کی تھی۔ آپ نے خواب دیکھا کہ ایک بہت ہی رفیع الشان اور نورانی عمارت ہے اور اولیاء اللہ اس میں آتے جاتے ہیں، مگر جب وہ اندر جانے کا ارادہ کرتے ہیں تو دروازے بند پاتے ہیں۔ پھر معلوم ہوا کہ یہ دروازہ بارگاہِ نبی اکرم مبارک ﷺ کا ہے۔ انھوں نے خیال کیا اللہ نے مجھے بہت انعامات سے نوازا ہے مگر آج مجھے اس دربار میں جانے کی اجازت نہیں ملتی۔ اسی وقت رسول اللہ مبارک ﷺ نے شارت کے ایک حصے سے سر مبارک نکال کر فرمایا" یہاں تو صرف اس کی باریابی ہو سکتی ہے جو میری سنت ادا کرے" آنکھ کھلی تو حضرت بایزید بسطامی آبدیدہ تھے اور فرمایا کہ حکمِ نبوی سے چارہ نہیں اور ضعیف العمری میں شادی کر لی۔(۵)

روحانی تعلیم و تربیت:

آپ کی ولادت حضرت امام جعفر صادق کے وصال کے بعد ہوئی، لہٰذا آپ نے اُن سے اویسی طریقہ سے نسبتِ صدیقی کا فیض حاصل فرمایا۔ اس سلسلے میں شیخ فریدالدین عطار فرماتے ہیں کہ آپ نے روحانی تربیت کے لیے ریاضت کے ساتھ ساتھ بھوک و بیداری کو اختیار کیا اور ایک سو تیرہ (۱۱۳) شیوخ و اساتذہ کی صحبت پائی اور اُن میں سے ایک امام جعفر صادق ہیں۔(۶) ☆

ازل سے صوفیہ کرام نے صحبتِ شیوخ کو بے حد اہمیت دی ہے۔ اُن کے نزدیک صحبت، تربیت کے لیے بہترین ذریعہ ہے اور اسی سے قُربِ الٰہی ممکن ہے۔ صوفیہ حقیقی مقاصد کے حصول کے لیے نا صرف دور دراز علاقوں کے اسفار کرتے ہیں بلکہ اپنا قیمتی وقت صوفیہ کی صحبت میں صَرف کرتے ہیں تاکہ مقاماتِ تصوف کامیابی کے ساتھ طے ہو سکیں۔ اسی لیے شیخ بایزید بسطامی فرماتے ہیں کہ جس کا کوئی استاد نہیں، اس کا امام شیطان ہوتا ہے۔(۷)

صحبتِ شیخ میں علمِ تصوف پر سیکھنے اور عمل کرنے سے نہ صرف علم و معرفت میں اضافہ ہوتا ہے بلکہ قلب کدورت سے پاک ہو جاتا ہے جس کے نتیجے میں فیضانِ ربانی میسر آتا ہے اور علومِ معرفت کے دروازے کھلتے ہیں۔ امام شعرانیؒ لکھتے ہیں کہ ایک روز حضرت بایزید سے ان کے شہر کے ایک عالم نے پوچھا اے بایزید! تمہارے اس علم کا آخر ماخذ کیا ہے؟ سکھانے والا کون ہے؟ اور کہاں سے یہ علم آیا ہے؟

حضرت بایزیدؒ نے جواب میں فرمایا۔" خدا کی بخشش و عطا اس کا ماخذ ہے۔ سکھانے والا خدا ہے اور وہیں سے یہ آیا ہے جہاں کی نسبت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

من عمل بما يعلم ورثه الله العلم مالم يعلم

ترجمہ: جس شخص نے اس چیز پر عمل کیا جس کو وہ جانتا ہے تو اس کو اللہ تعالیٰ ایسے علم کا وارث بنا دے گا کہ جو اس کو معلوم نہیں ہے۔ یہ سن کر وہ فقیر جو پہلے اعتراض کر رہا تھا، خاموش ہو گیا۔ (۸)

والدین اور شیخ کا ادب واحترام:

ہر انسان کی اول درس گاہ والدین کی گود ہوتی ہے۔ جو انسان بھی والدین کی خدمت میں زندگی وقف کرتا ہے اور اپنے انجامِ خیر کو ضرور پہنچتا ہے۔ صوفیہ کرام اپنے والدین کی خدمت وادب کا خصوصی پاس رکھتے ہیں تا کہ مزید قربتِ الٰہی کا ذریعہ بنے۔ شیخ بایزید بھی اُنھی کامل صوفیہ میں شامل ہیں جن کی زندگی والدہ کی خدمت میں اس قدر صَرف ہوئی کہ اس کی نظیر نہیں ملتی۔ ایک مرتبہ آپ کی والدہ نے آپ سے فرمایا کہ آدھا دروازہ بند کر دو (آپ فرماتے ہیں کہ) میں صبح تک ہی سوچتا رہا کہ کون سا آدھا بند کروں، دائیں طرف کا یا بائیں طرف کا تا کہ (میرا عمل) والدہ صاحبہ کے حکم کے خلاف نہ ہو۔ صبح کے وقت مجھے وہ سب کچھ مل گیا جس کو میں ڈھونڈھتا تھا۔ (۹)

اسی طرح ایک اور موقع پر ایک رات آپ کی والدہ ماجدہ نے پانی طلب کیا۔ آپ پانی لینے گئے کوزہ میں پانی نہ تھا، گھڑے میں دیکھا تو وہ بھی خالی تھا۔ چنانچہ پانی کے لیے ندی پر گئے اور جب واپس آئے تو والدہ صاحبہ سو چکی تھیں۔ شدید سردی کا موسم تھا۔ آپ پانی کا کوزہ ہاتھ میں اُٹھائے کھڑے رہے۔ جب والدہ ماجدہ کی آنکھ کھلی تو پانی پیا اور آپ کو دعاؤں سے نوازا اور فرمایا کہ کوزہ نیچے کیوں نہ رکھ دیا؟ عرض کیا کہ میں ڈرتا رہا کہ آپ بیدار ہو کر پانی طلب فرمائیں اور میں شاید اس وقت حاضر نہ ہوں (اور بے ادبی نہ ہو جائے)۔ (۱۰)

حضرت بایزید بسطامی نے اپنے روحانی شیخ امام جعفر صادق کے ادب کا لحاظ رکھتے ہوئے وصیت فرمائی کہ میری قبر تیس فٹ گہری کھودنا تا کہ وہ میرے مرشد کی قبر سے اونچی نہ رہے۔ (اسی ادب کا لحاظ رکھتے ہوئے حضرت ابوالحسن خرقانی نے بھی ایسی ہی وصیت فرمائی تھی کہ ان کی قبر اُن کے شیخ حضرت بایزید بسطامی کی قبر سے اونچی نہ ہو)

ریاضات ومجاہدات:

اس میں کچھ شک نہیں کہ صوفیہ کرام کی ریاضت عام نہیں ہوتی اور ان کا مجاہدہ اتنا سخت ہوتا ہے کہ ہر کسی کے بس کی بات نہیں۔ آپ خود فرماتے ہیں کہ

عملت في المجاهدة ثلثين سنة فماد جدت شئيا اشد علی من العلم و متابعة

ترجمہ: میں نے تیس سال مجاہدہ کیا لیکن میں نے اپنے اوپر علم اور اس کی متابعت یعنی عمل سے بڑھ کر کوئی چیز سخت اور دشوار نہیں دیکھی۔ (۱۲)

ایک مرتبہ لوگوں نے آپ کے مجاہدوں کے بارے دریافت کرنا چاہا تو آپ نے فرمایا "اگر بہت بڑا بیان کروں

توتم اس کی طاقت نہیں رکھتے، لیکن سب سے چھوٹا بتاتا ہوں۔ایک روز میں نے اپنے نفس کو ایک کام کہا اور اس نے سرکشی کی۔میں نے ایک سال اس کو پیاسا رکھا اور کہا: تو طاعت گزار بن یا (پیاسا) مرجا۔(۱۳)

مولانا رومؒ نے اس واقعہ کو اپنی مثنوی ☆ میں لکھا ہے۔اور اس واقعہ کی حقیقت افشا فرمائی ہے۔اشعار ملاحظہ کیجیے:

با یزید از بہر ایں کرد احتراز

دید در خود کاہلی اندر نماز

از سبب اندیشہ کرد آن ذو لباب

دید علت خوردن بسیار از آب

گفت تا سالی نخواہم خورد آب

آں چناں کرد و خدایش داد تاب

ترجمہ:

حضرت بایزیدؒ نے جب اپنے اندر نماز سے کاہلی کو محسوس کیا تو اس (پانی) سے پرہیز اختیار کیا۔اس مرد دانا نے اپنی بیماری کا سبب زیادہ پانی پینے میں پایا تھا۔لہٰذا انھوں نے کہا کہ سال برابر پانی نہیں پیوں گا چناں چہ انھوں نے ایسا ہی کیا اور خدا نے انھیں برداشت کرنے کی طاقت عطا فرمائی۔

آج کل کے دور میں کچھ لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ راہ بہت آسان ہے حالاں کہ ایسا نہیں ہے۔یہ تصوف کا راستہ مشکل ترین گھاٹی اس لیے ہے کہ خواہشات کو ترک کر کے شریعت وطریقت پر عمل پیرا ہونا پڑتا ہے ورنہ منزل مقصود پر پہنچنا ممکن نہیں۔اور پھر صوفیہ کرام جیسے سخت مجاہدات کرنا نفس پر بہت گراں گزرتا ہے۔

جیسے امام قشیری لکھتے ہیں کہ میں نے استاد ابوعلی دقاق کو فرماتے سُنا کہ جس شخص نے اپنے ظاہر کو مجاہدہ کے ساتھ مزین کرلیا، اللہ تعالیٰ اس کے باطن کو مشاہدہ کے ساتھ مزین کردیں گے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا☆

ترجمہ: جنھوں نے ہمارے راستے میں کوشش کی، ہم ضرور ان کو اپنا راستہ دکھائیں گے۔

یاد رکھیں کہ جو شخص ابتدا میں مجاہدہ نہیں کرتا، وہ اس طریقے میں سے شمہ بھر بھی حاصل نہیں کرسکتا۔(۱۴)

مجاہدہ کی اہمیت جاننے کے لیے شیخ ابوعثمان مغربی کا قول کافی ہے۔آپ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے خیال کیا کہ مجاہدے کے بغیر ہی طریقت کے کچھ اسرار اس پر کھل جائیں گے، یا کچھ امور اس پر واضح ہوجائیں گے تو وہ سراسر غلطی پر ہے۔(۱۵)

شیخ بایزید بسطامی خود اپنے مجاہدے کے بارے فرماتے ہیں کہ

میں بارہ سال تک اپنے نفس کا لوہار رہا اور پانچ سال تک اپنے دل کا آئینہ رہا اور ایک سال میں ان دونوں کے درمیان دیکھتا رہا۔ دیکھا کہ میری کمر پر تو ظاہری زُنار ہے، اس پر میں نے بارہ سال اس زُنار کو کاٹنے میں لگائے۔ میں نے پھر دیکھا تو میرے باطن میں زُنار تھا، جس کے کاٹنے کے لیے میں پانچ سال عمل کرتا رہا۔ میں دیکھتا کہ اسے کیسے کاٹوں، بالآخر مشاہدہ واضح ہوگیا۔ میں نے مخلوق کی طرف دیکھا تو انھیں مردہ پایا، لہٰذا میں نے مخلوق پر (جنازہ کی) چار تکبیریں کہیں، (یعنی مخلوق کو خیر باد کہا)۔(۱۶)

آپ (ابو یزید بسطامی) سے مروی ہے کہ میں نے خواب میں اللہ تعالیٰ کو دیکھا تو میں نے عرض کیا: یا اللہ! میں تجھے کیسے پاؤں؟ فرمایا: ''اپنے نفس سے جدا ہو کر چلے آؤ''۔(۱۷)

حالت قبض وبسط:

حضرت شیخ عیسیٰ بسطامی کہتے ہیں کہ میں تیرہ سال تک حضرت بایزید بسطامی کی صحبت میں رہا، لیکن میں نے آپ سے کوئی بات نہیں سنی اور آپ کی عادت تھی کہ سر گھٹنوں پر رکھ بیٹھتے اور جب سر بلند فرماتے تو آہ بھرتے اور پھر سر گھٹنوں کے درمیان رکھ لیتے تھے۔ شیخ سہلکی کہتے ہیں کہ حضرت بایزید بسطامی کی یہ حالت قبض میں ہوتی تھی، لیکن بسط کی حالت میں آپ سے بہت زیادہ فوائد حاصل ہوتے تھے۔(۱۸)

تقویٰ وتوکل:

جن لوگوں کا شمار خدا تعالیٰ کے برگزیدہ اور محبوب بندوں میں ہوتا ہے۔ وہ حتیٰ الامکان کوشش کرتے ہیں کہ اُن کی طرف سے کسی بھی مخلوق کو عذر نہ پہنچے۔ آپ حقوق العباد کا جس قدر خیال ملحوظ رکھتے، وہ اپنی مثال آپ ہے۔ خدا تعالیٰ کے مقرب بندے ہمیشہ خدمتِ خلق کو ترجیح دیتے ہیں پھر یہی خدمتِ خلق انسان کو عام انسانوں سے ممتاز کرتی ہے۔ آپ کے تقویٰ اور خدمتِ خلق کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے، امام قشیری لکھتے ہیں کہ

ایک دن ابو یزید بسطامی جامع مسجد میں گئے اور اپنی لاٹھی زمین میں گاڑ دی۔ یہ لاٹھی ایک بوڑھے کی لاٹھی پر، جو گڑی ہوئی تھی گر پڑی اور اس کو بھی گرا دیا۔ آپ نے اس بوڑھے کے گھر جا کر معافی چاہی اور کہا: آپ کے جھکنے کا سبب یہ ہوا کہ میں نے لاٹھی اچھی طرح نہیں گاڑی تھی، اس لیے گر پڑی اور آپ کو جھکنا پڑا۔(۱۹)

☆ حضرت بایزید بسطامیؒ کے کسی شاگرد نے بتایا کہ آپؒ نے مجھے فرمایا تھا جب کوئی انسان تمہارے ساتھ چلے اور تمہاری زندگی میں تنگی آجائے تو اس کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آؤ، اس سے تمہاری زندگی بہتر ہوگی، جب وہ تم پر کوئی انعام کرے تو ابتدا ہی میں اللہ کا شکر (ادا) کرو کیوں کہ وہی ہے جس نے (مخلوق کے) دلوں کو تیری طرف پھیرا ہے اور جب تمہاری آزمائش ہو تو جلد اُس سے نکلنے کی کوشش کرو کیوں کہ ساری مخلوق میں سے اگر کوئی (مشکل) دُور کرسکتا ہے

تو وہ اللہ تعالیٰ ہے۔(۲۰)

آپ جس قدر عظیم مرتبہ پر فائز تھے اُسی طرح آپ کی عجز و انکساری کا عالم بھی عظیم تھا۔حضرت خواجہ سلیمان تونسویؒ نے شیخ بایزید بسطامی کی عاجزی وانکساری کی ایک حکایت نقل فرمائی ہے کہ

حضرت بایزید کے زمانے میں ایک دفعہ (بسطام میں) مدت تک بارش نہ ہوئی لوگ نمازِ استقا کے لئے صحرا میں گئے اور نماز ادا کی لیکن بارش پھر بھی نہ ہوئی۔اس پر کچھ لوگ کہنے لگے کہ بُرے آدمیوں کی شامتِ اعمال کی وجہ سے بارش نہیں ہوتی۔آپ نے سُنا تو فوراً شہر سے نکل کھڑے ہوئے۔لوگوں نے آپ سے شہر چھوڑنے کی وجہ دریافت کی تو فرمانے لگے: ''سب سے بُرا تو میں ہوں، اس لیے اس جگہ سے چلا جاتا ہوں تاکہ لوگ میری شامتِ اعمال کی وجہ سے بارانِ رحمت سے تو محروم نہ رہیں''، بالآخر لوگ گئے اور منتیں اور مجبور کر کے آپ کو واپس شہر میں لائے۔(☆)

ادبِ رسول ﷺ اور اتباعِ سنت:

آپ کی اتباعِ سنتِ رسول ﷺ کا یہ حال تھا کہ آپ نے تمام عمر میں خربوزہ اس لیے نہ کھایا کہ احادیث سے یہ بات ثابت نہیں ہو سکا کہ حضور نبی کریم ﷺ نے خربوزہ کس طرح کاٹا اور کیسے کھایا، چناں چہ آپ نے تمام عمر خربوزہ نہیں کھایا، کہ کہیں یہی عمل خلافِ سنت سرزد نہ ہو جائے۔

علامہ محمد اقبال نے اس واقعہ کا نقشہ اپنے کلام میں یوں کھینچا ہے۔

کیفیت ہا خیزد از صہبائے عشق
ہست ہم تقلید از اسمائے عشق
کامل بسطام در تقلید فرد
اجتناب از خوردن خربوزہ کرد
عاشقی؟ محکم شو از تقلیدِ یار
تا کمند تو شود یزداں شکار(☆)

ترجمہ:

کیفیات شرابِ عشق سے نمودار ہوتی ہیں۔تقلید بھی اسمائے عشق میں سے ہے۔بسطام کے مردِ کامل تقلید میں منفرد ہیں جنھوں نے خربوزہ کھانے سے اجتناب کیا۔تو عاشق ہے؟ یار کی تقلید سے مستحکم ہو جا؛ تاکہ یزداں تیری کمند کا شکار ہو جائے۔

ابونصر سراج ''کتاب اللمع'' میں لکھتے ہیں کہ شیخ بایزید بسطامی فرماتے ہیں کہ میں نے ارادہ کیا کہ اللہ تعالیٰ سے

یہ درخواست کروں کہ مجھے کھانا کھانے اور عورتوں کا زیر بار ہونے سے محفوظ رکھے۔ پھر خود ہی خیال آیا کہ اللہ سے ایسی درخواست کرنا کیوں کر جائز ہے جب کہ رسول اللہ مبارک ﷺ نے ایسی درخواست نہیں کی۔ لہٰذا میں نے یہ درخواست نہ کی اور اللہ نے مجھے عورتوں کے زیر بار ہونے سے بچالیا چناں چہ (اب یہ حالت ہے کہ) کسی عورت کو دیکھ کر مجھے پرواہ ہی نہیں ہوتی۔ کیوں کہ میرے نزدیک عورت اور دیوار یکساں ہوتی ہے۔ (۲۱)

امام ابوبکر بن ابواسحاق الکلاباذی اپنی کتاب تعرف میں لکھتے ہیں کہ

ابو یزید بسطامی فرماتے ہیں صدیقین کی آخری انتہا انبیا کے احوال کی ابتدا ہے اور کوئی شخص انبیا کی انتہا کی غایت نہیں پاسکتا۔ (۲۲)

اسی مقام پر امام ابوبکر نے حضرت سہل بن عبداللہ کا ایک قول نقل فرمایا کہ

عارفوں کی ہمتیں حجب (پردوں) پر جا کر رہ جاتی اور وہاں سرنگوں ہو کر ٹھہر جاتی ہیں پھر ان کو آگے جانے کی اجازت ملتی ہے تو یہ وہاں جا کر سلامِ نیاز پیش کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان پر اپنی تائید کی خلعت عطا کرتے ہیں اور کج روی سے ان کو پاک کر دیتے ہیں مگر انبیا کی ہمتیں عرش کے گرد چکر لگاتی ہیں لہٰذا انھیں انوارِ الٰہیہ کا لباس پہنایا جاتا ہے۔ ان کے مرتبے بلند کیے جاتے ہیں اور ان کا اللہ سے وصال ہو جاتا ہے تب جا کر ان کے نفسانی خطوط فنا کر دیے جاتے ہیں اور ان کی مراد کو ساقط کر دیا جاتا ہے اور اللہ ان کی ایسی حالت کر دیتا ہے کہ وہ اس کی مدد سے اس کی خاطر تصرف کرتے ہیں۔ (۲۳)

حضرت ابو یزید بسطامی فرماتے ہیں کہ اگر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے ایک ذرہ بھی لوگوں کے سامنے نمودار ہو جائے تو عرش سے ادھر کی تمام کائنات بھی اس کی متحمل نہ ہو سکے گی۔ نیز آپ فرماتے ہیں کہ انبیا علیہم الصلوات والتسلیمات کی معرفت اور علم کے مقابلے میں مخلوق کی معرفت اور علم کی مثال اس نمی کی سی ہے جو اس مشکیزہ کے منہ پر ظاہر ہوتی ہے، جس کا منہ بند ہوا ہو۔ (۲۴)

روایتِ حدیث:

متعدد سیرت نگاروں نے حضرت بایزید بسطامی کا تعارف احادیثِ نبوی ﷺ کے ثقہ راوی کی حیثیت سے کراتے ہیں اور ان کی بیان کردہ روایات پر اعتماد کرتے ہیں۔ داتا گنج بخش حضرت سید علی ہجویری اپنی کتاب ''کشف المحجوب'' میں اور امام عبدالوہاب شعرانی اپنی کتاب ''طبقات کبریٰ'' میں تحریر فرماتے ہیں:

''رسول اللہ ﷺ سے ان کی بیان کردہ روایات عالی ہیں''۔

امام ابوعبدالرحمن سلمی نے ''طبقات الصوفیہ'' میں مرویات بایزید بسطامی میں سے ایک حدیث روایت کی ہے جس کا سلسلۂ اسناد حسب ذیل ہے:

حضور نبی اکرم مبارک (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

حضرت ابوسعید الخدری

حضرت عطیہ العوفی

حضرت عمرو بن قیس الملائی

حضرت عبدالرحمن السدّی

''سلطان العارفین حضرت بایزید بسطامی''

حضرت ابوموسیٰ الدیبلی دیناری

حضرت علی بن جعفر البغدادی

حضرت ابوالفتح احمد بن محمد بن سھل المصری المعروف بابن الحمصی الواعظ بالبصرۃ

حضرت ابوعمرو عثمان بن محمد بن دراھم الکازرونی

حضرت ابوالحسن منصور بن عبداللہ الدیمرتی

حضرت ابوعبدالرحمن السلمی

متن حدیث مندرجہ ذیل ہے:

ان من ضعفِ الیقین ان تُرضی الناس بسخط اللہِ تعالیٰ اَن تحمد ھم علی رزق اللہِ وان تذمھم علی مالم یوتکَ اللہِ واِنَّ رزق اللہ لایجدّہ حرصُ حریصٍ ولا یردّہ کرہ کارہٍ اِنّ اللہ تعالیٰ بحکمتہ وجلالہ جعل الرَّوح والفرح فی الرضاء الیقین وجعل الھَمّ والحُزن فی الشکَ االسخطِ.(۲۵)

ترجمہ:

''بے شک یقین کی کمزوری میں سے یہ بات ہے کہ تو اللہ تعالیٰ کو ناراض کر کے لوگوں کو راضی کرے۔ اللہ کے دیئے ہوئے رزق پر لوگوں کی تعریفیں کرتا پھرے اور اگر اللہ تعالیٰ تجھے کوئی چیز عطا نہ کرے تو تو لوگوں کی مذمت کرے۔ بے شک اللہ کا رزق ایسا ہے کہ جس کو کسی حرص کرنے والے کا حرص اور کسی ناگوار سمجھنے والے کی ناگواری روک نہیں سکتی۔ تحقیق اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت اور جلال کے ساتھ طمانیت اور فرحت کو رضا اور یقین میں رکھا ہے اور حزن ملال کو شک اور (قضا وقدر سے) ناراضی میں رکھ دیا ہے''۔ (☆)

مخلوق سے شفقت:

صوفیہ کرام کی حیات و تعلیمات کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ صوفیہ کا طبقہ حقوق اللہ کے ساتھ ساتھ حقوق العباد کی ادائیگی پر بہت زیادہ زور دیتے ہیں۔ صوفیہ کرام نے مخلوق کے درد کو ہمیشہ اپنا درد جانتے ہوئے خلقتِ خدا کو توکل الی اللہ کا سبق سکھایا ہے اور خدا سے محبت کا تقاضا ہی یہی ہے اس کی مخلوق سے ہمدردی اور شفقت کا برتاؤ کیا جائے۔

شیخ بایزید بسطامی کا ایک یہودی پڑوسی تھا وہ کہیں سفر میں چلا گیا۔ اسی دوران میں اس کے ہاں بچہ پیدا ہوا۔ افلاس کی وجہ سے اس کی بیوی چراغ تک روشن نہ کر سکتی تھی۔ تاریکی کی وجہ سے اس کا بچہ تمام رات روتا رہتا تھا۔ شیخ بایزید بسطامی ہر رات اس کے یہاں چراغ رکھ آتے۔ چناں چہ جس وقت عورت کا شوہر واپس آیا تو اس کی بیوی نے آپ کے حسنِ سلوک کی تمام کیفیت بیان کی وہ یہودی بڑا متاثر ہوا اور کہا کہ اتنا عظیم بزرگ ہمارا پڑوسی ہو اور ہم گمراہی میں زندگی گزاریں، وہ یہودی اپنی بیوی کے ساتھ آپ کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہو گیا۔ (☆)

ایک اور مشہور واقعہ آپ کی خدا ترسی اور مخلوق خدا پر بے پایاں شفقت کا ثبوت فراہم کرتا ہے۔ آپ نے ایک دفعہ ہمدان سے قرطم کے کچھ دانے خریدے اور ان کو استعمال فرمایا لیکن کچھ دانے بچ گئے جو آپ نے کسی کپڑے میں باندھ لیے اور بسطام روانہ ہو گئے۔ بسطام پہنچ کر معلوم ہوا کہ ان دانوں میں دو چیونٹیاں آ گئی ہیں۔ احساس ہوا کہ ان کو ناحق تکلیف دی اور بے وطن کیا فوراً واپس ہمدان تشریف لے گئے اور چیونٹیوں کو اپنی جگہ پر جا چھوڑا۔ * حالاں کہ ہمدان اور بسطام کے درمیان کافی مسافت (تقریباً ۷۳۰ کلومیٹر فاصلہ) ہے۔ (☆)

مقام و مرتبہ:

آپ کی شان میں حضرت جنید بغدادی فرماتے ہیں کہ "اولیا میں بایزید ایسے معظم ہیں جیسے جماعتِ ملائکہ میں جبرئیل امینؑ ہیں" (۲۶)

حضرت ذوالنون مصری رحمہ اللہ نے آپ کے پاس پیغام بھیجا کہ اے بایزید! رات کو آرام اور سکون سے سوتے ہو، قافلہ تو چلا گیا، آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ کامل تو وہ ہے جو رات کو سو جائے اور صبح کو قافلہ اُترنے سے پہلے منزل پر پہنچ جائے، حضرت ذوالنون یہ سن کر رو پڑے اور کہا کہ بایزید! تمہیں مبارک ہو، میں اس مرتبے کو نہیں پہنچا۔ (۲۷)

امام مناوی فرماتے ہیں کہ ابو یزید بسطامی عارفین کے اماموں کے بھی امام تھے اور صوفیہ کرام کے مشائخ کے شیخ تھے۔ ان کے بارے میں جناب خانی کا یہ قول ہی کافی ہے کہ آپ انھیں سلطان العارفین کہا کرتے تھے اور محی الدین ابن عربی انھیں ابو یزید اکبر کہا کرتے تھے اور انھوں نے ذکر کیا کہ آپ اپنے زمانہ کے قطب غوث تھے۔ (۲۸)

حضرت ذوالنون مصریؒ کا ایک مرید حضرت بایزید بسطامیؒ کی زیارت کے ارادہ سے گیا۔ دروازہ پر پہنچ کر اس نے دستک دی حضرت بایزید بسطامیؒ نے پوچھا کون ہے؟ کیا چاہتے ہو؟ اُس نے جواب دیا کہ حضرت بایزید بسطامیؒ کی زیارت کو آیا ہوں۔ آپؒ نے پوچھا بایزید کون ہے؟ کہاں ہے اور وہ کیا ہے؟ میں مدت سے بایزید کو تلاش کر رہا ہوں مگر وہ

نہیں ملتا۔ جب مرید واپس ہوکر حضرت ذوالنون مصریؒ سے یہ حال بیان کیا تو انھوں نے فرمایا: میرا بھائی بایزید بسطامیؒ خدا کی طرف جانے والوں میں جاملا۔(۲۹)

شیخ ابوسعید ابوالخیر آپ کے متعلق فرماتے ہیں کہ "میں اٹھارہ ہزار عالم کو حضرت بایزید کی ذات سے پُر دیکھتا ہوں اور درمیان میں حضرت بایزید مجھے دکھائی نہیں دیتے"۔ (یعنی جہاں بایزید بسطامی ہیں وہ حق اور حق میں ہی محو ہیں)۔(۳۰)

تصوف کی ہر کتاب میں آپ کا تذکرہ واضح الفاظ میں ملتا ہے۔ اسی طرح صوفی شعرا نے آپ کی شخصیت پر قلم اٹھانا بھی باعثِ فخر جانا، جیسے حکیم سنائی غزنوی نے آپ کا یوں تذکرہ کیا:

دور ہا باید کہ تا یک مردِ حق پیدا شود

بایزید اندر خراساں یا اویس اندر قرن

ترجمہ: (کئی زمانے درکار ہیں کہ ایک مردِ حق پیدا ہو، بایزید بسطامیؒ جیسا کوئی خراسان میں یا ایک اویسؓ جیسا قرن میں)

علامہ اقبال نے آپ کے مرتبہ کو یوں بیان فرماتے ہیں:

تیغِ ایوبی نگاہِ بایزید

گنج ہائے ہر دوعالم را کلید☆

ترجمہ: (صلاح الدین ایوبی کی تلوار اور بایزید کی نگاہ دونوں جہانوں کے خزانوں کی کنجیاں ہیں)۔

آپ کے چند اقوال:(۳۱)

۱) اگر فرعون بھوکا رہتا تو ہرگز اَنَا رَبُّکُم الاعلیٰ (میں سب سے بڑا رب ہوں) نہ کہتا۔ اگر قارون بھوکا رہتا تو باغی نہ ہوتا اور لومڑی چوں کہ بھوکی رہتی ہے اس لیے ہر ایک نے اس کی تعریف کی ہے جب پیٹ بھر جاتا ہے تو نفاق پیدا ہوتا ہے۔

۲) عارفوں کا نفاق مریدوں کے اخلاص سے افضل ہے۔

۳) ولی وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے امر ونہی کے تحت صبر کرے۔

۴) میں نے تیس سال تک مجاہدہ کیا مگر مجھے علم اور اس کی پیروی سے زیادہ مشکل کوئی اور چیز نظر نہیں آئی۔

۵) اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ایسے ہیں کہ اگر دنیا و آخرت میں وہ اللہ تعالیٰ سے

ایک لمحہ کے لئے محجوب ہو جائیں تو وہ مرتد ہو جائیں۔

(۶) اگر لوگ دو سو سال تک بھی گلشنِ معرفت میں سرگشتہ رہیں جب کہیں جا کر ان کو ایک پھول مل سکتا ہے جو مجموعی طور پر ابتدا ہی میں مجھے مل گیا۔

(۷) آپ فرماتے ہیں کہ محبت یہ ہے کہ اپنے بہت کو تھوڑا جانے اور محبوب کے تھوڑے کو بہت جانے۔

(۸) دِلوں کا قبض، نفسوں کی کشادگی میں ہے اور دِلوں کی کشادگی، نفسوں کے قبض میں ہے۔

وصال مبارک:

آپ نے ۱۵ شعبان ۲۶۱ھ میں انتقال فرمایا، آپ کا مزار بھی شہرِ بسطام میں ہے۔(۳۲)

ابونصر سراج فرماتے ہیں شیخ بایزید بسطامی نے موت کے وقت یوں کہا "میں نے تجھے (اللہ) جب یاد کیا تو غفلت سے یاد کیا مگر تو نے مجھے (کافی) مہلت دے کر میری جان قبض کی۔" (۳۳)

مرقد مبارک:

ایک روایت کے مطابق آپ کا مزار ایک تاتاری حکمران نے تعمیر کروایا تھا۔ تاتاریوں نے چوں کہ اسلام صوفیائے کرام کی بدولت قبول کیا تھا اس لیے وہ صوفیائے کرام سے حُسنِ عقیدت رکھتے تھے۔ لیکن مشہور یہ ہے کہ ایلخانی سلطان الجائتو محمد خدا بندہ نے ۷۱۳ھ/۱۳۱۳ء میں ان کے مزار پر ایک قبہ تعمیر کرایا تھا۔(۳۴)

شیخ ابوسعید ابوالخیر المہینی جب بسطام پہنچے وہاں ایک پہاڑی ہے جہاں سے حضرت بایزید بسطامی کا مزار دکھائی دیتا ہے۔ شیخ ابوسعید کی نگاہیں مزار پر پڑیں تو رُک گئے۔ ایک لمحہ خاموش ہو کر سر ادب سے جھکا دیا۔ سر اُٹھا کر فرمایا جو شخص دوسری جگہ (جو کچھ) کھو دیتا ہے یہاں پا لیتا ہے۔ حضرت بایزید بسطامی کے مزار پُر انوار کی زیارت کی۔ آپ (شیخ ابوسعید) مزار مبارک کے پہلو میں کھڑے تھے تو حسن مؤدّب بھی آپ کے پیچھے کھڑے تھے وہ فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ ابوسعید کچھ دیر تک سر جھکائے کھڑے رہے پھر سر اٹھایا اور فرمایا یہ پاک بازوں کا مقام ہے یہاں ناپاک نہیں آ سکتے۔ شیخ ابوسعید ایک دن اور ایک رات بسطام رہے۔(۳۵)

ماخذ و مراجع:

۱۔ کارنامہ بزرگان ایران، نشریہ ادارہ کل انتشارات ورادیو، تہران: ۱۳۴۰ش، ص ۶۹

۲۔ رسالہ قشیریہ، ص ۱۷۱

۳۔ کارنامہ بزرگان ایران، ص ۶۹

(☆) سورۃ لقمان، ۳۱:۱۴

۴۔ تذکرۃ الاولیاء، شیخ فریدالدین عطار، مترجم: مولانا زبیر افضل عثمانی، تصحیح: محمد عبدالعلیم مظفر، طبع اول، ناشر: کمرشیل بک ڈپو چار مینار، حیدرآباد، ص ۸۸

۵۔ جنید و بایزید، پیر عبداللطیف خان نقش بندی، ص ۴۵۰، نشان منزل پبلی کیشنز، لاہور

۶۔ حضرات القدس، جلد ۲، ص ۹۷، ۹۸

(☆)۔ منقول ہے کہ ایک روز آپ حضرت امام جعفر صادق کے پاس بیٹھے تھے۔ اُنھوں نے آپ سے فرمایا: وہ کتاب طاق سے اُٹھالاؤ۔ آپ (بایزید بسطامی) نے عرض کیا: کس طاق سے؟ اس پر امام جعفر صادق نے فرمایا 'ایک مدت سے تم میرے پاس ہو اور تم نے اس طاق کو نہیں دیکھا؟ آپ نے عرض کیا نہیں (دیکھا)، مجھے اس طاق سے کیا غرض ہے میں آپ کے حضور ہوتے ہوئے اپنا سر اوپر اٹھاؤں، حضرت امام جعفر صادق نے فرمایا جب ایسا ہے تو پھر بسطام (لوٹ) جاؤ، تم مکمل ہو چکے۔ محققین کے نزدیک یہ واقعہ امام جعفر صادق کے مزار مبارک پر بطورِ کشف پیش آیا ہے، کیوں کہ آپ کو روحانی تربیت (فیوض و برکات) امام جعفر صادق سے اویسی طریقہ سے حاصل ہوئی ہے۔

(☆) تذکرۃ الاولیاء، شیخ فریدالدین عطار، مترجم: مولانا زبیر افضل عثمانی، ص ۸۹

۷۔ رسالہ قشیریہ، پیر حسن، ص ۱۵۸

۸۔ طبقاتِ کبریٰ

۹۔ تذکرۃ الاولیاء، شیخ فریدالدین عطار، مترجم: مولانا زبیر افضل عثمانی، ص ۹۰

۱۰۔ تذکرۃ الاولیاء، شیخ فریدالدین عطار، مترجم: مولانا زبیر افضل عثمانی، ص ۹۰

۱۱۔ تذکرۃ الاولیاء ص ۱۶۴

۱۲۔ طبقاتِ کبریٰ، رسالہ قشیریہ، کشف المحجوب، طبقات الصوفیہ

۱۳۔ تذکرۃ الاولیاء، شیخ فریدالدین عطار، مترجم: مولانا زبیر افضل عثمانی، ص ۱۰۱

(☆) مثنوی مولانا روم

۱۴۔ رسالہ قشیریہ، ص ۳۰۹

۱۵۔ رسالہ قشیریہ، ص ۳۰۸

۱۶۔ رسالہ قشیریہ، پیر حسن، ص ۳۰۹، تذکرۃ الاولیاء/ شیخ فریدالدین عطار، مترجم: مولانا ز بیر افضل عثمانی، ص ۹۰

۱۷۔ رسالہ قشیریہ، پیر حسن، ص ۳۱۸

۱۸۔ تذکرہ مشائخ نقشبندیہ، ص ۵۲

۱۹۔ رسالہ قشیریہ، ابوالقاسم القشیری، مترجم: ڈاکٹر پیر محمد حسن، ص ۳۲۷

۲۰۔ طبقات الصوفیہ، ابی عبدالرحمٰن محمد بن الحسین السلمی، شاہ محمد چشتی، اشاعت ۲۰۱۱ء، ادارہ پیغام القرآن، لاہور۔ ص

۶۴

(☆) نافع السالکین

☆ اسرار خودی، علامہ محمد اقبال

۲۱۔ کتاب اللمع فی التصوف، ابونصر سراج طوسی، مترجم: ڈاکٹر پیر محمد حسن، اشاعت دوم ۱۹۹۶ء، ادارہ تحقیقات اسلامی: اسلام آباد، ص ۱۶۶

۲۲۔ تعرف، ص ۱۰۲

۲۳۔ تعرف، ص ۱۰۲

۲۴۔ تعرف، ص ۱۰۲

۲۵۔ البیھقی فی شعب الایمان، ۱/۲۲۱، الرقم: ۲۰۷، وابونعیم فی حلیۃ الاولیاء، ۱۰/۴۱۔

(☆) مفہوم حدیث یہ ہے کہ رازقِ حقیقی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے وہی عطا کرنے والا ہے اور وہی روکنے والا ہے اس لیے وہ اگر عطا کرے تو اوّلاً اسی ہی کا شکر ادا کرنا چاہیے اور کچھ عطا نہ کرے تو قضا و قدر پر صبر کرنا چاہیے اور راضی برضا رہنا چاہیے۔ لوگ اگر ہمیں کچھ کھانے پینے کو دے دیتے ہیں تو وہ حقیقت خدا کے حکم سے ہوتا ہے کہ وہ ان کے دِلوں میں دوسروں کی مدد کرنے کی بات ڈال دیتا ہے اور اسی طرح لوگوں کے پاس جب کچھ نہیں ملتا تو یہ بھی خدا کی طرف سے ہوتا ہے۔ اس لیے ہمیں ہمیشہ خدا کی رضا پر راضی رہنا چاہیے اور اسی میں طمانیتِ قلب، پختگیٔ ایمان اور نجاتِ اُخروی کا سامان ہے۔

(☆) تذکرۃ الاولیاء ص ۹۶، ۹۷

(☆) رسالہ قشیریہ، تذکرۃ الاولیاء

* شیخ فریدالدین عطارؒ اسی واقعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں شاید ہی کوئی شخص تعظیم لِامر اللہ اور خلق خدا پر شفقت میں اس حد پہنچا ہو)۔

۲۶۔ تذکرۃ الاولیاء، شیخ فریدالدین عطار، مترجم: مولانا ز بیر افضل عثمانی، ص ۸۸

۲۷۔ کتاب النور فی کلمات ابی طیفور، ابوالفضل محمد بن علی بن احمد بن حسین اللسھلجی، ص۷۹ تا۸۰
۲۸۔ نفحات الانس، عبدالرحمٰن جامی، شبیر برادرز، لاہور، ص۸۸
۲۹۔ کشف المحجوب، مترجم: مفتی غلام معین الدین نعیمی، اشاعت ۲۰۰۷ء، قادری رضوی کتب خانہ، گنج بخش روڈ، لاہور، ص۴۳۰
۳۰۔ تذکرۃ الاولیاء، شیخ فریدالدین عطار نیشاپوریؒ، تصحیح متن، توضیحات وفہارس، ڈاکٹر محمد استعلامی، تہران، کتابخانہ زوار، ۱۳۵۶ھ، ص۱۶۶
(٭) پس چہ باید کرد، علامہ محمد اقبال
۳۱۔ کشف المحجوب، مترجم: مفتی غلام معین الدین نعیمی، اشاعت ۲۰۰۷ء، قادری رضوی کتب خانہ، گنج بخش روڈ، لاہور، ص۵۸۷، ۴۹۲، ۳۷۷، ۵۸، ۳۷۷
۳۱۔ تذکرۃ الاولیاء، شیخ فریدالدین عطار نیشاپوریؒ، تصحیح متن، توضیحات وفہارس، ڈاکٹر محمد استعلامی، تہران، کتابخانہ زوار، ۱۳۵۶ھ، ص۱۰۳۔۱۰۲
۳۲۔ کارنامہ بزرگان ایران، تذکرہ مشائخ نقشبندیہ، ص۵۶۔
۳۳۔ کتاب اللمع فی التصوف، ابونصر سراج طوسی، مترجم: ڈاکٹر پیر محمد حسن، ص۳۰۸
۳۴۔ اُردو دائرہ معارف اسلامیہ، جلد۱، دانش گاہ پنجاب یونیورسٹی، لاہور، ص۹۳۲
۳۵۔ اسرار التوحید فی مقامات الشیخ ابی سعید، تصنیف: محمد بن ابی سعد بن ابی طاہر بن ابی سعید میہنی، ترجمہ: پیرزادہ اقبال احمد فاروقی، مکتبہ نبویہ گنج بخش روڈ، ۲۰۱۰ء، لاہور
۳۵۔ تذکرۃ الاولیاء، شیخ فریدالدین عطار، مترجم: مولانا زبیر افضل عثمانی

☆☆☆☆

حضرت خواجہ اللہ بخشؒ تونسوی

علامہ عبدالخالق سدیدی ☆

حضرت خواجہ محمد سلیمانؒ کے چار بیٹے تھے۔

خواجہ گل محمد؛ خواجہ درویش محمد؛ خواجہ عبداللہ؛ خواجہ احمد آخری دونوں شہزادے فقیرزادے بچپن ہی میں داغ فراقت دے کر راہیٔ ملکِ عدم ہوئے۔ خواجہ عبداللہ کا مزار گڑگوجی میں جدِ امجد کے ساتھ ہے۔ اوّل دونوں صاحبزادے جوانی اور شباب کو پہنچے مگر والدِ گرامی کی حیات ہی میں وصال فرمایا۔ جن کے مزار پُر انوار نہایت ہی درویشی اور سادگی کا عمدہ نظارہ ہیں۔ ان دونوں کی تربت خاکِ برکت سے مزین ہے۔ جن پر چھوٹے چھوٹے خوبصورت پتھر رکھے ہیں۔ بغیر کسی محل اور قبہ کے اپنی درویشی کی زندہ مثال اور حیاتِ جاودانی کا عمدہ نظارہ ہیں۔ جن کے والدِ گرامی خواجہ اللہ بخشؒ کو فتوحاتِ ظاہری و باطنی میں وسعت اور کمال حاصل تھا۔

جدِامجد کی خانقاہ سفید سنگ مرمری بلند شان قبہ؛ محفل سماع کا پھول بوٹیوں سے آراستہ بنگلہ روضۂ اقدس کے شمال میں روضہ مبارکہ کے جنوب میں سنگ مرمر کی چوکھٹ والا چاندی کا دروازہ؛ اس کی خوبصورت محراب جو محلاتِ مغلیہ کی زیب و زینت سے کہیں زیادہ خوبصورت ہے۔ دروازہ کے سامنے وسیع برآمدہ جو لکڑی کی خوبصورت ڈیکوریشن والی رنگین چھت سے مزین اور فرش نیلگوں خوبصورت سنگِ مرمر سے مرصع ہے۔ خانقاہ عالیہ کا بڑا دروازہ ''بابِ جنت'' جب کہ اوپر گھنٹہ گھر کا بڑا اٹاور ہے۔ نیچے چاندی والا بڑا دروازہ جب کہ سامنے بہت بڑی مصری محراب کا نظارہ اپنی مثال آپ ہے۔ جو معماؤں اور سیاحوں کو ورطۂ حیرت میں ڈالنے والا ہے۔ گھنٹہ گھر کی بلندی اور محل وقوع کچھ ایسا ہے۔ جو مغرب کی طرف سے روضہ اقدس اور شیش محل سے متصل ہے او مشرق و جنوب میں مسجدِ عالیہ سلیمانیہ سے متصل ہے۔

مسجد عالیہ سلیمانیہ کا حال جو ۱۲۶۱ھ میں بنا، برآمدہ۔ مسجد عالیہ کا صحن جو ابتداً سیاہ اور سفید رنگت کے مصلّوں پر مشتمل تھا۔ یہ صحن اردگرد کے فنائے آستانہ عالیہ سے تعظیماً بلند ہے۔ جس کے شمالاً جنوباً وضو کے لیے دہ' دردہ کے دو وسیع حوض پاک پانی سے ہر وقت لبریز رہتے ہیں۔ جمِ غفیر کے لیے وضو کا اعلیٰ انتظام ہے۔ مسجد کا خوبصورت برآمدہ جس کا ماٗذنہ اور سامنے کے دروازوں کی خوبصورت محرابیں سنگِ مرمر کی ہیں۔ جن کے سامنے آدابِ مسجد کی احادیث رقم ہیں۔ یہ برآمدہ ۱۳۰۴ھ میں بنا۔ مسجد عالیہ سلیمانیہ کے شمالاً، جنوباً اور مشرق میں وسیع آستانہ عالیہ کا دالان موجود ہے۔ جو بوقتِ ضرورت ادائے صلوٰت اور زائرین کی حاجت روائی کرتا ہے، عیدین، عرس اور جمعۃ المبارک کی نماز کے لیے بہت لوگ فنائے مسجد، آستانہ عالیہ میں نماز با جماعت ادا کرتے ہیں۔ آستانہ عالیہ کے دالان کے اردگرد، زائرین، طلبا، درویشوں کے لیے

☆ خادم درگاہِ عالیہ سلیمانیہ، تونسہ شریف [ڈیرہ غازی خان]

حجروں (حجرات) کی قطاریں موجود ہیں۔

درگاہ عالیہ کی تزئین کے لیے ہمہ قسم کی لکڑی دیار، بیاڑ، آبنوس، سیاہ شیشم، سنگ مرمر، سنگِ عیسیٰ، سنگِ موسیٰ، سنگِ مریم دور دراز علاقوں ہندوستان، کابل وقندھار سے یہاں پہنچے۔ جو مختلف مقام پر زیب وزینت اور حسن نصب میں دعوت نظارہ دے رہے ہیں۔ یہ سب کچھ حضرت خواجہ اللہ بخش کے کارے ہائے نمایاں کی زندہ مثال ہیں۔ اس کے علاوہ بھی آپ نے بہت سی سرائیں، اصطبل، لنگر خانے تعمیر کرائے۔ مگر اپنے والدِ گرامی حضرت خواجہ گل محمد صاحب اور خواجہ درویش محمد کے آستانہ کو خاکِ تربت کی سادگی میں رکھا۔ عارفِ باکمال کو شاید بزرگوں کی طرف سے تعمیر کی اجازت نہ تھی۔ یہ ظاہری فقر کا جلال ہے اور جدامجد کے آستانہ عالیہ میں ظاہری وباطنی فتوحات کا کمال ہے۔ اہلِ بصیرت یہ شانِ فقر وفخری سمجھتے ہیں۔

حضرت خواجہ اللہ بخش کی ولادت باسعادت ۱۲۴۱ھ میں تونسہ شریف میں ہوئی۔ یہ ذی الحجہ کا مہینہ تھا۔ آپ کے جدامجد حضرت قبلہ عالم کی بارگاہ میں مہار شریف میں تھے۔ وہاں آپ کو بشارت ملی۔ پوتے کا نام خود تجویز فرمایا۔ اللہ بخش رکھا۔ اس شہزادے کی ولادت پر جدِ امجد کو بہت مسرت وفرحت ملی۔ آپ جلد تونسہ شریف آئے اور نومولود پوتے کے درشن سے سرفراز ہوئے۔ آپ کی تاریخ ولادت ''زہے بیدار بخت'' ٹھہری۔ آپ کے بخت وتخت اور معرفت وکرامت کا شہرہ چاردانگِ عالم میں پہنچا۔

بچپن کا زمانہ ہے۔ آپ بیمار ہوئے۔ تکلیف بڑھ گئی۔ والدِ گرامی حضرت خواجہ گل محمد صاحب پریشان ہوئے۔ بظاہر صحت یاب ہوئے۔ لیکن ان کے بارے میں تشوش تھی۔ آپ نے سید جمال شاہ بیکانیری کو استخارہ کے لیے کہا۔ یہ سید صاحب پیر پٹھان متوکل علی الرحمٰن کے خلفا سے تھے۔ استخارہ میں دیکھا خواجگانِ چشت اہلِ بہشت میں خواجہ معین الدین، قطب الدین، فرید الدین، نظام الدین، فخر الدین اجمعین اور قبلہ عالم نور مہاروی موجود ہیں۔ ایک بزرگ نے خواجہ اللہ بخش کا ہاتھ پکڑا، اور جدّ امجد کے سجادہ (مصلّٰی) پر بٹھادیا۔ اور سبز رنگ کی دستار بندھوادی۔ سید صاحب نے استخارہ کا حال جب ذکر فرمایا۔ حضرت گل محمد صاحب، خوش ہوئے اب میرے لختِ جگر نورِ نظر کو ضرور شفاعت ہوگی۔ اور جدامجد کے مصلّٰی پر سجادگی کا راز بھی کھل گیا۔ حضرت خواجہ گل محمد صاحب والدِ گرامی کی حین وحیات میں گیارہ رمضان المبارک ۱۲۶۰ھ میں وصال فرمایا۔ اور پیر پٹھاں خواجہ محمد سلیمان کے وصال ۱۲۶۷ھ کے بعد آپ کے سجادہ نشیں ثانی کریم خواجہ اللہ بخش ہوئے۔ صاحبزادہ خواجہ اللہ بخش کی تعلیم وتربیت جس گھرانے میں ہوئی وہ معرفت وکرامت کا گہوارہ تھا۔ والدِ گرامی جدامجد کے مرید وخلیفہ اور فرزندار جمند تھے۔ جدِ امجد کی خدمت ونیابت اور بے حد شفقت محتاج تعارف نہیں۔ والدِ گرامی کے وصال کے بعد یہ شفقت ورحمت اور بڑھ گئی۔ آخری عمر میں اپنی ''دلائل الخیرات'' کے وظیفہ پڑھنے کا حکم اور مریدین کے سلسلوں پر دستخط کرنے کا حکم صادر فرمایا۔

بوقت وصال عطائے نعمت کا عجب واسطہ تھا۔ آپ چارپائی پر لیٹے ہوئے تھے پوتا اللہ بخش پائنتی کی طرف بیٹھے

دادے جان کا شاید آخری دیدارِ جمال پر انوار کر رہے تھے۔ پوچھا تو کون ہے؟ میاں صالح محمد نے عرض کیا یہ آپ کے بیٹے حضرت گل محمد کا شہزادہ اللہ بخش ہے اس پر توجہ فرمائیں۔

دادے جان نے پوچھا:

''اللہ بخش کیا چاہتے ہو''۔

عرض کیا آپ کے غلاموں کے جوتے سیدھے کروں یہ بات دادے جان کو پسند آئی۔ فرمایا ''ونفخت فیہ من روحی''

توجہ: میں نے اپنی روح اس میں پھونک دی''

یہ مرشد کامل با کمال کا آخری کلام اور عطائے نعمت کا عظیم پیغام تھا۔ جس نے خواجہ اللہ بخش کو ثانی کریم کے لقب سے نوازا، ظاہری و باطنی فتوحات سے سرفراز فرمایا۔ شاہزادگی کی شان وشوکت فقر و درویشی کا نمونہ بن گئی۔ پیر و مرشد کے آستانہ عالیہ کو اس طرح بنایا اور سجایا جو اہلِ عقیدت محبت کے لیے روحانیت و معرفت کا سرمایہ بنا۔ اہلِ تصوف کے روحانی رسوم محفلِ حال وسماع، ظاہری باطنی غذا کے لیے مرجع خلائق بنا۔ خانقاہِ عالیہ سلیمانیہ کے نظائرِ حُسنِ انتظام، شریعت و طریقت کا اہتمام، اذان ونماز، عرس شریف کے موقع کا پروگرام مخصوص پابندیوں کے ساتھ منعقد ہوتا ہے۔ جس میں پڑھنے اور سُننے والوں کے لیے خاص آداب کا لحاظ رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ جس میں عورتوں، ناسمجھ بچوں کی حاضری مفقود ہوتی ہے۔

یہ بات قابلِ بیاں نہیں بل کہ قابلِ عیاں ہے۔ زائرین حاضرین کا ذوق وشوق ومحبت حاظری سے معلوم ہوتا ہے۔ درگاہِ عالیہ سلیمانیہ میں روضہ شریف کے اندر عورتوں کا داخلہ ممنوع ہے۔ جو صرف خانقاہ کے دروازہ چوکھٹ مغرب و مشرق کی سنگ مرمر کی خوبصورت جالیوں سے دیدار و زیارت کر سکتی ہیں۔ روضہ شریف کے اندر ننگے سر جانا منع ہے۔ خانقاہ یا مسجد شریف میں کہیں بھی رقم کے لیے غلہ کا صندوق نہیں ہے۔ مسجد عالیہ سلیمانیہ، خانقاہِ عالیہ، لنگر سلیمانیہ کا سارا انتظام سجادہ نشین درگاہِ عالیہ کی صواب دید پر منحصر ہے۔ جو احسن طریق سے اپنی ذمہ داریوں سے سبک دوش ہوتے ہیں۔

اولیاءِ چشت کی خانقاہوں پر حاضری حضرت خواجہ اللہ بخش کا معمول تھا۔ ۱۲۷۰ھ میں آپ نے مہار شریف، پاکپتن شریف، دہلی شریف، ناگور، اجمیر شریف میں حاضری دی۔ ہندوستان کے بے شمار لوگ آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے۔ اولیاءِ چشت اہلِ بہشت کی اولاد سے بھی بہت لوگوں نے آپ سے بیعت کی۔ دہلی کا بادشاہ بہادر شاہ ظفر آپ کی زیارت کے لیے حاضر ہوا۔ دوسرے علاقوں کے نواب آپ کی قدم بوسی سے مشرف ہوئے۔

نہ تخت و تاج نہ لشکر و سپاہ میں ہے
جو بات مردِ قلندر کی بارگاہ میں ہے

۱۲۹۹ھ میں آپ نے سفرِ حج فرمایا۔ ممبئی سے بحری جہاز پر عازم سفر ہوئے۔ اس سفر میں آپ کے ہمراہ سو آدمی تھے۔ المکتہ المکرمہ پہنچ کر دو سو آدمیوں کا کھانا تیار کروایا۔ آپ کے ساتھیوں نے ایک ساتھ ایک دستر خوان پر جب کھانا کھایا تو اہلِ عرب بہ نظرِ عنایت اس منظر کو دیکھتے رہ گئے اور کہا یہ نواب یا بادشاہ ہے۔ ایک سو آدمی کا کھانا فقرا میں تقسیم کیا۔ المدینہ المنورہ پہنچے تو چالیس دن قیام فرمایا۔ اہلِ مدینہ کے فقرا و مساکین میں سخاوت سے اخراجات فرمائے۔ (غذالحبین)

اس سفر میں آپ کا مرید حاجی غلام حسین ساتھ تھا۔ جسے قطب مدار کی زیارت کا شوق تھا۔ وہ المکتہ المکرمہ میں آپ کے درویشوں کے حلقوں میں شرکت کرتا۔ قطب مدار کے لیے پوچھتا۔ ایک دن وہ کچھ درویشوں کے درمیان بیٹھا تھا۔ جو وقت قطب مدار کا ذکر کر رہے تھے۔ ہر سال روحانی طور پر قطب مدار حج پر آتا۔ اس سال جسمانی طور پر قطب مدار حج پر تشریف لایا ہے۔ حاجی غلام حسین نے کہا۔ مجھے اُن کی زیارت و ملاقات سے باریاب کرو۔ سب نے کہا ہم قطب مدار کے ڈیرے پر چلتے ہیں اور زیارت سے مشرف ہوتے ہیں۔ وہ سب خواجہ اللہ بخش کی قیام بارگاہ پر حاضر ہوئے اور کہا یہی تو قطب مدار ہے۔ حاجی غلام حسین پیر و مرشد کی زیارت کی تو آپ مسکرا دیئے۔ فرمایا: قطب مدار کو تلاش کر لیا ہے۔ غلام شرمسار ہوا، اور اپنی قسمت پہ رشک کیا کہ ہمارا مرشد اتنا باکمال اور وقت کا قطب مدار ہے۔

نہ پوچھ اُن خرقہ پوشوں کی ارادت ہو تو دیکھ اُن کو
ید بیضا لیے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں

آپ ۲۷ محرم ۱۳۰۰ھ میں سفرِ حج سے واپس تونسہ شریف میں رونق افروز ہوئے۔ آپ نماز با جماعت مسجد میں ادا فرماتے۔ نوافل درگاہ عالیہ سلیمانیہ کے سامنے جنوبی دیوار کے عبادت خانہ میں ادا فرماتے۔ دیگر ورد وظائف بھی عبادت خانہ کی خلوت میں ادا رماتے۔

دل میں ہو یاد تیری گوشۂ تنہائی ہو
پھر تو خلوت میں عجب انجمن آرائی ہو

نمازِ عشاء دیر سے مستحب وقت میں بارہ بجے ادا فرماتے۔ بے شمار اہلِ حاجت آتے اور مرادیں پاتے۔ کتنے لوگ شرفِ بیعت سے فیض یاب ہوتے۔ تشنہ گانِ معرفت سیراب معرفت ہوتے۔ کتنے لوگوں کو آپ نے اہلیتِ خلافت دیکھ کر اجابتِ خلافت بخشی۔ جن کے آستانے آج بھی آباد اور پُر رونق ہیں۔ حضرت خواجہ اللہ بخش کی تعمیرات آج بھی اپنی مظبوطی، خوبصورتی، ترتیب و تزئین میں آنے والوں کو دعوتِ نظارہ دے رہی ہیں۔ اہلِ محبت و عقیدت کے لیے روحانی سرمایہ ہیں اور سیاحوں کے لیے نظر و فکر کا عجائب خانہ۔

آپ کی آلِ اطہار میں تین فرزند خواجہ حافظ محمد موسیٰؒ، خواجہ حافظ محمودؒ، خواجہ حافظ احمدؒ ہیں۔ آپ کے مسند نشین

خواجہ حافظ محمد موسیٰ صاحب ہوئے۔ آپ کا وصال ۲۹ جمادی الاول ۱۳۱۹ کو ہوا۔ مزار پُر انور روضہ مقدسہ میں مشرقی جنوبی دیوار کے ساتھ موجود ہے۔ جو زیارت گاہِ خاص و عام ہے۔

حِین عُمرُ مسجداً اللہ بخش
مُرشد الافاقِ مدّ ظِلّہٗ
غیث انعامِ غیاث العالم
اِنّ تائید الشریعۃ فعِلہٗ

مِثلہٗ فی المُصحفِ مُعجزہٗ
حین تأتی کل حینٍ اُکلہٗ

قُلتُ مَن راُس الادبِ دَارُ الحبیب
لَیس فی الافاق وَاللہ مِثلہٗ

☆☆☆

شکردرہ کی قدیمی درسگاہ کے مسند نشین

محمد سعید قادری ☆

دنیا میں نہ جانے کتنے لوگ آئے اور اپنی زندگی گزار کر اس دُنیا سے رخصت ہو گئے۔ آج انھیں جانتا تک کوئی نہیں۔ مگر کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو اس جہانِ فانی سے کوچ تو کر جاتے ہیں مگر وہ ایسے اَن مِٹ نقوش چھوڑ جاتے ہیں کہ رہتی دنیا تک زندہ رہتے ہیں۔ ان کی زیست کا لمحہ لمحہ لافانی یاد بن جاتا ہے۔ انھی نابغۂ روزگار ہستیوں میں سے ایک قاسمِ فیضانِ قرآن، استاد العلما حضرت قبلہ عالم مولانا حافظ فضل الدینؒ ہیں۔

هيهات لاياتي الزمان بمثله ان الزمان بمثله لبخيل

افسوس! زمانہ ان جیسی شخصیات نہیں لائے گا۔ بے شک زمانہ ان جیسی شخصیات لانے میں بڑا بخیل ہے۔

آپ کا آبائی گاؤں دومیل (تحصیل جنڈ۔ اٹک) تھا۔ آپ کی ولادت ۱۸۶۰ء کے بعد ایک مذہبی و علمی گھرانے میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم اور حفظِ قرآن کے بعد آپ نے اٹھارہویں صدی کے اواخر میں دومیل کو خیرآباد کہہ کر اٹک شہر کے ساتھ (بسال۔ جنڈ) روڈ پر جانبِ شمال واقع شکردرہ گاؤں میں سکونت اختیار کر لی۔ آپ نے شکردرہ کی قدیم جامع مسجد میں ایک عظیم درسگاہ کی بنیاد رکھی اور مسندِ تدریس پر متمکن ہوئے۔ مدتِ قلیل میں اس عظیم درسگاہ کا شہرہ پورے ضلع اٹک میں ہونے لگا اور دور دراز علاقوں سے نونہالانِ امتِ محمدیہ اُس درسگاہ میں آکر اپنے سینوں میں قرآن کا نور محفوظ کرنے لگے۔ سرزمین شکردرہ کی قسمت کا ستارہ آسمان کی بلندیوں کو چھونے لگا کہ اللہ رب العالمین نے اس سرزمینِ شکردرہ کو قرآنِ مجید سیکھنے والوں کی آمد و رفت سے آباد فرما دیا۔

ضلع اٹک تحصیل حضرو کی معروف خانقاہ دریائے رحمت شریف کے چشم و چراغ منبعِ ولایت، گلِ گلشنِ حضرت بابا حضرت محمد جی دریائیؒ حضرت قبلہ صاحبزادہ حافظ عبدالغفورؒ نے بھی اسی عظیم درسگاہ میں حاضری دے کر حضرت قبلہ حافظ فضل الدینؒ صاحب کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا اور قرآن مجید کی تکمیل کی۔ حضرت قبلہ حافظ عبدالغفور کی یہ بات معروف ہے جب کبھی شکردرہ میں اپنے استاد جی کے قدموں میں حاضری دیتے تو حدودِ شکردرہ میں داخل ہونے سے پہلے ادب کی وجہ سے اپنے نعلین اُتار لیتے کہ میرے استاد جی کا گاؤں آ گیا ہے۔

اے خدا خواہیم توفیقِ ادب
بے ادب محروم شد از فضلِ رب

شکردرہ گاؤں میں یہ مشہور ہے اور بندہ ناچیز کو گاؤں کے کافی بزرگوں نے بتایا کہ حافظ فضل الدینؒ کے پاس

☆ محلہ گلزار مدینہ، داخلی سروالہ، اٹک

انسان تو انسان جنات بھی قرآنِ مجید سیکھنے کے لیے حاضری دیتے۔ حافظ فضل الدینؒ صاحب کی ساری زندگی قرآنِ مجید کی تعلیمات کو عام کرتے گزری۔ تشنگانِ علم وحکمت کو اپنے درس وتدریس سے خوب سیراب فرماتے رہے۔ آپ اپنے عہد مبارک کے عظیم صوفی بزرگ اور زہد وتقویٰ میں کامل انسان تھے۔ آپ کی اہلیہ محترمہ جو وقت کی رابعہ بصری تھیں جن کو اللہ تعالیٰ نے چار عظیم بیٹوں سے نوازہ تھا۔ اہلِ شکر درہ اور مضافات کے لوگ مختلف بیماریوں سے شفایابی کے لیے آپ کے رحمت خانہ کا رُخ کرتے اور آپ سے فیضان حاصل کرتے۔ یوں گاؤں بھر میں حافظ فضل الدینؒ صاحب کا گھرانہ لوگوں کی توجہ کا مرکز ومحور تھا۔ آخر کار علم وفضل کا یہ آفتاب اپنی کرنوں سے ایک زمانے کو منور کرنے کے بعد ۱۹۳۰ء کے قریب ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رُوپوش ہوگیا۔ آپ کو شکر درہ کے قبرستان میں سپردِ خاک کیا گیا۔

آئے عشاق گئے وعدۂ فردا لے کر　　　اب انھیں ڈھونڈ چراغِ رُخِ زیبا لے کر

استاد الحفاظ حافظ منظور حسینؒ:

سرزمینِ شکر درہ کا عظیم استاد حافظ فضل الدینؒ شکر دروی کے گلشن کا مہکتا پھول عاشقِ قرآن حافظ منظور حسینؒ (عرف بڑے استاد جی) کی ولادت باسعادت اٹھارہوں صدی کے اواخر میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم اور حفظِ قرآن اپنے عظیم والد قبلہ حافظ فضل الدینؒ صاحب سے کیا اور فارسی زبان میں بھی دسترس حاصل کی۔ جب آپ کے والد قبلہ حافظ فضل الدینؒ صاحب کی وفات ہوئی تو آپ کے سب سے بڑے بیٹے حافظ منظور حسینؒ صاحب اپنے والد کی مسندِ تدریس پر متمکن ہوئے۔ آپ نے اپنے والدِ محترم کے عظیم مشن کو بڑی محنت لگن اور شوق کے ساتھ پروان چڑھایا کہ اس درسگاہ کا ضلع اٹک کے علاوہ دوسرے شہروں میں بھی طوطی بولنے لگا۔ اٹک میانوالی، تلہ گنگ سے طالبِ علم قرآنِ مجید حفظ کرنے کے لیے سرزمینِ شکر درہ کی اس عظیم درسگاہ میں داخلہ لینے لگے۔ گاؤں کے بچے بھی اس عظیم درسگاہ سے فیضاب ہوتے۔ استاد حافظ منظور حسین گاؤں اور گردونواح میں بڑے استاد جی کے لقب سے معروف ہوئے۔

استاد جی صبح سحری کے وقت مسجد آتے اور رات گئے تک مسجد ہی میں رہتے اور بچوں کو قرآنِ مجید پڑھاتے آپ اس قدر پختہ حافظِ قرآن تھے۔ کہ اکثر اوقات دو دو طلبا کا اکٹھا سبق سماعت فرماتے اور دونوں کو ان کی غلطیوں سے آگاہ فرماتے۔ حسنِ باطنی کے ساتھ ظاہری حسن وجمال سے بھی نوازے گئے۔ نورانی چہرہ، کشادہ پیشانی اور سینہ نورِ قرآنی سے روشن تر تھا۔ جب آپ مسجد سے دن کے اوقات میں باہر نکلتے تو گلی میں مردوزن ادب اور آپ کے جلال کی وجہ سے راستہ چھوڑ دیتے کہ بڑے استاد جی آرہے ہیں۔

بنی آدم از علم یابد کمال نہ از حشمت وجاہ و مال ومنال

صدری روایت سے یہ بات معلوم ہوئی کہ ایک مرتبہ کسی علاقے سے کوئی حافظ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے اپنا حافظ ہونا ظاہر نہ کیا بل کہ طالب علم بن کر درسگاہ میں رہنے لگا۔ دراصل اس کا مقصد استاد جی کے طریقہ تدریس کو چیک کرنا تھا اور یہ دیکھنا تھا کہ استاد جی کس پایہ کے حافظ ہیں۔ چند دن کے بعد اس نے طلبا کو بتایا کہ آپ کے استاد قرآن کے حافظ نہیں بل کہ قرآن کے عاشق ہیں۔ شکردرہ کی اس عظیم علمی درسگاہ کا فیضان دور دور تک پہنچا۔ جس کا اندازہ ذیل کے چند واقعات سے لگایا جاسکتا ہے۔

ہمارے علاقہ کی موجودہ مذہبی شخصیت حضرت علامہ قاری محمد سفیر احمد قادری نے بندۂ ناچیز کو بتایا کہ تقریباً ۲۰۱۳ء کی بات ہے کہ ہم شادی کے موقع پر بارات کے ساتھ ٹمن ملتان خورد (تلہ گنگ) کی طرف گئے تو وہاں جب نمازِ ظہر کا وقت ہوا تو ہم قریبی مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے گئے تو مسجد کے ضعیف العمر امام جن کے چہرے پر تقویٰ و پرہیز گاری کا نور چمک رہا تھا ان سے ملاقات ہوئی۔ پوچھنے پر میں نے بتایا کہ ہم شکردرہ سے آئے ہیں تو وہ دوبارہ میرے ساتھ بغل گیر ہوئے اور فرمایا میں شکردرہ میں استاد منظور حسین صاحب کا شاگرد ہوں۔ بچپن میں ان کے پاس قرآن حفظ کیا تھا۔ اور کافی دیر اپنے دورِ طالب علمی سے وابستہ یادوں سے ہمیں بھی اور خود کو بھی محظوظ کرتے رہے۔

ہمارے گاؤں کی علمی شخصیت قاری محمد سعید منتظم مدرسہ محمدیہ شکردرہ نے بھی بندہ ناچیز کو بتایا کہ ایک مرتبہ ہمارے شکردرہ کے دو آدمی میانوالی میں گندم کا بھوسہ لینے کے لیے گئے تو وہاں میانوالی میں ایک عظیم انسان سے ان کا آمنا سامنا ہوا تو اس نے ان دونوں کو دیکھتے ہی کہا (اوئے میڈے چاچے نے پترو) یہ تھوڑا سہم گئے کہ ہمارے ساتھ کوئی واردات نہ ہوجائے اس نے دوبارہ یہی الفاظ دوہرائے تو انھوں نے کہا ہم آپ کو نہیں جانتے آپ ہمیں کیسے جانتے ہیں۔ تو اس شخص نے کہا میں بچپن میں آپ کے گاؤں شکردرہ میں استاد حافظ منظور حسین کے پاس پڑھتا رہا اور آپ کے گھر سے روٹی مانگ کر لاتا اس وقت آپ کا بچپن تھا میں نے آپ کو پہچان لیا پھر اس نے اپنے ان دونوں مہمانوں کی خوب تواضع کی اور بھوسہ بھی لے کر دیا۔ قیمت بھی نہ لی اس وجہ سے کہ آپ میرے استاد جی کے گاؤں سے آئے ہیں۔

یہ بات ہر طرف مشہور تھی کہ جس نے قرآن حفظ کرنا ہے وہ شکردرہ کی درسگاہ میں چلا جائے۔ استاد حافظ منظور حسین صاحب جنھوں نے ساری زندگی قرآن کی خدمت کی اللہ تعالیٰ نے اس خدمت کے طفیل آپ پر اتنی کرم نوازی فرمائی ہوئی تھی کہ شکردرہ گاؤں کی اکثر آبادی آپ کی مقروض تھی۔ مشکل اوقات میں گاؤں کے افراد آپ کے باب السخا پر دستک دیتے۔

یہ بات شکردرہ گاؤں کی علمی وروحانی شخصیت حضرت علامہ حافظ غلام فرید چشتی صاحب زید شرفہ جنھوں نے استاد منظور حسین صاحب کے پاس قرآنِ مجید کے دو پارے حفظ کیے آپ کی وفات کے بعد آپ کے چھوٹے بھائی

مولانا حافظ شرف الدین صاحب کے پاس قرآنِ مجید کی تکمیل کی نے بندہ ناچیز کو بتایا کہ جب ۱۹۶۵ء کی جنگ کا زمانہ تھا تو حکومتی حکم نامہ جاری ہوا کہ رات کے وقت کوئی بھی گھروں، گلی کوچوں میں روشنی نہ کرے۔ پیغام پہنچانے والی سرکاری ٹیم قبلہ استاد جی کے پاس بھی حاضر ہوئی کہ قبلہ آپ رات کو درس گاہ میں روشنی نہ کیا کریں تو استاد جی نے فرمایا کہ رات کو طلبا قرآنِ مجید کی تلاوت کرتے ہیں۔ لہٰذا روشنی کے بغیر گزارہ نہیں اور ان شاء اللہ آپ بے فکر رہیں اٹک پر حملہ بھی نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے اس عاشق قرآن کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ کو پورا کیا اور دشمن کو شکست فاش ہوئی۔

گفتہ او گفتہ اللہ بود　　　گر چہ از حلقوم عبداللہ بود

ساری زندگی قرآن کا نور گھر گھر پہنچانے والا قرآن سے عشق کرنے والا لوگوں کے دلوں کی ویران وادیوں کو قرآن کے نور سے آباد کرنے والا آخر اپنے رب کریم کے اس فرمان "کل نفس ذائقه الموت" پر لبیک کہتا ہوں اور اپنے خالق و مالک کی طرف سے یہ مژدہ جانفزا سنتا ہوا کہ

یا یتھا النفس المطمئنة. ارجعی الی ربک راضیة مرضیة. فادخلی فی عبدی وادخلی جنتی

اس جہاں فانی سے سینکڑوں شاگردوں کو سوگوار چھوڑ کر پورے گاؤں کو یتیم کر گیا۔

باغ باقی ہے، باغباں نہ رہا　　　اپنے پھولوں کا پاسباں نہ رہا
کارواں تو رواں رہے گا مگر　　　ہائے وہ میر کارواں نہ رہا

قاسم فیضان بابا فضل الدین، استاد العلماء علامہ حافظ محمد عظیم شکر درویؒ:

سالہاسال باید کہ تا یک مرد پیدا می شود
بایزید اندر خراساں یا اویس اندر قرن

سرزمین شکر درہ کا عظیم عالم دین حضرت بابا حافظ فضل الدینؒ حضرت علامہ حافظ محمد عظیمؒ صاحب شکر دروی کی ولادت باسعادت اس وقت ہوئی جب اٹھارویں صدی آخری ہچکیاں لے کر اختتام پذیر ہونے والی تھی اور انیسویں صدی کا استقبال کرنے کے لیے دُنیا منتظر تھی۔ آپ نے دینی و مذہبی ماحول میں پرورش پائی۔ اس عظیم ماں کے زیر سایہ تربیت پائی جو وقت کی عابدہ اور زاہدہ خاتون تھیں۔ اس عظیم باپ کے گھر پروان چڑھے جن کا شب و روز کا معمول قرآن مجید کی تلاوت تھا۔

ابتدائی تعلیم اور حفظِ قرآن اپنے والد محترم سے مکمل کیا۔ اس کے بعد درسیات پڑھنے کا سبب یہ واقعہ بنا کہ ایک مرتبہ آپ کے کسی عزیز نے فارسی میں آپ کی طرف خط ارسال کیا جب مولوی حافظ محمد عظیمؒ کو خط ملا تو اسے پڑھنے سے اپنے آپ کو قاصر پایا۔ خط لے کر بڑے بھائی حافظ منظور حسین کے پاس حاضر ہو کر عرض گزار ہوئے "ذرا یہ خط پڑھ کر سنا

دیں'' بڑے بھائی جو عاشق قرآن تھا اور وقت کا ولی تھا نصیحت کا اچھا موقع پا کر چھوٹے بھائی کو ایک جملہ کہا ''اگر کسی درس میں کچھ پڑھ لیتے تو آج یہ دن نہ دیکھنا پڑتا''

بس اللہ کے ولی کی زبان سے نکلے ہوئے یہ الفاظ تیر بن کر محمد عظیم کے دل پر پیوست ہوئے۔ آپ گھر آئے سامان لیا اور پڑھنے کے لیے کسی درس کا رُخ کر لیا۔ اتنی محنت اور لگن سے علم کے حصول کے لیے کوشش کرنے لگے کہ چار مہینے میں فارسی زبان پر اتنی دسترس ہوگئی کہ فارسی میں گھر والوں کی طرف خط لکھا۔ آپ نے علومِ متداولہ پر مکمل دسترس حاصل کی مگر علم الصرف اور علم النحو میں کوئی ان کا ثانی نہ تھا۔

علم الطب میں بھی آپ کو کمال حاصل تھا۔ مختلف مقامات سے اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کر کے تمام علوم میں مہارتِ تامہ حاصل کرنے کے بعد اپنے گاؤں شکر درہ واپس تشریف لائے۔ اپنے والدِ محترم حافظ فضل الدینؒ صاحب کی مسندِ تدریس پر متمکن ہو کر تشنگانِ علم و حکمت کو اپنے علم و فضل سے فیضیاب کرنے لگے۔ اطرف سے لوگ آپ کے پاس حاضری دے کر دینی علوم سے روشناس ہوتے۔ ۱۹۴۰ء کے عشرے میں اٹک کا یہ قصبہ علم کا مرکز گردانا جاتا اور اس کو سمرقند و بخارا کے ساتھ تشبیہ دی جاتی۔

میرے والد گرامی نے مجھے بتایا کہ میرے استادِ محترم حافظ شرف الدین (جو مولوی محمد عظیمؒ کے برادرِ اصغر تھے) نے فرمایا کہ میں بچپن میں گھر سے بھاگ کر بندیال کی درسگاہ میں چلا گیا۔ میرے بڑے بھائی مولوی محمد عظیم صاحب میری تلاش میں بندیال کے اس درس میں جا پہنچے۔ استادِ محترم طلبا کو کتب پڑھا رہے تھے آپ حلقہ درس میں شامل ہو گئے تدریس کے دوران استادِ محترم نے طلبا سے کوئی سوال کیا۔ تمام طلبا نے سکوت اختیار کیا۔ مولوی محمد عظیمؒ صاحب نے عرض کی ''میں جواب دوں'' استادِ محترم کے اشارۂ ابرو پر آپ نے درست جواب دیا تو طلبا میں سے کسی نے مولوی محمد عظیمؒ صاحب پر سوال کیا آپ نے اس کا بھی جواب دیا۔ جب طلبا کا مولوی محمد عظیمؒ صاحب کے ساتھ تبادلۂ علمی ہوا تو استادِ محترم فرمانے لگے آپ شکر درہ کے مولوی محمد عظیمؒ تو نہیں ہیں۔ آپ نے کہا جی میں محمد عظیمؒ ہوں استادِ محترم اپنی مسند سے اُٹھ کھڑے ہوئے اور آپ کے ساتھ بغل گیر ہوئے۔ خوشی کا اظہار فرمایا کہ آج ہمارے اندر شکر درہ کی عظیم علمی شخصیت مولوی محمد عظیمؒ صاحب جلوہ افروز ہیں۔

قبلہ والدِ گرامی زیدہ مجدہ نے بتایا کہ ایک مرتبہ مٹھیال چوک اٹک سے میں اٹک کی طرف آ رہا تھا۔ تو وہاں پر حضرت علامہ مولوی محمد فتح دین گولڑویؒ (ملتان) سے ملاقات ہوئی آپ نے مجھ سے پوچھا کہاں کے رہنے والے ہیں تو والدِ گرامی نے فرمایا میں شکر درہ کا رہنے والا ہوں؛ مولوی صاحب فرمانے لگے شکر درہ میں مولوی محمد عظیمؒ تھے۔ اب بھی زندہ ہیں یا فوت ہو گئے تو والد صاحب فرمانے لگے وہ فوت ہو گئے ہیں تو مولوی صاحب نے بتایا کہ میں ان کا شاگرد ہوں شکر درہ میں ان کے پاس پڑھتا رہا۔

ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ سرزمینِ شکردرہ کے اس اسم با مسمیٰ علمی شخصیت کا چرچا اور اس کا فیضان کہاں کہاں تک پہنچا ہوا تھا۔ مولوی محمد عظیم صاحب کو کتابوں سے جنون کی حد تک محبت تھی آپ کے کتب خانہ میں دہلی، لکھنو، کانپور اور بریلی شریف کے مکتبوں سے چھپی ہوئی مختلف موضوعات پر سینکڑوں کتب موجود تھیں۔ چوں کہ آپ کا طب کے ساتھ بھی گہرا لگاؤ تھا۔ طب پر بھی کافی کتب و رسائل موجود تھے۔ آپ ایک عظیم عالم ہونے کے ساتھ ساتھ ایک کامل حکیم بھی تھے۔ لوگ دور دراز سے مختلف جسمانی بیماریوں کے علاج کے لیے بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر فیض یاب ہوتے۔

آپ سروالہ کی قدیم جامع مسجد نورانی میں مدتِ طویل تک امامت بھی کرواتے رہے۔ ۱۹۵۳ء میں سرزمین شکردرہ کا یہ آفتاب ہمیشہ ہمیشہ کے لیے لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہوگیا۔ آپ کو شکردرہ کے قبرستان میں اپنے والدِ محترم کے قدمین میں سپردِ خاک کیا گیا۔

آپ کے وصال کے بعد آپ کا کتب خانہ تین ہزار کے عوض حضرت مولٰنا امیر الرحمٰن صاحب (بابا بام خیل صوابی) جو عالم دین اور مدرس تھے کے ہاتھ فروخت کردیا اور آپ کے کئی قلمی مسودات، حکمت کے نسخے اور علم و حکمت سے بھرپور مکاتیب کی دو بوریاں بھر کران کو بھی سپردِ خاک کردیا گیا۔ آپ کے کتب خانہ کی کچھ کتب اور چند تحریریں جس میں اوراد و وظائف، فتاویٰ اور خطوط شامل ہیں۔ قبلہ والدِ محترم کے حصہ میں بھی آئے جو آج بھی ''الفرید لائبریری'' میں موجود ہیں۔ وہ قلمی قصیدہ بھی لائبریری کی زینت ہے جو آپ نے اپنے کسی شاگرد عزیز کو اُردو میں لکھنے کا حکم دیا تھا۔ وہ قصیدہ امام شرف الدین بوصیری کا ہے (قصیدہ ہمزیہ فی مدح خیر البریہ)۔ آج آپ کی مرقد پر جب بھی حاضری ہوتی ہے تو ایک عجیب کیفیت پیدا ہوتی ہے۔

استاد الحفاظ حافظ شرف الدینؒ شکردروی:

سرزمین شکردرہ کی عظیم قدیمی درس گاہ کا آخری شاہسوار اور حضرت قبلہ حافظ فضل الدینؒ صاحب کی مسند تدریس کا آخری وارث حضرت قبلہ حافظ شرف الدینؒ شکردروی انیسویں صدی کے اوائل میں پیدا ہوئے۔ آپ بھی دینی و مذہبی ماحول میں پروان چڑھے۔ ابتدائی تعلیم اپنے گھر ہی میں حاصل کی۔ کچھ عرصہ بندیال شریف (خوشاب) میں بھی زیر تعلیم رہے۔ علم الطب سے خاص لگاؤ تھا۔

فراغتِ تعلیم کے بعد آپ نے سروالہ جامع مسجد (ملکوں والی) میں امامت کے فرائض سرانجام دینا شروع کیے اور مدتِ دراز تک دینِ اسلام کی خدمات سرانجام دیتے رہے۔ جب آپ کے دونوں بڑے بھائی حافظ منظور حسینؒ اور علامہ حافظ محمد عظیمؒ نے اس جہانِ فانی سے پردہ فرمایا تو ۱۹۶۶ء میں آپ اپنے والد اور بڑے بھائیوں کی مسند تدریس پر جلوہ

افروز ہوئے۔ طغلانِ شکر درہ اور گردونواح سے آنے والے طلبا کے قلوب کو قرآنِ مجید کے نور سے منور کرنے لگے۔ آپ کا بھی معمول اپنے بڑے بھائیوں کی طرح تھا۔ صبح مسجد جاتے اور رات کو واپس آتے۔ سارا دن طلبا کو قرآن مجید پڑھاتے اور فارغ اوقات مسجد ہی میں گزارتے۔

آپ کو اللہ تعالیٰ نے توکل کی عظیم نعمت سے نوازہ تھا۔ بڑے نفیس الطبع شخصیت کے حامل تھے۔ دراز قد، کشادہ جبیں، گھنی داڑھی، چہرے سے زہد و ورع اور تدریس قرآن کا نور عیاں تھا۔ سادہ مگر صاف ستھرا لباس زیب تن فرماتے۔ اپنی ساری زندگی اس انداز میں بسر کی جیسے کوئی چندروزہ مسافر ہوتا ہے۔۔ والدِ گرامی زید شرفہ نے جن سے قبلہ استاد محترم بڑی شفقت و محبت فرمایا کرتے تھے۔ استادِ محترمؒ کے حالات و واقعات سے آگاہی دیتے ہوئے ارشاد فرمایا! کہ ہمارے استاد محترم نے ''اچھا کھایا، اچھا پایا، خوب رَب کو منایا اور اس دُنیا میں کچھ نہ بنایا'' استادِ محترم کی طرزِ زندگی کا مشاہدہ کرنے والا اس بات کی گواہی دے گا کہ واقعی آپ نے اسلاف کی پیروی میں زندگی گزاری۔

آپ کے پاس مختلف بیماریوں کی تشخیص اور ان کے علاج کے لیے بھی دور دراز سے لوگ آتے۔ بیماریوں سے شفایاب ہوتے۔ علامہ قاری سفیر احمد قادری نے بتایا کہ ایک مرتبہ قبلہ استاد جی کے پاس ایک سرکاری گاڑی میں تین چار آدمی حاضر ہوئے۔ ان میں سے ایک نے عرض کی میرے ہاں اولاد نہیں ہو رہی، دوا چاہیے۔ آپ نے اس کی نبض دیکھی۔ پھر دوا کو کاغذ کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں بند کرنے لگے۔ وہ بھی اس دوا کو ان کاغذوں میں لپیٹنے لگا۔ آپ نے یہ فرما کر اُسے اس عمل سے روک دیا کہ آپ تو صرف بند کریں گے۔ میں کچھ پڑھ کر بند کروں گا۔ یعنی دوا کے ساتھ دُعا بھی کروں گا۔ وہ آدمی دوا لے کر چلا گیا۔ سال کے بعد وہ بڑے تحائف کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور خوشخبری سنائی کہ مجھے اللہ نے اولاد کی نعمتِ عظمیٰ سے سرفراز کیا ہے۔

علامہ مفتی ریاض الدینؒ صاحب کے برادرِ اصغر قبلہ ملک عبدالرحمٰن (لنگر، تحصیل جنڈ) کے ہاں اولاد نہ تھی تو قبلہ قاری سفیر احمد قادری نے انھیں مشورہ دیا کہ آپ قبلہ حافظ شرف الدین کی خدمت میں حاضری دیں تو وہ بھی استاد جی کے پاس حاضر ہو کر دوائی لی اور اللہ نے کرم فرمایا اور ساتھ اولاد جیسی نعمت سے بھی نوازہ۔

آپ نے ساری زندگی دینِ اسلام اور قرآن مجید کی تعلیم کو عام کرنے میں بسر کی۔ آپ سے کئی بڑے بڑے علمائے کرام نے قرآن مجید حفظ کیا۔ حافظ شرف الدین صاحبؒ اکثر یہ دُعا فرماتے کہ یا اللہ جب موت آئے تو میری کوئی فرض نماز قضا نہ ہو، بچوں کا سبق قضا نہ ہو اور مجھے کسی کا محتاج نہ کرنا۔

آنچہ او خواہد خدا خواہد چنیں　　　می دہد یزداں مرادِ متقین

اللہ تعالیٰ نے اس مردِ درویش کی یہ تینوں خواہشیں پوری فرمائیں۔ آپ نے نمازِ عشاء ادا فرمائی اور معمول کے مطابق طلبا کو پڑھا کر مسجد ہی میں آرام کے لیے سو گئے۔ صبح جب تہجد کا وقت ہوا تو مؤذن آپ کو جگانے کے لیے کمرے

میں داخل ہوا آواز دی۔ کوئی جواب نہ آیا جب قریب ہوا تو دیکھا کہ استاد جی قبلہ رُخ ہو کر اعضا سیدھے کیے ہوئے ابدی نیند سوئے رہے ہیں۔ ۶۔ جنوری ۱۹۸۲ء کا دن تھا جب اس مرد درویش اور شکر درہ کی قدیمی درسگاہ کے مسند نشین نے اس جہان فانی سے دار البقار کی طرف ہجرت کی۔ آپ کو شکر درہ کے قبرستان میں سپرد خاک کیا گیا۔

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

☆☆☆☆

نصابِ روحانیت۔ قابلِ توجہ اُمور

سراج الدین امجد ☆

روحانیت کے مضمون کو نصاب کا حصہ بنانے کے حکومتی اعلان پر ملا جلا ردِ عمل قرینِ فہم ہے۔ کچھ طبقات نے تحسین کی ہے تو کچھ حلقے روایتی طعن و تشنیع میں اُلجھے ہوئے ہیں۔ یہ سب کچھ غیر متوقع نہیں کیوں کہ جس معاشرے میں علم وحکمت اور تجدیدِ دین کے عنوان سے جملہ حقوق اپنے نام سمجھنے والے مفکرین اگر تصوف و روحانیت کو "متوازی دین" قرار دیتے ہوں۔ نیز خانقاہ و مزار سے وابستہ لوگ استخواں فروشی اور استحصال دینی کے نمونے بن جائیں۔ اور درگاہیں خرافات و رسومات کا ایک جہاں آباد کیے ہوں۔ تو روحانیت کے نام پر انتہا پسندانہ اور یک رُخا ردِ عمل خلافِ قیاس نہیں۔ تاہم کچھ پڑھے لکھے احباب کی آراء سن پڑھ کر زیادہ مایوسی ہوئی کہ بنیادی مقدمات ہی درست نہیں۔ حکومتی پالیسی کے حسن وقبح اور پسِ پردہ محرکات پر بحث کیے بغیر ہم اصل مسئلہ کے بارے چند نکات پر غور کر لیں تو شاید کچھ سوالات کا جواب مل جائے اور ہیجان خیز ردِ عمل کی نفسیات سے مغلوب ہونے کی بجائے ہم کسی تعمیری سرگرمی کا حصہ بن سکیں۔

۱۔ جب بھی تصوف کو نصاب کا حصہ بنانے کی بات ہوئی یہ ناچیز اپنے احباب اور حلقہ تعلق میں ہمیشہ اس کا مؤید رہا کیوں کہ اس کی ایک بنیادی وجہ ہمہ گیر اخلاقی ابتری کی پیش بندی ہے۔ اس سے اختلاف نہیں کہ ہم سینکڑوں مسائل میں گرفتار ہیں اور نکبت وادبار ہمارا گویا مقسوم بن چکا لیکن مِن حیث القوم ہمارا ایک بڑا مسئلہ "زوالِ اخلاق" ہے۔ تربیت تعلیم سے وابستہ ہی نہ رہی تو اخلاقی تزکیہ کا رونا کس سے روئیں۔ نہ گھر کی چار دیواری اس کی امین بنی نہ درسگاہِ علمی اس کی ضمانت دے رہی۔ لہٰذا کسی درجے میں ہی سہی روحانیت کو نصاب کا حصہ بننا چاہیے۔ کم از کم نئی نسل فکری ونظری طور پر ہی اخلاقیات کی اہمیت سے آشنا ہو۔ انسانی طبائع موعظت ونصیحت سے اثر پذیر ہوتی ہیں اور تصوف اپنے اسالیب میں گئے گزرے حالات میں بھی نتیجہ خیزی کی ضمانت دے رہا ہو تو اس سے فائدہ اٹھانا چاہیے ہاں برتنے کا سلیقہ ہونا چاہیے۔

۲۔ دوسرا سوال یہ ہے کہ نصابِ روحانیت میں کونسی کتب شامل ہوں۔ مقصدِ تعلیم سے آگہی ہو تو یہ بھی کوئی دقیق مبحث یا لاینحل مسئلہ نہیں۔ روحانیت سے ہم تو تزکیہ و احسان ہی مراد لیتے ہیں۔ ایسا طرزِ عمل جس میں عبادات و معاملات سے لے کر معیشت و معاشرت تک سنور جائیں۔ گویا روحانیتِ اسلام اخلاقِ محمدی کی تربیت کا ہی دوسرا نام ہے۔ رہا اسرار طریقت کی دقیقہ شناسیوں اور فلسفہ ہائے وجود و شہود کی نکتہ آفرینیوں کا مسئلہ تو نہ وہ عامۃ الناس کے لیے مطلوب ہے اور نہ کسی درجے میں مقصود۔ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ شیخ سعدی کی "گلستان و بوستان" دراصل انھی عملی مقاصد کی تکمیل کے لیے

☆ محقق ونثر نگار، اسلام آباد

نصاب مدارس کا حصہ رہی ہیں؛ گو بعد میں فارسی زباندانی تک محدود ہو گئی۔

رہا یہ سوال کہ نصاب میں اب کیا شامل ہو۔ تو عرض ہے کہ پوری پوری کتابیں نہ متقدمین کی ضرورت ہیں نہ متاخرین کی۔ بلکہ باقاعدہ ایک نصاب مدون کرنے کی ضرورت ہے۔ مدونین نصاب کے لیے موزوں یہی ہے کہ اُمہات کتبِ تصوف کو ہی مدار بنایا جائے تا کہ اصل سرچشمۂ خیر سے برکات سمیٹی جائیں۔ نصاب اگر جدید دور کے تقاضوں کے مطابق بنانا ہے تو متقدمین، متوسطین، متاخرین اور دورِ جدید کے صوفیہ کرام کے افکار و تعلیمات پر مشتمل ہوں تو زیادہ بہتر ہے۔ اہم کتبِ تصوف سے عموماً مراد ابونصر سراج طوسی کی کتاب اللمع، ابو طالب مکی کی قوت القلوب، ابوالقاسم قشیری کا رسالہ قشیریہ، شیخ علی بن عثمان الھجویری کی کشف المحجوب، امام غزالی کی کیمیائے سعادت، شیخ عبدالقادر جیلانی کی فتوح الغیب، شیخ شہاب الدین سہروردی کی عوارف المعارف اور شیخ ابن عطاء اللہ سکندری کی اِکمال الشیم معروف و مشہور ہیں۔ ترکِ رذائل کے لیے یہ کتب اِکسیر ہیں۔

انسان دوستی اور بین المذاہب ہم آہنگی کے لیے پاک و ہند کے چشتی صوفیہ کی تعلمیات بڑی موثر ہیں۔ نیز رومی و جامی اور سعدی و حافظ کی شاعری سے بھی اقتباسات لیے جا سکتے ہیں۔ مملکتِ خداداد پاکستان میں امن و آشتی اور اخوت باہمی کا پرچار کرنے کے لیے صوفی شعرا مثلاً سچل سرمست، شاہ عبداللطیف بھٹائی، حضرت سلطان باہو، بابا بلھے شاہ، خواجہ غلام فرید، میاں محمد بخش کا کلام سوغات سے کم نہیں۔ تصوف کے جدید نمائندگان میں حضرت واصف علی واصف، باباجی عرفان الحق، پروفیسر محمود علی انجم، پروفیسر احمد رفیق اختر، سید سرفراز شاہ، عبداللہ بھٹی کی کتب سے بھی استفادہ کرنا چاہیے۔ نصابی تشکیل میں جناب احمد جاوید، پیرزادہ ذوالفقار نقشبندی، محمد موسیٰ بھٹو اور پروفیسر محمود علی انجم صاحبان ایسے عملی صوفیہ کرام اور صاحبانِ مشاہدہ و بصیرت کی مشاورت نہایت کارآمد ہوگی۔

۳۔ کچھ لوگوں کی رائے میں موجودہ دور میں تصوف اور اس کے گوناگوں مظاہر ایک طرف خرافات و بدعات سے آلودہ ہیں تو دوسری طرف اباحیت زدگی اور وحدتِ اَدیان ایسی سامراجی سازشوں کا من پسند موضوع لہٰذا اس سے اجتناب کیا جائے۔ اس خدشہ کا جواب یہ ہے کہ مغربی فکر سے مستعیر دینی تعبیرات تو تصوف بیزار حلقوں کا طرۂ امتیاز ہیں لہٰذا اصل مسئلہ تصوف کا نہیں۔ گو ہمیں کلیتاً اتفاق ہے کہ اسے مقامی آلائشوں سے پاک مثالی طرزِ عمل میں ہی ڈھلنا چاہیے۔ رہیں بیرونی سازشیں تو مغربی ایجنڈے کی ترویج بذریعہ تصوف قبول ہے نہ تجدید و اجتہاد کے نام پر!

۴۔ کچھ لوگوں کے خیال میں جدید تصورِ ریاست تصوف سے ہم آہنگ نہیں۔ لہٰذا تعلیماتِ تصوف ریاستی سطح پر کیسے بروئے کار لائی جا سکتی ہیں۔ یہ بھی خلطِ مبحث ہے۔ بنی نوعِ انسان کے مسائل اسی حرص و آز کے عفریت کی تباہ کاریاں ہیں تصوف جن کا توڑ کرتا ہے۔ لہٰذا انسان دوستی، جمہوریت اور بہت سارے نظاموں کو برتنے والے اگر اس سرچشمہ خیر سے کچھ حاصل کر لیں تو کوئی حرج نہیں۔ اسلامی تصوف بھی شرفِ انسانیت، عدل و انصاف اور خدا خوفی کے جذبات ہی پیدا

کرتا ہے۔ باقی یہ ملحوظ خاطر رہے کہ دُنیا بھر میں اچھائی اور نیکی کی جتنی دعوت وتبلیغ بھی ہو سارے لوگ نہ اچھے ہو سکتے ہیں نہ ہی اس کائنات رنگ و بو میں ممکن۔ ہاں اپنے حصے کی اچھائی کی ترویج ضروری ہے۔

۵۔ تصوف کے نصابِ تعلیم کا ایک علمی و تحقیقی فائدہ یہ ہوگا کہ مستقبل میں کالجز اور یونیورسٹیز میں اس مضمون میں اعلیٰ تحقیقی کام کے راستے کھلیں گے۔ مُتونِ تصوف اور مخطوطات پر کام سے ہمیں بزرگانِ دین کے افکارِ عالیہ کی عظمتوں سے شناسائی ہوگی۔ ایسی علمی سرگرمی مغربی تہذیب کے غلبے کا تریاق بھی ہو سکتی ہے۔

۶۔ تصوف بالخصوص پاک و ہند کے مزاجِ تصوف میں مجبور و مقہور انسانیت اور بے آسرا لوگوں کے جسمانی و روحانی عوارض کا علاج بھی اہم گوشہ رہا ہے۔ جس میں خدا ترس اور نیک لوگوں نے بڑی خدمت بھی کی ہے گو جعلی پیروں اور ڈھونگی عاملین کی تباہ کاریاں بھی کم نہیں۔ تاہم ارتکازِ توجہ، یکسوئی اور مراقبہ سے ڈیپریشن اور کئی نفسیاتی جسمانی عوارض کا کامیاب علاج بھی ہو سکتا ہے۔ کیا ہی اچھا ہو اگر جدید نفسیاتی اصولوں کے تحت ہم اس میں مزید تحقیق و جستجو کریں تا کہ سائنسی طرز پر نتائج حاصل کر سکیں اور بڑے پیانے پر انسانیت کی خدمت ممکن ہو۔

۷۔ کچھ اربابِ فکر و نظر کا خیال ہے کہ تصوف برتنے کی چیز ہے لہٰذا نصاب اور کتب کی ضرورت نہیں۔ ایسے لوگ بھی حقیقت سے بے خبر ہیں۔ جس طرح دینِ متین کا عمل صالح پر اصرار شرعی احکام سے آگہی سے خالی نہیں بلکہ عمل والوں کے لیے شریعتِ اسلامی نے فقہ و قانون میں جزئیات تک بڑی صراحت سے بیان کی ہیں۔ اسی طرح روحانی سفر کی منازل اور مقاصد سے آشنائی کتابی علم کے بغیر کیسے ممکن ہے۔ سینکڑوں جلیل القدر مشائخ کی کتب اس بات کی غماز ہیں کہ عملی تربیت کے ساتھ ساتھ فکری و نظری طور پر مضامینِ تصوف سے شناسائی ضروری ہے۔ آج صحبتِ صالح کی کمی بھی اچھے لٹریچر سے پوری کی جا سکتی ہے۔ خواجہ نظام الدین اولیاء رحمہ اللہ کا فرمانِ عالی شان کہ جس کا کوئی مرشد نہ ہو کشف المحجوب کے مطالعہ سے اسے مرشد کامل مل جائے گا۔ لہٰذا کاملِ مرشد کی عدم موجودگی میں کتابی علم سے استفادہ پر ترغیب کی اس سے بہتر مثال کون سی ہو سکتی ہے۔

نیز یہ سب کچھ تو آج سے پانچ سو سال قبل کے حالات میں تھا۔ آج تو اس طرز کی اہمیت کہیں دو چند ہو گئی ہے۔ جب کاملین بھی مثل کبریتِ احمر ناپید ہو گئے ہیں اور پھر صحبتِ شیخ کے لیے وقت نکالنا اس سے مشکل تر۔ مشائخ نے تو اصحابِ کہف کے کتے کے واقعہ سے ایک بڑا لطیف نکتہ اخذ کیا ہے کہ صالحین کی مجالست غنیمت ہے گو مجانست نہ ہو (یعنی اشتراک جنسی نہ ہو یا طبعًا ناجنس سے معاملہ ہو)۔ تو ہم بھی یہی عرض کرتے ہیں کہ نصاب روحانیت اور علومِ روحانیت کا فروغ کسی درجے میں ہو، بہ شرطِ نیتِ صالح، اثر انگیزی دکھائے بغیر نہیں رہے گا۔ بظاہر کئی ناجنس بھی فیض سے محروم نہ رہے۔

۸۔ تصوف چوں کہ مرشد کے زیرِ تربیت تزکیۂ نفس، ذکر و فکر اور مجاہدہ و مراقبہ کا نام ہے جب کہ جدید اداروں میں

لوگ ڈگری کے لیے آتے ہیں لہٰذا کچھ لوگوں کے نزدیک سرے سے تصوف کو پڑھانا ہی غلط ہے کیوں کہ یہ فقط حصول سند کی واردات رہ جائے گی۔ یہ بھی ایک غلط فہمی ہے کیا ہمارے نصاب میں نماز، روزہ، حج اور زکوۃ کی شمولیت کا یہ مطلب لیا گیا کہ اب مساجد، گھر یا مدارسِ دینیہ میں ان پر زور نہ دیا جائے۔ عملی تربیت کے مراکز اور ہوتے ہیں اور فکری تحریک وعقلی ترغیبات کی جولانگاہیں اور۔ کیا عجب کہ فکری ونظری شناسائی بالآخر کسی متبع سنت شیخ طرقت کی بارگاہ میں لے جائے۔ کم ازکم درجے میں اس فکری آگہی کی بدولت ایسا شخص جعلی پیری مریدی کی خرافات سے تو محفوظ رہے گا۔ اور ویسے بھی روحانیت کے بنیادی عوامل تو تربیتِ اخلاق ہیں۔ فنا وبقا اور تلوین وتمکین کے مباحث نہ مطلوب ہیں نہ عامۃ الناس ان کے مکلف۔ اگر اخلاقِ محمدی کی تعلیم بنیادی انسانیت کو نکھار دے تو تصوف کے نام پر یہ سودا بُرا نہیں۔

۹۔ کچھ لوگ جدید متصوفین جیسے سرفراز شاہ صاحب، پروفیسر احمد رفیق اختر یا ان کے دیگر معاصرین کے نام پر چیں بہ جبیں ہوتے ہیں کہ یہ لوگ اچھے موٹیویشنل سپیکرز تو ہیں شریعتِ محمدیہ میں مطلوب تزکیہ واحسان کے اعلیٰ نمائندہ نہیں۔ یہ اعتراض وزنی ہونے کے باوصف مغالطہ دہ ہے کیوں کہ معیار کی خاطر کلیتاً ترک کرنا بھی معقول طرزِ عمل نہیں۔ سچی بات ہے اب ایسے لوگ بھی غنیمت ہیں کیوں کہ عوام الناس کے ذہنی ونفسیاتی مسائل کو پیشِ نظر رکھ کر جس طرح انھوں نے لوگوں کو مخاطب کیا ہے۔ اس کا ردِعمل اور عوامی پذیرائی ڈھکی چھپی نہیں۔ نیز یہ سارا کچھ گئے گزرے دور میں تصوف کے حوالے سے عمومی تشنگی اور پیاس کا غماز ہے۔ لہٰذا صحیح تصوف کے علمبرداروں کو انھیں حریف کی بجائے حلیف اور ہم خیال گرداننا چاہیے اور اپنے اسالیب میں دورِ جدید کے تقاضوں کے مطابق تبدیلیاں کرنی چاہئیں تا کہ نئی نسل متوحش ہونے کی بجائے قریب آئے۔

۱۰۔ نصابِ روحانیت میں سیرتِ مقدسہ سے اقتباس ہونے چاہئیں۔ صحابہ کرام کی زندگیوں سے سبق حاصل کرنا بھی ضروری ہے اور اس کے بعد سلف صالحین کے تذکرے ہوں۔ چوں کہ پاکستانی قوم مزاجاً تصوف سے یک گونہ مناسبت رکھتی ہے لہٰذا اخلاقی تربیت اگر اس عنوان سے ہو جائے تو کیا قباحت ہے۔

۱۱۔ نصابِ روحانیت کا ایک عمومی فائدہ نوجوان نسل میں تصوف وروحانیت کے حوالے سے گویا بیدارئ شعور کی مہم برپا کرنے کے مترادف ہے جس سے کھرے کھوٹے کی تمیز بھی ہوگی اور استحصالی قوتوں کی پسپائی بھی۔ کیا خبر یہ بیدار مغزی قوم میں سچے روحانی اسلامی انقلاب کی پیش رفت ہو۔

مضمون کا اختتام ایک ایسے شعر پر کیا ہے جو روحانیت کی معنویت کو خوب آشکار کرتا ہے۔ آپ بھی پڑھیں اور لطف اندوز ہوں۔

مباش درپئے آزار و ہر چہ خواہی کن
کہ در طریقتِ ما غیر ازیں گناہ نیست

☆☆☆☆

بوئے درماں

(کلام پیرہرات حضرت عبداللہ انصاری ؒ)

مترجم: ڈاکٹر محمد حامد

اے ز درت خستگاں را بوئے درماں آمدہ
یادِ تو بر عاشقاں را مونسِ جاں آمدہ

صد ہزاراں ہم چو موسیٰ مست در ہر گوشۂ
رَبِّ اَرِنِــــی گوشدہ دیدار جویاں آمدہ

صد ہزاراں عاشقاں سرگشتہ بینم پُر اُمید
مر سرِ کوئے غمت اللہ گویاں آمدہ

سینہ ہا بینم ز سوزِ ہجر تو بریاں شدہ
دیدہ ہا بینم ز دردِ عشق گریاں آمدہ

عاشقانت نعرۂ اَلْفَقْرُ فَخْرِی می زنند
بر سرِ کوئے ملامت پائے کوباں آمدہ

پیرِ انصار از شرابِ شوق خوردہ جرعۂ
ہم چو مجنوں گردِ عالم مست و حیراں آمدہ

منظوم ترجمہ:

خوشبوئے درماں

سب تھکے ہاروں کا ملجا اور درماں، آپ ہیں
عاشقوں کے دل کا مرہم ، مونسِ جاں، آپ ہیں

کتنے ہی موسیٰ صفت گوشوں میں بیٹھے مست ہیں
جس کی خاطر سب ہیں یاں دیدار جویاں، آپ ہیں

کتنے سینے ہجر میں ہیں آپ کے سوزش بھرے
کتنی آنکھیں جن کی خاطر سب ہیں گریاں، آپ ہیں

کس قدر عشاق ہیں اُمید باندھے آپ سے
جس کی خاطر لوگ ہیں اللہ گویاں، آپ ہیں

نعرۂ " الفقر فخری " عاشقوں کی شان ہے
کس لیے کوئے ملامت میں ہیں رقصاں، آپ ہیں

مَست ہے کس کی شرابِ شوق سے انصارِ پیر
جس لیے مجنوں ہوا ہے، کیوں ہے حیراں، آپ ہیں

☆☆☆☆

۱۔ حضرت عبداللہ انصاریؒ میزبانِ رسول حضرت ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے سلسلۂ نسب سے ہیں۔آپؒ

۳۹۶ھ میں پیدا ہوئے اور ۴۴۸ھ میں وفات پا گئے۔ آپ کی کتب میں ''طبقات الصوفیہ'' ، ''منازل السائرین'' کے علاوہ ''مناجات نامہ'' خاص اہمیت کی حامل ہیں۔ آپ "حضرت ابوالحسن خرقانی" کے مرید تھے۔ جنھوں نے آپ کو اپنا جانشین بنایا۔

☆☆☆☆

تذکرۃ المحبوب

تالیف: علامہ عبدالنبی بھوئی گاڑوی

مترجم: علامہ محمد اسلم☆

حامداً مصلیاً

ما وردِ سحر بر درِ میخانہ نہادیم
اوقاتِ دُعا بر دَرِ جانانہ نہادیم

این کتاب مسمی تذکرۃ المحبوب کہ مشحون است بہ مناقبِ قدوۃ العارفین فخرالعاشقین فرد المحبوبین شیخ المشائخ حضرت خواجہ زین الحق والدین مکھڈی قدس اللہ سرہ العزیز ۱۳۰۶[ھ] سیزدہ صدو شش از ہجری تلذذاً بہ تذکرۃ مؤلف گردید۔ الحمد اللہ

بہ نستعین

رب یسر بسم اللہ الرحمن الرحیم وتمم بالخیر

الحمد للہ لذی جعل النبی فخرا الخاص والعام، والولی زینت الدین والاسلام۔ والصلوٰۃ علیہ وعلیٰ الہ واصحابہ الکرام۔ امابعد۔ اولاً باید کہ یک مقدمہ ضروریہ ہچو دُر در حقہ اذہانِ صافیہ محبان ناظران متمکن شود تا عند لیبِ دماغِ ایشاں بہ حصولِ بوئے ایں تذکرہ خوش وقت گردد۔ مقدمہ وآں مشتمل بر شش اموراست۔

امراول: آں کہ در ہر جائے از ایں تذکرہ کہ از ذاتِ مبارک آں فخرالعاشقین زینت المحبوبین شیخ المشائخ سیدنا ومرشدنا حضرت زین الحق والدین رحمہ اللہ تعبیر کردہ خواہد شد۔ بہ یکے از ایں القاب مرقومہ ذیل کردہ آید۔

اول:۔ زینت الاولیاء۔ ثانی:۔ فخرالاولیاء۔ ثالث:۔ فخرالعاشقین۔

☆ مدرس درسِ نظامی، درس گاہ خانقاہِ معلی حضرت مولانا محمد علی مکھڈیؒ

رابع:۔ فخرالمحبوبین۔ خامس:۔ قبلہ ارواح۔ سادس:۔ کعبۂ جاں

سابع: خاتم الاولیاء

مصرع

هر یکے زانیہاز ز ذاتش پرتوی

بداں کہ چوں ایں تذکرہ مشتمل بہفت اشیاء است چناں چہ درامرِ سادس بیان کردہ شدند۔ پس ایں ہفت القاب مذکورہ دراں ہفت اشیاء بہ طریقہ لف ونشر مرتب ذکر کردہ آیند فتنبہ۔

امر ثانی: آں کہ از ذاتِ قدسی صفات حضرت سلطان العاشقین فرد المحبوبین شیخ المشائخ سیدنا ومرشدنا حضرت مولوی محمد علی صاحب بہ حضرت مولانا صاحب تعبیر کردہ آید و از لقب مبارک برہان العاشقین سند الموحدین شیخ المشائخ حضرت خواجہ فخر الحق والدین بہ زیادتِ لفظ مکھڈی و دہلوی تمیز حاصل کردہ آید [مگر در بعضِ مقام بہ قرینہ اکتفا خواہد رفت] اما ایں تعبیرین مذکورین بہ مقولات راقم آثم اختصاص خواہند داشت و اما تعبیرات اولیاء اربعہ کہ ازاں زینت الاولیا مسموع اند در ملفوظات شریفہ اوشاں ہم چناں کہ مسموع اند ذکر کردہ آیند۔

بعض از حضرت مولانا صاحب مکھڈی بہ میاں صاحب یا بہ میاں صاحب بایاں از قبلۂ عالمیاں وکعبۂ زمانیاں حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی بہ حضرت صاب تعبیر کردہ آید و از مرکزِ دائرہ احد حضرت خواجہ نور محمد مہاروی بہ قبلۂ عالم و از برہان المؤحدین سند العاشقین حضرت خواجہ فخر الحق والدین دہلوی بہ مولانا صاحب تعبیر کردہ آید۔

امر ثالث: آں کہ ہر چہ از احوالات وعادات وملفوظات کہ دراں تذکرہ ذکر کردہ آیند خالی نباشند یا از احوالات وعادات و ملفوظات کہ بلا واسطہ دیدہ وشنیدہ شدند یا بوسیلہ وثیقہ حضرت مسند نشین صاحبزادہ محمد غلام محی الحق والدین صاحب لازال فیوضاتہ وبرکاتہ علی العالمین۔ آمین۔ ثم آمین۔

زیرِ تحریر آوردہ شوند نہ بواسطہ غیر تا رائحہ کذب را مدخلی نہ افتد مگر در چند مقام برائے ضرورت از دیگر ثقات یا کتب نیز نقل کردہ آیند۔

امر رابع: آں کہ از سبب انقضائے مدتِ مدیدہ احوالات مبصرہ وملفوظاتِ مسموعہ ازاں زینت الاولیاء منقسم بر چہار قسم شدند۔

اول: آں کہ بعینہا بر صفحۂ ذہن زبوں راقم آثم مرقوم اند۔

ثانی: آں کہ در بعضِ مبصرات ومسموعات رائمہ وہم سر زد گشت۔

ایں ہر دو قسم در تذکرہ مندرج کردہ آیند لیکن در قسمِ ثانی آں چہ غالب وراجح در ذہن است از ایں لفظ شاید مصدر کردہ آید وامر موہوم متروک کردہ شود۔

ثالث: آں کہ بعض از حالاتِ مبصرہ وملفوظاتِ مسموعہ ہم چوں خواب وخیال ورذہن ایں نیائی بال جلوہ نما اند۔

رابع: آں کہ بعض ازاں ہا بہ تمام ہا محو ومنسی شدند ازایں ہر دو قسم چیزے ذکر کردہ نشود۔

امرِ خامس: آں کہ بعضِ حالات وعادات وملفوظات کہ مابین راقم آثم وحضرت مسند نشین صاحب مشترک اند۔ نظری ازانہا بہ راقم آثم ونظری بہ حضرتِ مسند نشین صاحب اختصاص دارد لکن در اکثر مقام از بیان آں اختصاص اغماض کردہ آید۔

تعلقہ الجد وی فی بیانہ۔

امر سادس: آں کہ ایں تذکرہ مشتمل بر شش مشارق وخاتمہ است برایں طرز کہ۔

مشرقِ اوّل: درذکرِ حالات آں زینت الاولیاء۔

مشرق ثانی: درذکرِ حضرت مولانا صاحب مکھڈی۔

مشرق ثالث: درذکرِ حضرت صاحب تونسوی۔

مشرق رابع: درذکرِ قبلۂ عالم صاحب مہاروی۔

مشرق خامس: درذکرِ حضرت مولانا صاحب دہلوی۔

مشرق سادس: درذکرِ غیرہم من الاولیاء۔

خاتمہ: درذکرِ بعضِ حالاتِ باقیہ آں زینت الاولیاء۔

مشرق اول: درذکرِ حالات آں زینت الاولیاء کہ مشتمل بر پانزدہ اشراق است

بداں کہ درایں مشرق شرق عبارت از چند احوال متناسبہ است ودر باقیہ عبارت از یک ملفوظ یا زیادہ متناسبہ است۔

شرقِ اول: در بیانِ وصفِ اجمالی آن زینت الاولیاء۔

قامت مبارک ایشاں درنفس الامر میانہ بود۔ اے نہ درافراطِ درازی وجسامۃ ونہ درتفریط کوتاہی ونہ حافتہ اگرچہ ازاکثر معاصرین حاضرین جسم تر بود لکن نہایۃ مطبوع ومزّین۔

مصرع

عجب مطبوع وموزونی عجب زیبائی ورعنائی

سبحان اللہ۔ نہ قلم را مجالِ تحریر ونہ زباں را یارۂ تقریر۔

بیت

حرف الٰہی چو بر آرد علم
زہرہ قلم را کہ نہ گردد قلم

چوں کہ نہایت مطبوع وموزون بود۔ لہٰذا اقری بال مولوی غلام حسین نوراللہ مرقدہ در مدح آں سرو بوستاں لا یزال بہ صد آہ وزاری وفریفتگی حال سرائید۔

بیت

نہالِ باغِ جاں خوانم قدے والائے موزونش
عجب زیبا است بس رعنا نہالِ شیخ زین الدین

جملہ اعضاء مبارکہ ایشان علے التناسب بودند ونہایت دل پذیر۔ سر مبارک ایشان بزرگ بود، امانہ زیادہ از حد بلکہ موزون وموافق بہ جمیع اعضاء ومخزن عقل وفکر بود کہ عقلی ووہم رامجال بیان نیست

بیت

عقل بد ایں گنج ندارد کلید
وہم بر ایں نیارد رسید

دموہا بروی سپید بودند۔ گردن مبارک ایشان سادہ وصاف از اشعار بود ودروے اثرے از زخمِ قدیمانہ ہویدا بود۔ یک سرا و بہ منت اشعار سر مبارک سیدہ بود وسرِ دیگر اُو در جاء سادہ واما درازتِ اُو قدر دو انگشت معروضہ تخمیناً بود۔ سبحان اللہ! این اثر عجب اثر در دِل افگاران میداشت۔ ناصیہ مبارک ایشان فراخ وسادہ از چین وہمچون بدالدجیٰ منور و پرتو افگن و علامتِ داراُز سجود بود۔

ابیات

ناصیہٴ پیر نہ تنہا است نور
بلکہ جانیت زِ نورِ حضور

ناصیہٴ پیر نہ تنہا ضیا است
بلکہ یکی از صفتِ کبریا است

چشمہٴ خورشید نہ تنہا ضیا است
بلکہ زمیں را نظرش کیمیا است

ہر دو اَبرو مبارک ایشان ہمچوں ہلال سپید بودند۔ سبحان اللہ۔ در عجب لطافت وزیبایش ودِلستانی بودند کہ ناظر ازا اُز مشاہدہ ایں ہا عجب تاثیری جلوہ نما گشتی وبا ہم متصل نبودند۔ وما بہ نما ہا در بعضِ اوقات قدرے چین ہم معلوم گشتی۔ نعم ما

قیل۔

حاجتِ مسجد ومحراب مرا نیست کہ من
طاقِ ابروئے تو محرابِ دُعا می بینم

کس ندیداست نہ بیند زِخمِ طاقِ سپہر
آں چہ من اَز خمِ اَبروئے دوتا می بینم

چشمان مبارک ایشان میانہ بودند نہ بس فراخ ونہ بس تنگِ سیاہی عمدہ وسپیدی خوب اندرون آں ہا جلوہ نما بود۔ و درا کثر اوقات مثلِ گلِ نرگس ونیم خوابی بودند ودر عاشق کُشی دلیر۔ نِعم ما قیل۔

جمالت معجز حسن است او لیکن
حدیثِ غمزات سحرِ مبین است

براں چشمِ سیاہ صد آفرین باد
کہ درعاشق کُشی سحر آفرین است

ودر بعض اوقات ہمچون گلِ انار در شگفتگی و مائل بہ سرخی بودند۔

بیت

نرگس چشمانش زہے سُرخ و مَست
رہبری مستانِ صبوحی پرست

ونظرِ مبارک قائم بود مگر چند سال از سالہائے اخیرہ بہ مرضِ موتیہ بند نقصان پذیر گشت ؛لکن:

نظم

چشمِ یقینش بہ تماشائے غیب
درنظرِ اُو ہمہ صحرائے غیب

عصمتیانِ حرم آسمان
جلوہ کُنانِ درنظرش ہر زمان

وقبل از وصالِ عرصۂ چند سال بہ علاج تقشیرِ چشمان مبارک صحیح شدند۔ ونظر مفقود باز عُود نمود۔ الحمدللہ۔ بنی

مبارک ایشان الف وار بین العذارین کشیدہ۔ عجب زیبائش نما و نہایت مطبوع و موافق بہ جمیع اعضاء بود۔

مصرع

عجب الغیث بر لوحِ نورانی

ہر دو رُخسارہ مبارک ہمچون بدرِ نورانی و پرتو افگن و بے چین و کشادہ و لمعدار بودند، و رنگِ چہرۂ مبارک ایشان بہ یک طرز نبود۔ در اکثر اوقات سبز مائل بہ سُرخی و پرتو افگن بود۔ سبحان اللہ۔ عجب مظہر انوارِ الٰہی بل عین نورِ ایزدی و یکتا و بے مثال در معرضِ ظہور جلوہ نما بود۔

ابیات

در لباسِ دوئی نمی آئی
زاں کہ مشہور تر بہ یکتائی

روشن از آفتابِ طلعتِ تو
چہرہ ہائے بُتانِ یغمائی

اَز جمالت کہ بے مثال آمد
مُحرم آں دَم کہ پردہ بہ کُشائی

اندرون و بیرون و از پس و پیش
در چَپ و راست زیر و بالائی

دوش گویندۂ نِدا می کرد
اَز دِلِ زار ، صوتِ شیدائی

کہ بہ جُز ذاتِ پیر نیست کسے
زاں کہ در چشمِ ما است ہر جائی

سبحان اللہ۔ جمالِ ایشان عجب نورِ دیدہ عشاقان و برگزیدہ خوبانِ عالم بود۔

ابیات

اے رُخت نورِ دیدۂ عشاق
اے درت قبلہ گاہِ ہر مشتاق

تو بہ خوبی بتا ، نداری جفت
زاں کہ ہستی بہ خوب روئے طاق

دِل براں گرچہ دِلبرند و لیک
اَز ہمہ دِلبری علی الاطلاق

زِ دہر نوشندہ گانِ جامِ غمت
می نہ خواہند اَز کسے تریاق

دیگراں می کشند ساغرِ وَصل
ما غریباں مُدام دردِ فراق

مُخبرانِ دیارِ عالمِ عشق
ایں خبر می دہند در آفاق

کہ بہ جُز ذاتِ پیر نیست کسے
ارچہ جوئی زِ چین و حدِّ عراق

در بعضِ اوقات رنگِ چہرہ مبارک ایشان مائل بہ زردی وسفیدی مشاہدہ کردہ شد۔ چنانچہ در سالے در ماہِ رمضان برعرس حضرت مولانا صاحب مکھڈی چند رفیقان جمع شدہ۔ عازم گشتیم، چون در باراں دری شریف بعد از نمازِ ظہر بہ حصولِ قدم بوسی مشرف شدیم۔ الحمد اللہ پس دراں وقت رنگِ چہرہ مبارک ایشان مائل بہ زردی وسپیدی بود۔ وچون از بعضِ یاراں

بہ سمع راقم آثم قبل ازان رسیدہ بود، کہ آں زینت الاولیاء را قبلِ ایامِ عرس تپ عارضی شدہ بود۔ تا کہ ہنوز سببِ ضعف ہر نماز با تیمم ادا می نماید۔ بنابراں در ذہنِ راقم آثم گذشت کہ شاید رنگِ چہرہ مبارک ایشان از سبب تپ متغیر شدہ است۔ پس بعد از ساعت قائم خان کہ یکی از رفیقانِ راقم بود۔ از صحبتِ اقدس برخاستہ، تعظیم بجا آوردہ بیرون رفت، و بیرون دروازہ باراں دری استادہ بہ اشارہ انگشت راقم آثم را طلبید۔ پس بہ موجب اشارہ اُو برخاستہ، تعظیم بجا آوردہ بیرون آمدہ بہ استفسار مقصود بہ اشارہ پرداختم۔ قائم خان شاید برائے دَم کنانیدن چیزے راقم را وکیل ساخت۔ پس فوراً اجابتہ وکالتہ اُو کردہ باز بہ مشاہدۂ جمال آن زینت الاولیاء مسرور آں وقت شدم۔ الحمدللہ۔ سبحان اللہ۔

دراین فرصت عجب رنگ چہرہ مبارک ایشان بہ معرضِ ظہور رسیدہ بود۔ یعنی سبز مائل بہ سُرخی پر تو افگن واللہ در ذہنِ راقم آثم گذشت کہ قطرات از چہرہ مبارک ایشان میچ کند، کہ شاید وضو ساختند۔ آں زینت الاولیاء کہ ایشان بہ کمال آہستگی و آرام وضوی کردند و نیز از سببِ ضعفِ جسمانی دراں ایام نماز با تیمم ادا می فرمودند۔ پس بہ فہمِ نیاز رسید کہ وضو نہ ساختند بلکہ عساکرِ انوارِ ایزدی براں زینت الاولیاء رسیدند۔

ابیات

یار را شیشۂ شراب رسید
راحت اندر دلِ خراب رسید

ماہ رُو یاں بہ رُخ نقاب کشید
ہین کہ آن شوخ بے نقاب رسید

دلِ من رفت سوئے مژگانش
گوئیا سیخ را کباب رسید

چوں نظر کرد گُل بہ رُخسارش
از حیا بر رُخش گلاب رسید

پیرِ ما نورِ حق بلاریب است
این حکایت بہ شیخ و شاب رسید

چوں رہِ عقل را خطا کردم
من دیوانہ را خطاب رسید

کہ بہ جُز ذاتِ پیر نیست کسے
زاں کہ اُو را زِ حق شراب رسید

بر رُخسار مبارک راست ایشان یک دانہ سیاہ مثلِ خال بود۔ قدرے در نبت اشعار لحیہ مبارکہ و اکثرش در معرضِ ظہور۔ سبحان اللہ عجب لطف نما و زیبائش انگیز بود، گویا در حق وے گفتہ شد۔

مصرع

بہ خال ہندویش بہ خشم سمرقند و بخارا را

وبرائے عاشقان در وَے عجب لطافتی و نزاکتی بود۔

ابیات

رُخِ تو غیرتِ گُلستان است
زاں کہ بر لالہ عنبر افشان است

صفحۂ رُوئے تو بہ آیتِ خال
عاشقاں را بہ جائے قرآن است

بُلبُل شاخسارِ گُلشنِ قُدس
ایں سخن ہر صباح گویان است

کہ بہ جُز ذاتِ پیر نیست کسے
زاں کہ اُو فیض بحرِ سبحان است

سلکِ سنان مبارک ایشان از جہتہ کلان سالی بہ تمام رسیدہ نبود۔ ہر دو لب مبارک ایشان در کمال موزنیۃ وعجب زیباش و شکر ریزی بودند۔

بیت

لعلِ لب اش چوں شکر افشاں کند
کشورِ جاں را شکرستاں کند

لحیہ مبارک ایشان اَز جہتۂ پہن اَز نرمہ گوش تا بہ نرمہ گوش دیگر واَز جہتۂ درازی بہ طرزِ میانہ واَز جہتۂ انبوی نیز بر ایں طرز بود؛ وسفید مگر آندک اشعار کہ بہ نظرِ عمیق سیاہی آں ہا ظاہر بود۔ اللہ اللہ۔ عجب لطف نماو زیبائش بر پا کنندہ بود، کہ نہ قلم رایارۂ تحریر ونہ زباں رانصرۂ تقریر۔ سبحان اللہ؛ اَز جمالِ چہرۂ منورہ باریش مبارک چہ عجب پیکرِ ہمایوں برآمدہ بود۔ نعم ما قیل۔

ہمایوں پیکرے اَز عالمِ نُور
بہ باغِ خُلد کردہ غارتِ حُور

رَوُدہ سر بہ سر حُسن و جمالش
گرفتہ یک بہ یک غنج و دَلالش

بہ شکلِ خوب تراَز ہر چہ گویم
ندانم بعد اَز ایں دیگر چہ گویم

سبحان اللہ۔ واصف رادر مدح جمالِ وے چہ تاب۔

شعر

لایدرک الواصف المطری خصائصہ
ان یک سُابقا فی کل ما وصفا

ونقاش رادر تصویر کشی وی چہ جا۔

بیت

تیری تصویر اگر کھینچنی مانے آوے
نہ بنائی ، نہ بنائی ، نہ بنائی آوے

موکب جمالِ لاتناہی وے در دِلِ بے دِلاں چسان متمکن بود۔

بیت

موکبِ حُسنت نہ گنجد دَر زمین و آسماں
در حریمِ سینہ حیرانم کہ چوں جا کردئی

و برسرِ منکراں حجت۔

بیت

برغمِ مُدعیاں کہ منع عشق کنند
جمالِ چہرۂ تو حجت موجہ ما است

سینہ منورہ ایشان کہ نمونہ لوحِ محفوظ است۔ مناسب بہ جمع اعضاء شریفہ عجب موزون و مخزنِ اُسرارِ الٰہی بود۔ گویا سرایندہ ایں رُباعی است۔

رُباعی

گنجینۂ اسرارِ کمالش مائیم
آئینۂ انوارِ جمالش مائیم

دُور افگن اشعارِ جلالش مائیم
دستان زن اُو تارِ نوالش مائیم

و بروے اندک اشعار سپید بودند عجب لطف نما و مُسرت افزاء۔ شکم مبارک ایشان ہموار کشیدہ قدیٔ بالا لیش نماء بود۔ سبحان اللہ۔ نہ زیبالیش اُو بہ نظرِ عشاقاں بہ طرزِ عجب جلوہ گر دخوش نُما بود۔

ہر دو بازو مبارک و ساعدین سعید ین ایشان منور و صاف از اشعار و نازک نہایت موزون و مطبوع و مواقق بہ جمیع اعضا مبارکہ بودند۔ دست ہا مبارکہ ایشان بہ دِل نظارگان در آویز بودند۔ ہر دو کف مبارکِ ایشان شاید منقش بہ اندک خطوط بودند۔

بیت

طرۂ طُوراست درو نقش ہا
بہرِ دِل دیدہ وَراں دام ہا

انگشت ہا مبارکہ ایشان کہ الف دار بودند۔ ہمچوں سروِ بہار از چشمہ ٔ ہر دو کف سرکشیدہ دوال بر ثمرہ معرفت بودند۔

بیت

هر الف از وے شجرے میوہ ناک

میوۂ آں معرفتِ ذاتِ پاک

اندک فرجہ دار ونازک بودند۔ ناخن ہا مبارکہ۔ ایشان ہمچوں بدرِ تابان بودند وگاہ تاجِ ہلال را نیز بر سر ہا خود نہادہ بہ شب خونے موکبِ دل ہاء، نظارگان عازم می گشتند۔ ہر دو ساقین شریفین۔ ایشان صنوبری وصاف اشعار ونازک و عماد معرفت بود۔

مصرع

ساقِ دو خواجہ عمدِ معرفت

و ہر دو پا مبارک۔ ایشان میان جسامت ونحافت موزون ومطبوع وموافق بہ جمیع اعضاء شریفہ بودند۔ شانزدہ انگشت تخمیناً دراز بودند، وانگشت ہا منفرجہ داشتند و بر پشتِ بعض انگشت ہا عقدہ مدورہ بودند۔ شاید بر پشتِ پاۓ چپ نیز عقدہ مدورہ بود، واز حد ہر دو کف خطی مقعر کشیدہ بود۔ لکن در کفِ راست بیں ابہام وانگشتِ کہ متصل ویست رسیدہ بود اما در چپ بہ تمام نرسیدہ بود۔

تذکرۃ المحبوب

تالیف: علامہ عبدالنبی بھوئی گاڑوی

مترجم: علامہ محمد اسلم

حامداً ومصلیاً

بیت

میں سحری کا ورد دیر میخانہ میں کرتا ہوں۔ دُعا کے اوقات کو درِ جانانہ میں رکھتا ہوں۔

یہ کتاب جو تذکرۃ المحبوب کے نام سے موسوم کی گئی ہے۔ مناقب قدوۃ العارفین، فخر العاشقین، فرد المحبوبین، شیخ المشائخ حضرت خواجہ زین الحق والدین مکھڈی قدس اللہ سرہ العزیز ہے۔ تیراں سو چھ ۱۳۰۶ ہجری میں اس تذکرہ کو تالیف کیا گیا۔ الحمدللہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللہ الذی جعل النبی فخر الخاص والعام والولی زینت الدین والاسلام والصلوۃ علیہ وعلی الہ واصحابہ الکرام

امابعد۔

سب سے قبل ایک مقدمہ ضروریہ جو محبین وناظرین کے اذہان صافیہ کے لیے مثلِ موتی ہے۔ تاکہ عنادیلِ صافیہ کے دِماغ اس تذکرہ کی خوشبو سے معطر ہوں۔

مقدمہ۔

مقدمہ چھ [٦] اُمور پر مشتمل ہے۔

امرِ اوّل۔ اس تذکرہ میں جہاں حضرت فخر العاشقین زینت المحبوبین شیخ المشائخ سیدنا ومرشدنا حضرت زین الحق والدین کی ذاتِ مبارک مراد لی جائے گی تو آپ کی ذات کے لیے درج ذیل القابات استعمال ہوں گے۔

(اوّل) زینت الاولیاء　(ثانی) فخر الاولیاء　(ثالث) فخر العاشقین

(رابع) فخر المحبوبین　(خامس) قبلۂ ارواح　(سادس) کعبۂ جاں

(سابع) خاتم الاولیاء۔ ہر لقب آپ کی ذات کا عکس ہے۔

چوں کہ یہ تذکرہ سات اشیا پر مشتمل ہے۔ جیسا کہ امر سادس میں بیان کیا جائے گا۔ لہٰذا مذکورہ سات القابات

سات اشیا میں (لف نشر مرتب) (ترتیب کے مطابق) کے طریقہ پر یہاں بیان کیے جائیں گے۔

امر ثانی۔ اس تذکرہ میں حضرت سلطان العاشقین فرد المحبوبین شیخ المشائخ سیدنا و مرشدنا حضرت مولوی محمد علی صاحب کی شخصیت کو مولانا صاحب سے تعبیر کیا جائے گا۔ البتہ برہان العاشقین سند الموحدین، شیخ المشائخ خواجہ فخر الحق والدین (اور حضرت مولانا محمد علی) کے لقب میں لفظ مکھڈی اور دہلوی کا اضافہ کرنے سے امتیاز حاصل ہو جائے گا۔ اگرچہ بعض مقامات میں کسی قرینہ سے بھی فرق معلوم ہو جائے گا۔ مذکورہ دو تعبیریں راقم آثم (عبد النبی) کے ہاں مخصوص ہیں۔ البتہ جو تعبیرات حضرت زینت الاولیاء کے ملفوظات سے مسموع ہوئیں۔ وہ یہ ہیں کہ آپ حضرت مولانا صاحب مکھڈی کو میاں صاحب یا ہمارے میاں صاحب سے تعبیر فرماتے تھے۔

اور قبلۂ عالمیاں و کعبۂ کرماں حضرت خواجہ شاہ محمد سلیمان تونسویؒ کو حضرت صاحب کے لفظ سے اور مرکز دائرۂ احد حضرت خواجہ نور محمد مہاروی کو قبلۂ عالم سے اور برہان الموحدین سند العاشقین حضرت خواجہ فخر الحق والدین دہلوی کی ذات کو مولانا صاحب سے تعبیر فرماتے۔

امر ثالث۔ اس تذکرہ میں جہاں بھی جو ملفوظات واحوالات اور عادات ذکر کیے گئے۔ یا تو وہ بلا واسطہ شنید و دید ہوں گے۔ یا حضرت سجادہ نشین محمد غلام محی الدین کے واسطہ سے تحریر میں لائے جائیں گے۔ اس کے علاوہ کوئی واسطہ نہیں ہوگا۔ تاکہ بوئے کِذب لازم نہ آئے۔ البتہ چند مقامات میں برائے ضرورت دیگر ثقات راویوں یا مسلّم کتب سے نقل کیے جائیں گے۔

امر رابع۔ حضرت زینت الاولیاء کے ملفوظات مسموعہ اور احوال بالمشاہدہ چار قسم پر منقسم ہیں۔

اوّل۔ وہ ملفوظات جو راقم آثم نے خود رقم کیے۔

ثانی۔ بعض ملفوظات جو دیکھنے اور سننے میں ایسے بھی آئے ہیں؛ جن میں وَہم کا دخل ہے لیکن قسمِ ثانی میں وہ ملفوظات درج ہیں جو عند العقل رائے تھے اور ان کو لفظ شاید سے ذکر کیا گیا ہیں اور امرِ موہومہ کو ترک کر دیا گیا ہے۔

ثالث۔ کچھ آنکھوں سے دیکھے احوال اور ملفوظات مسموعہ ایسے بھی ہیں جو اس نیاز مند (عبد النبی) کے اپنے خواب و خیال میں جلوہ نما ہوئے۔

رابع۔ بعض ملفوظات ایسے بھی تھے جو تمام کے تمام محو اور مٹ چکے تھے؛ لہٰذا ایسے ملفوظات ذکر نہیں کیے جائیں گے۔

امر خامس۔ بعض حالات و عادات و ملفوظات ایسے بھی ہیں کہ جو راقم اور حضرت جانشین (مولانا غلام محی الدین) کے درمیان مشترک ہیں۔ یعنی کچھ حصہ راقم اور کچھ حصہ حضرت جانشین صاحب سے منقول ہے۔ لیکن اکثر مقام میں چشم پوشی کی گئی ہے۔

امر سادس۔ یہ تذکرہ چھ [٦] مشارق اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے۔

مشرقِ اوّل۔ حضرت زینت الاولیاء کے احوال کے بیان میں ہے۔
مشرقِ ثانی۔ حضرت مولانا صاحب مکھڈی کے بیان میں۔
مشرقِ ثالث۔ حضرت شاہ سلیمان تونسویؒ کے ذکر میں۔
مشرقِ رابع۔ حضرت قبلۂ عالم مہارویؒ کے ذکر میں۔
مشرقِ خامس۔ حضرت مولانا فخر الدین دہلوی کے بیان میں۔
مشرقِ سادس۔ دیگر اولیائے کرام کے بیان میں۔
خاتمہ۔ حضرت زینت الاولیاء کے بیان میں جو پندرہ اشراق پر مشتمل ہے۔

اس مشرق میں شرق سے چند احوال مناسب اور بقیہ عبارت میں شرق سے ایک یا زیادہ ملفوظ مناسب مراد ہیں۔

شرق اوّل حضرت زینت الاولیاء کے وصفِ جمالی کے بیان میں۔

آپ کا قد مبارک نفس الامر میں درمیانہ تھا۔ یعنی آپ جسامت ونحافت میں افراط وتفریط کے درمیان تھے اگر چہ اپنے ہم زماں لوگوں سے جسیم تر تھے لیکن نہایت مزین اور خوبصورت تھے۔

مصرع

کیا ہی خوب رُخِ زیبا اور دِل پسند ہے تو

سبحان اللہ۔ نہ قلم کے لیے مجالِ تحریر اور نہ ہی زبان کے لیے بیانِ تقریر۔

بیت

حرفِ الٰہی کب علم کو عیاں کرسکتا ہے۔ نوکِ قلم کو علم کے بیان کا یارا کہاں۔

آپ کی ذاتِ والا صفات چوں کہ نہایت مطبوع وموزوں تھی۔ اسی لیے اس باغ کے قمری مولوی غلام حسین نور اللہ مرقدہ اس گلستاں کے سرو جس کو زوال نہیں کے لیے نہایت آہ وزاری اور فریفتگی سے حال بیان کیا ہے۔

بیت

گلستانِ جاں کے سرِو موزوں کا قاری ہوں۔ کیا ہی خوش زیبا وخوب صورت سرو ہیں شیخ زین الدین۔

آپ کے جملہ اعضائے مبارکہ خوب دِل پسند اور متناسب تھے۔

آپ کا سر مبارک بڑا تھا۔ کم نہ زیادہ بل کہ باقی اعضائے جمیعہ کی طرح موافق وموزوں۔ شعور وآگہی کا خزانہ کہ وہم وخیال کو بیان کا یارا کہاں۔

بیت

عقل اس خزانے کے لیے چابی نہیں رکھتی اور اس کی انتہا تک پہنچنے کا وہم کو یارا نہیں۔

اور آپ کے بال سفید تھے۔

آپ کی گردن مبارک سادہ اور بالوں سے صاف تھی اور اس میں پرانے زخم کا اثر ظاہر ہوتا تھا۔ اُس کا ایک سِرا بالوں سے شروع ہو کر سر تک پہنچتا تھا اور دوسرا سِرا صاف جگہ تک۔ جس کی لمبائی تخمیناً دو اُنگشت کے برابر تھی۔ سبحان اللہ کیا ہی پُر تاثیر اثر دِل فگاروں کے دِل تک پہنچتا تھا۔

آپ کی پیشانی مبارک فراخ اور سادہ و بے چین اور چودھویں کے چاند کی طرح تھی۔ سجدے کے نشان اس پر نمایاں تھے۔

ابیات

پیر کی پیشانی صرف نورانی نہیں بل کہ تمام جہاں اُن کے نور سے منور ہے۔

پیر کی پیشانی نہ صرف روشن ہے بل کہ صفتِ کبریا میں سے ایک ہے۔

سورج کی آنکھ نہ صرف روشن ہے بل کہ زمین اس کی روشنائی سے کیمیا ہے۔

آپ کے دونوں ابرو مبارک ہلال کی طرح سفید تھے۔ سبحان اللہ کس قدر لطف نُما اور دِل پسند تھے کہ دیکھنے والا اُن کے مشاہدہ سے ایک عجب تاثیر سے جلوہ نُما ہوتا تھا۔ اور آپ کی ہر دو ابرو متصل نہ تھے بعض اوقات ہر دو کے مابین قدرے چین بھی معلوم ہوتا تھا۔

کیا ہی خوب کہا گیا کہ مجھے مسجد و محراب کی حاجت نہیں۔ تیرے طاقِ ابرو میں محرابِ دُعا دیکھ رہا ہوں۔

تیرے طاقِ سپہر کے خَم کو نہ کسی نے دیکھا ہے نہ دیکھے گا۔ جس قدر تیرے خَم آبرو کے حُسن کو میں نے دیکھا ہے۔

آپ کے چشمان مبارک نہ زیادہ فراخ اور نہ زیادہ تنگ بل کہ درمیانہ تھیں اور خوب سیاہی اور سفیدی سے جلوہ نُما تھی۔ اکثر اوقات اِن میں گلِ نرگس کی طرح نیم خوابی ہوتی اور قتلِ عاشق میں دلیر تھی۔ کیا ہی خوب کہا گیا کہ تیرا جمال کیا ہی معجزہ نُما ہے لیکن آنکھوں کا اشارہ سحرِ بیان ہے۔ ایسی سیاہ آنکھوں پر صد آفریں ہو جو کہ قتلِ عاشق میں سحر آفرین ہے۔

اور بعض دفعہ آپ کی آنکھیں شگفتگی میں گلِ انار کی طرح مائل بہ سُرخی ہوتی ہیں۔

بیت

اس کی نرگسی آنکھیں کیا ہی سُرخ و مست ہیں۔ صبح کے مستانہ کو راہ دِکھاتی ہیں۔

اور آپ کی نظر مبارک درست رہی۔ البتہ آخری چند سالوں میں موتیا کی وجہ سے خراب ہو گئی لیکن قبل از وصال آپریشن کے ذریعے صحیح ہو گئیں۔ اور نظرِ مفقود لوٹ آئی۔ الحمدللہ

نظم

اُس کی چشمِ یقیں غیب کی تماشائی ہیں۔ اُس کی نظر میں تمام صحرا غیب ہے۔

حرم کا گوشہ نشین آسمانِ جلوہ نُما ہے۔ اس کی نظر میں ہر زمانہ ہے۔

آپ کی ناک مبارک دونوں رُخساروں کے مابین الف کی طرح کھینچی ہوئی بہت خوب دیکھائی دیتی اور جمیع اعضا کے موافق تھی۔

مصرع

کیا خوب الف ہے لوحِ نورانی پر

آپ کے ہر دو رُخسار چاند کی طرح نورانی اور روشن و بے چین اور کشادہ اور گوشت دار تھے اور آپ کے چہرہ مبارک کا رنگ ایک طرز پر نہیں ہوتا تھا۔ اکثر اوقات سبز مائل بہ سُرخی اور خوب روشن ہوتا۔ سبحان اللہ۔ انوارِ الٰہی کا عین مظہر ہوتا تھا۔

ابیات

لباس دوئی میں تو نہیں آسکتا کیوں کہ تو یکتا ہی مشہور ہے۔ تیرے آفتاب کے طلوع کی روشنی بُتانِ یغما کے چہرے کی طرح روشن ہے۔ تیرا بے مثال حُسن جب پردۂ جمال کی نقاب کشائی کرتا ہے تو ظاہر و باطن اور پس و پیش، دائیں بائیں، نشیب و فراز سے صدا لگانے والا صدا لگاتا ہے اور دِل زار اُس کی صدا کا شیدائی ہے۔ کہ پیر کی ذات کے سوا کوئی اور ذات نہیں۔ وہی ہر جا میری آنکھ میں سمایا ہے۔

سبحان اللہ۔ آپ کا حُسن چشمِ عُشاق کو عجب نور عطا کرتا ہے جو تمام عالَم سے اُسے بے نیاز کرتا ہے۔

ابیات

اے وہ کہ جس کا چہرہ عُشاق کی آنکھوں کا نُور ہے۔ اے وہ کہ جس کی درگاہ ہر مشتاق کے لیے قبلہ گاہ ہے۔ تو خوبیوں میں اپنا ثانی نہیں رکھتا۔ کیوں کہ تیری ذات خوبیوں میں یکتا ہے۔ محبوب گرچہ محبوب تر ہیں لیکن تو دلبری میں اپنی مثال آپ ہے۔ جہاں میں تیرے غمِ محبت کا جام پینے والے کسی تریاق کے خواہش مند نہیں ہیں۔ دوسرے وصل کا جام نوش کر رہے ہیں۔ ہم غریب ہمیشہ سے دردِ فراق میں گم ہیں۔ عشق کے جہان کی خبر رکھنے والے جہاں بھر میں یہ خبر پہنچاتے ہیں کہ پیر کی ذات کے سوا کوئی اور ذات نہیں اگرچہ تو تلاش کرے چین سے عراق تک۔

بعض دفعہ آپ کے چہرۂ مبارک کا رنگ مائل بہ زردی و سفیدی بھی مشاہدہ کیا گیا۔ جیسا کہ ایک سال رمضان شریف میں حضرت مولانا محمد علی صاحب کے عرس کے موقع پر چند احباب سمیت آپ کی حاضری کا عزم کیا۔ بعد از نمازِ ظہر بارہ دری شریف میں آپ کی زیارت سے قدم بوسی کا شرف حاصل ہوا۔ الحمد اللہ اُس وقت آپ کے چہرۂ مبارک کا رنگ مائل بہ زردی و سفیدی تھا اور جیسا کہ راقم آثم نے بعض دوستوں سے سُنا تھا کہ آپ کو ایامِ عرس سے قبل بخار ہوا تھا۔ تاہم

اب تک اُس کمزوری کی وجہ سے آپ ہر نماز تیمم سے ادا فرماتے۔ اس بنا پر راقم کے ذہن میں ایک خیال آیا کہ شاید آپ کا رنگ مبارک بخار کی وجہ سے متغیر ہوا ہوگا۔ لیکن چند لمحات کے بعد قائم خان جو کہ راقم کے احباب میں سے تھا۔ حضرت صاحب کی تعظیم بجالانے کے بعد آپ کی مجلس سے باہر آ کر بارہ دری کے دروازے سے میری طرف اشارہ کر کے مجھے باہر بلایا۔ جب میں نے باہر آ کر اشارہ کا مقصد دریافت کیا تو قائم خان نے مجھے کوئی چیز ذم کرنے کے لیے وکیل بنایا۔ جب میں فوراً اجابت وکالت کے لیے آپ کے پاس گیا۔ اس وقت آپ کے چہرۂ مبارک کا رنگ کِھلا کِھلا تھا۔ الحمد اللہ، سبحان اللہ۔ اس لمحے آپ کے چہرۂ مبارک کا رنگت عجب نظارہ پیش کر رہی تھی۔ یعنی سبز مائل بہ سُرخی تھا تو راقم آثم کے خیال میں یہ بات آئی کہ شاید آپ نے تازہ وضو کیا ہوا اور چہرہ مبارک سے پانی کے قطرات ٹپک رہے ہوں۔

لیکن اتنا وقت نہیں گزرا تھا کہ آپ نے اِس دوران وضو کر لیا ہو۔ خاص کر حضرت زینت الاولیاء کے لیے اتنے کم وقت میں وضو کرنا ناممکن ہے۔ کیوں کہ آپ کمال آہستگی اور آرام سے وضو فرماتے تھے۔ نیز ضعفِ جسمانی کی وجہ سے اُن ایام میں آپ نماز بھی تیمم سے ادا فرماتے۔ پھر اچانک ذہن میں خیال پیدا ہوا کہ آپ نے وضو نہیں کیا بل کہ اللہ تعالی کے انوار و تجلیات کا ظہور آپ کی ذات سے عیاں تھا۔

ابیات

دوست کو شراب کی بوتل پہنچی ہے۔ جس سے دلِ پریشاں کو سکون ملا۔ خوبصورت چہرے والوں نے نقاب کھینچ لیا ہے۔ عجب ہے کہ وہ شوخ بے نقاب پہنچا ہے۔ میرا دِل اُس کی (محبوب) مژگاں اُٹکا ہے۔ گویا سیخ پر کباب۔ جب پھول نے اُن کے رُخسار کی طرف نظر کی۔ تو گلاب کے چہرے پر بھی شرمندگی کے آثار نمایاں ہوئے۔ میرا پیر بے شک نُورِ الٰہی کا پرتو ہے۔ یہ بات ہر پیر و جواں تک پہنچی ہے۔ جب میں نے رہِ عقل میں خطا کی تو مجھے دیوانے کا خطاب ملا۔ کہ ذاتِ پیر کے سوا کوئی ذات نہیں اس لیے کہ اس کو حق کی جانب سے شرابِ (طہور) پہنچی۔

آپ کے دائیں رُخسار پر ایک سیاہ دانہ مثل تل کے تھا جو داڑھی مبارک کے درمیان ہونے کی وجہ سے پوشیدہ رہتا تھا۔ لیکن اکثر حصہ اُس کا ظاہر ہوتا۔ سبحان اللہ کیا ہی لطف نُما اور خوبصورت تھا اور آپ کے حق میں کیا ہی خوب کہا گیا ہے۔

مصرع

میں اُس محبوب کے چہرے کے تل کے بدلے سمرقند و بخارا قربان کر سکتا ہوں۔

ابیات

تیرا چہرہ گلستاں کی غیرت کا باعث ہے۔ کیوں کہ یہ چہرہ لالہ پر عنبر افشانی کر رہا ہے۔ تیرے چہرے کے صفحہ پر تل کی آیت۔ عاشقوں کے لیے بہ جائے خود ایک قرآن ہے۔ باغِ قُدس کی شاخ پر بیٹھی بُلبُل۔ ہر صبح یہی بات دُہراتی ہے

کہ سوائے ذاتِ پیر کے کوئی ذات نہیں۔ کیوں کہ اُس کا فیض بحرِ سبحانی ہی کا فیض ہے۔

آپ کے دانت مبارک کی لڑی بڑھاپے کی وجہ سے حدِ تمام تک نہ پہنچی ہوئی تھی اور آپ کے ہر دو لب مبارک موزوں اور خوبصورت اور مثلِ شکر کے تھے۔

بیت

اُس کے لب جب شکر افشانی کرتے ہیں۔ کشورِ جاں کو شکرستان کرتے ہیں۔

آپ کی داڑھی مبارک ایک کان کی لَو سے دوسرے کان کی لَو تک بہ لحاظِ چوڑائی اور درازی میں میانہ طرز پر تھی۔ اور گھنی ہونے میں بھی یہی طرز تھی اور سفید تھی مگر غور کرنے سے چند بال سیاہ بھی نظر آتے تھے۔ اللہ اللہ۔ آپ کبھی خضاب استعمال نہ فرماتے تھے۔ عجب لطف نُما اور خوبصورتی میں لاجواب کہ نہ قلم کو یارۂ تحریر ہے اور نہ زباں کو جرأتِ اظہار۔ سبحان اللہ۔ آپ کی داڑھی مبارک کی وجہ سے چہرۂ انور کا جمال مبارک نہایت عجب حُسن کی چھب دکھاتا تھا۔ کیا ہی خوب کہا گیا کہ ذاتِ مبارک سے ایک جہان روشن ہے۔ جیسے جنت کا باغ حُوروں کے حُسن سے تابناک ہے۔ سربہ سر حُسن و جمال کے پیکر، جسے دیکھتے ہی انسان دِل و نگاہ دے بیٹھے۔ آپ کا حُسن میری کہی گئی ہر تعریف سے بالاتر ہے۔ اِس کے بعد میں نہیں جانتا کہ کیا کہوں۔ سبحان اللہ۔ توصیف بیاں کرنے والا آپ کے حُسن کو کہاں تک بیان کرے۔

شعر

واصف اُن کے خصائص کو نہیں پہچانتا۔ اگرچہ وہ کہتا ہے کہ میں اُس کے جملہ اوصاف سے واقف ہوں۔ اور نقاش کے لیے اس کی تصویر کشی کی مجال نہیں۔

تیری تصویر اگر کھینچنی مانی آوے
نہ بنانی نہ بنانی نہ بنانی آوے

آپ کا عکسِ جمال کسی بے ذوق کے دل میں متمکن نہیں ہوسکتا۔

بیت

تیرے حسن کا عکس زمین و آسمان میں سمانہیں سکتا۔ میں حیران ہو کہ میرے سینۂ حرم میں کیسے سما گیا۔

اور نہ ماننے والوں کے لیے آپ کا حُسن خود دلیل تھا۔

بیت

زُعمِ مدعیاں کہ جو آپ کے عشق سے روکتے ہیں۔ آپ کے چہرہ کا جمال میرے لیے دلیل ہے۔

آپ کا سینہ مبارک لوحِ محفوظ کا نمونہ تھا۔ آپ کے تمام اعضائے شریفہ کی طرح مناسب و موزوں اور اسرارِ الٰہیہ کا خزانہ تھا۔ گویا اس رُباعی کا ماحاصل ہے۔

رُباعی

وہ کمال اسرار کا خزانہ ہے۔ اُس کا خوبصورت چہرہ ہمارا آئینہ ہے۔ میرے اشعار سے اُن کی کیفیتِ جلال جاتی رہی۔ میں ساز کی وہ تار ہوں جو اُن کی داستان سرائی کر رہی ہے۔

اور اُس پر (سینہ مُبارک) پر تھوڑے سے سیاہ بال عجب لُطف نُما اور مُسرت افضا تھے۔

آپ کا شکم مبارک ہم وار، تھوڑا سا باہر کی طرف اُٹھا ہوا دکھائی دیتا۔ سُبحان اللہ۔ آپ کی خوبصورتی عُشاق کی نظر میں عجب جلوہ گر اور خوش نُما دکھائی دیتی۔

آپ کے دونوں بازو مبارک ساعدین وسعیدین تھے۔ یہ بالوں سے صاف اور نازک منور تھے۔ نازک نہایت موزوں و مطبوع تھے اور دیگر تمام اعضائے مبارکہ کی طرح متناسب تھے۔ آپ کے ہاتھ مبارک ناظرین کو بہت دِل آویز دِکھائی دیتے۔ آپ کی کف مبارک چند خطوط کے ساتھ منقش تھیں۔

بیت

حُور کی طرز پر ہے اُن کا نقش ہر دیکھنے والے کے دِل اپنی اُور کھینچتا ہے۔

آپ کی اُنگلیاں مبارک مانندِ الف تھیں۔ جیسے سروِ بہار دونوں ہتھیلیوں کے چشموں پر سر اُٹھاتا ہوا، معرفت کا پھل رکھتی ہیں۔

بیت

اِس شجر کی ہر شاخ ثمر بار ہے۔ اُس ذاتِ پاک کی معرفت کا ثمر رکھتی ہے۔

(اُنگشتِ مبارکہ) تھوڑی فرجہ اور نازک تھیں۔

آپ کے ناخن مبارک چودھویں کے چاند کی طرح چمکدار تھے اور کبھی تاج ہلال کی مانند۔ نیز اپنے ہی سروں پر رکھے ہوئے دِلوں کے شب خون کا باعث تھے، نظارگاں کو اپنی گرفت میں لے لیتے۔

آپ کی دونوں پنڈلیاں صنوبری اور بالوں سے صاف اور نازک تھیں اور نمونہ معرفت تھیں۔

مصرع

خواجہ کی دو پنڈلیاں کیا ہی نمونہ معرفت ہیں

اور آپ کے دونوں پاؤں مبارک جسامت ونحافت میں مانند جمیع اعضا موافق وموزوں تھے۔ آپ کی سولہ انگشت مبارکہ (ہاتھ اور پاؤں کی) درازتھی اور آپ تمام انگشت فراخ رکھتے تھے اور بعض انگلیوں کی پشت پر گولدار گھٹلیاں تھی۔ شاید آپ کے بائیں پاؤں کی پشت پر بھی اس طرح کی گھٹلیاں موجود تھی۔ دونوں ہتھیلیوں پر ایک گہری لکیر کھینچی ہوئی تھی۔ لیکن دائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر انگھوٹھے کے درمیان اواس کے متصل انگشت تک پہنچی ہوئی تھی۔ البتہ بائیں ہتھیلی پر پوری طرح پہنچی ہوئی نہ تھی۔

☆☆☆☆

انورالکریمین

پروفیسر محمد انور بابر ☆

سبز گنبد کی بہار

گنبدِ خضریٰ

شام کا سُہانا وقت ہے۔ ٹھنڈی ٹھنڈی، پیاری پیاری، عطر بار فضا ہے۔ سامنے گنبدِ خضریٰ ہے۔ قریبی مینار نور کی کرنیں بکھیر رہا ہے اور کرنیں بکھر کر گنبدِ خضریٰ کے بوسے لے رہی ہیں۔ یہی وہ گنبدِ خضریٰ ہے، جسے غلامانِ مصطفےٰ ﷺ خوابوں میں دیکھتے ہیں اور جس کے تصور میں ڈوب کر ادراک اور وجدان کو جلا بخشتے ہیں۔ اور جب مقدر والے یہاں آ کر حضوری سے مشرف ہوتے ہیں تو اس کی تجلیات اُن کے دلوں اور آنکھوں میں نور اور مشامِ جاں میں سُرور بھر دیتی ہیں۔

یہی وہ دربار گہربار ہے جہاں گردشِ گردوں کے ہاتھوں ستائے جانے والوں کو تسلی اور حوصلہ ملتا ہے۔ یہاں دوا ملتی ہے اور دُعا بھی۔ اہلِ محبت کو درد بھی ملتا ہے اور درمان بھی۔ یہاں خیرات بھی ملتی ہے اور وسعتِ دامان بھی۔ دین بھی ملتا ہے اور دُنیا بھی۔ ایمان بھی ملتا ہے اور رحمان بھی۔ مجھ جیسے خطا کار، گنہ گار، حقیر، پُر تقصیر، ناکارہ اور آوارہ کو بخشش و عطا کی نوید بھی یہیں عطا کی جاتی ہے:

اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے حبیب ﷺ تمہارے حضور ﷺ حاضر ہوں اور پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول ﷺ (آپ) ان کی شفاعت فرمائیں تو ضرور اللہ کو بہت توبہ کرنے والا مہربان پائیں گے۔ (سورۃ النساء)

اور پھر سرکارِ رسالت آپ ﷺ سے شفاعت کی سند کا اِجرا بھی اسی مقام یعنی روضۂ اقدس سے ہوتا ہے۔ چناں چہ شفیع روزِ جزا خود ارشاد فرماتے ہیں:

جس نے میری قبرِ اطہر کی زیارت کی تو گویا اس نے زندگی میں میری زیارت کی اور اس کے لیے میری شفاعت واجب ہوگئی۔ (حدیث پاک)

بابِ بقیع کے ساتھ والے لان میں انڈیا، ٹرکی اور انڈونیشیا کے زائرین اپنے اپنے مخصوص لباس میں ملبوس قطاروں میں بالترتیب بیٹھے ہوئے روضہ انور کا نظارہ کر رہے ہیں۔ یہ دیدارِ دوست کا کتنا مؤدبانہ اور انوکھا مگر دلکش انداز

☆ پروفیسر (ر)، گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج، لکی مروت، خیبر پختون خواہ

ہے۔

نظارے کو یہ جُنبشِ مژگاں بھی بار ہے
نرگس کی آنکھ سے تجھے دیکھا کرے کوئی

زہے نصیب کہ مجھ جیسانا کارہ وناچیز بھی آج انھیں قطاروں میں ہے۔

تیرے کرم پہ نظر ہے کریم کر دے کرم
میں تیرے در کا بکاری ہوں اور قطار میں ہوں

حرم نبوی کی عظمتیں:

مسجد نبوی شریف میں ہر طرف روشنیوں کی برسات ہو رہی ہے کونہ کونہ بقعۂ نُور اور گوشہ گوشہ رشکِ طور بنا ہوا ہے۔ رات پر دن کا گمان ہوتا ہے۔ دُنیا کا عظیم ترین ہیوی ایئر کنڈیشنڈ پلانٹ یہاں لگا ہوا ہے۔ اذان کے وقت ساؤنڈ سسٹم کے ذریعے آواز رُوح کی گہرائیوں میں اُترتی ہے۔ اور ایک عجیب رُوحانی وعرفانی لذّت کا احساس دِل ودماغ کو تازگی بخشتا ہے۔ یہاں صفائی اور آرائش کو بحال رکھنے کا بھی اعلیٰ ترین انتظام ہے۔ لان، صحن، دَر ودیوار، ستون وشیلف کی چمک دمک کے لیے اور خوشبوئیں بکھیرنے کے لیے یہاں ایک مُستقل ادارہ ''إدارة النظافة والفراش'' قائم کیا گیا ہے۔ جو ہمہ وقت مسجد مبارک کی آراستگی اور شائستگی کو برقرار رکھنے کے لیے مصروف عمل رہتا ہے۔ تنکا گرنے سے پہلے ہٹا دیا جاتا ہے۔ اُسے معطر خیز بنا دیا جاتا ہے۔ فرش پر آئینہ کا گمان ہی نہیں یقین سا ہونے لگتا ہے۔

حرم نبوی کی عظمتوں اور رفعتوں کا الفاظ میں احاطہ ممکن نہیں اور کیسے ممکن ہو جب کہ اسے محبُوب کبریا دانائے سُبل ختم الرُسل اور مولائے کُل سے نسبت ہے اور صرف نسبت ہی نہیں بل کہ خُود صاحب گُنبدِ خضریٰ یہیں مسند نشیں ہیں۔ جن کے حضور میں لاکھوں جن وانس کے علاوہ ستر ہزار ملائکہ مقربین صُبح اور ستر ہزار شام کو درود وسلام کی سوغات پیش کرنے کے لیے دَست بستہ حاضر رہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ کا آستانہ عالیہ وتجلیات کا مرکز اور اسرار ورموز کا مہبط ہے۔

شد جہاں آئینۂ رُخسارِ دوست
ہر دو عالم دَر حقیقت عکسِ اوست

عشقِ رسُول ﷺ:

اللہ کی شدید محبت اور عشقِ رسول پاک ﷺ ہی تو ایمان کی بنیاد ہیں۔ محبت کو شرک اور اظہارِ محبت (ادب) کو بدعت سے تعبیر کرنا مناسب نہیں ہے۔ اگر ہم ظاہر کی آنکھ بند کر کے اور محبت وبصیرت کی آنکھ وا کر کے دیکھیں تو ہر طرف ایک کہکشاں سی تاحدِ فاصل دُور تک پھیلتی چلی گئی ہے۔ جو دُنیا ومافیا کو تو کیا زمین سے عرش تک اور مکاں سے لامکاں تک

سب جہانوں کو اور تمام مقامات کو روشن کرتی چلی گئی ہے۔ جہاں تک کہ انسانی جسم جو تاریکوں کا مسکن رہا ہے۔ وہاں بھی اس کی روشنی رُوح کی کائنات کو مُنور کر رہی ہے۔

ظاہر کی آنکھ سے نہ تماشا کرے کوئی
ہو دیکھنا تو دیدۂ دل وا کرے کوئی

مقبولانِ بارگاہ حق کے مسلک کے ترجمان قلزم قرآنِ مجید وفرقانِ حمید کے غواص شاعرِ اسلام حضرت علامہ اقبال "ارمغانِ حجاز" میں حضورِ پُرنور ﷺ کے روضۂ اقدس پر ایک جگر سوختہ عاشقِ رسول ﷺ کی حاضری کا انداز اپنی زباں بیان کرتے ہوئے ہمیں دربارِ رسالت میں شرف باریابی کے آداب اور اُصول یوں بتاتے ہیں۔

کہ مَن دارم ہوائے منزلِ دوست:

"میرا بدن تو تھک کر چُور ہو گیا مگر رُوح اُس شہر (مدینہ منورہ) کی آرزومند ہے جہاں مکہ مکرمہ سے ہو کر پہنچا کرتے ہیں۔ خُدایا تُو اپنے حرم پاک میں اپنے خاص بندوں سے ملتا رہ، مگر مُجھے دوست کی یاد ستا رہی ہے۔ لہٰذا میں تو تیرے محبوب کے شہر کی طرف جا رہا ہوں۔"

تُو باش ایں جا و با خاصاں بیا میز
کہ مَن دارم ہوائے منزلِ دوست
(اقبال)

عاشقِ رسول اب روضہ پاک پر حاضر ہے۔ وہ محبت کے ہاتھوں مجبور ہو کر اپنی پیشانی دربارِ رسالت کی دہلیز پر رکھتا ہے تو سعودی فرماں روا ملک عبدالعزیز معترض ہوتا ہے کہ یہ شرک اور بدعت ہے۔ علامہ اقبالؒ عاشقِ رسول ﷺ کی زبان سے اعتراض کا جواب یُوں دیتے ہیں۔

"اے ملک عبدالعزیز تُو عشقِ رسول کی لذتوں سے نا آشنا ہے۔ کاش تُو بھی دوست کی محبت کی شراب اس طرح پی لیتا کہ ہمیشہ اُسی کے ساتھ رہتا۔ میں سجدہ نہیں کر رہا ہوں۔ بل کہ اپنی پلکوں سے دوست کے دروازے کی گرد جھاڑ رہا ہوں۔"

پھر حضور ﷺ کی بارگاہ میں عرض کرتے ہوئے علامہ اقبالؒ مزید فرماتے ہیں۔

"اس بے سوز زمانے میں میرے دن مشکل سے کٹ رہے ہیں۔ مجھے جو کچھ ملا وہ حضورِ والا کے عشق کے طفیل ملا۔ مگر اکثر مسلمان عشقِ رسول کی اہمیت سے غافل ہیں۔ یارسول اللہ! برصغیر میں عاشقانِ رسول کا قحط ہے۔ مگر مجھے یہی آغاز اور انجام چاہیے کہ آپ کے کوچۂ محبت کی ایک بات کر لینے کا سوز حاصل کرلوں۔" (ارمغانِ حجاز)

اگر بصیرت کا نُور ودیعت ہو جائے۔ مادیت اور ہوس پرستی کے پردے اُتار لیے جائیں تو انکشاف ہوتا ہے کہ

گنبدِ حضریٰ کے مکیں آج بھی مرکزِ انوار اور مخزنِ تجلیات ہیں، کعبہ معظمہ بھی ان کا طواف کر رہا ہے۔ اور کون ومکاں کے گوشہ گوشہ میں آپ ہی کے رُخِ زیبا کی روشنی بے حجابانہ ضیا پاشی کر رہی ہے۔ یہی وہ راز ہے جسے عرفائے ربانی نے سمجھایا۔ چناں چہ حضور سرورِ کائنات ﷺ کے دربارِ گہر بار کی عظمت وشان کے حوالے سے عارفِ کامل مقبول بارگاہِ رسالت حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ کی رائے کتنی معتبر، مشعلِ راہ اور ایمان افروز ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔

''اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ رسول کریم ﷺ کی زیارت کا قصد کرنا اور آپ کی مسجد شریف کے دیدار سے مُشرف ہونا حجِ مبرور کے برابر ہے۔ بل کہ جس حج کی ادائیگی کے واسطے حجازِ مُقدس آیا ہُوا ہے۔ اس کی قبولیت کا ذریعہ ہے۔'' (جذب القلوب)

اللہ اللہ! حجازِ مُقدس کس محبوب کی سرزمین ہے؛ جس کی اینٹ، ریت، کنکر، پتھر، خس وخاشاک اور ذرّہ ذرّہ سے شانِ محبوبیت کا ظہور ہو رہا ہے۔ یہ محبت کی فطرت ہے کہ محبوب سے نسبت رکھنے والی ہر شے سے محبّ کو اُنس، لگاؤ اور رغبت ہوتی ہے۔ چناں چہ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں ہر مومن مسلمان دیوانہ وار ہر چیز کے دیدار سے مُشرف ہونے کا مُتمنی ہے اور کیوں نہ ہو کہ یہاں کی ہر شے کا تعلق اُس محبوب بے ہمتا سے ہے۔ جو صرف انس وجاں کے دل رُبا نہیں بل کہ حبیب کبریا بھی ہیں۔ اور جن کی محبت دین وایمان کا معیار ہے۔

''تم میں سے کوئی مومن نہ ہوگا جب تک میں اس کے ماں باپ اولاد اور سب انسانوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔'' (بخاری شریف)

صرف یہی نہیں حق تعالیٰ سے مقامِ محبوبیت کا درجہ حاصل کرنے کا ذریعہ بھی آپ ﷺ کے حوالہ ہی سے ہے۔

''میرے حبیب! آپ فرما دیجیے کہ اے لوگو! اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو (پھر) اللہ بھی تم سے محبت کرے گا۔''

اور ایمان کی تکمیل کی سند کا حصول بھی اسی سے عبارت ہے۔ ''میں نے ایمان کا مکمل ہونا اس بات پر موقوف کر دیا ہے کہ (اے محبوب) میرے ذکر کے ساتھ تمہارا ذکر بھی ہو اور میں نے تمہارے ذکر کو اپنا ذکر ٹھہرا دیا ہے۔ بس جس نے تمہارا ذکر کیا۔ اُس نے میرا ذکر کیا۔'' (حدیث قدسی)

بیت اللہ شریف، مقامِ ابراہیم، مولدِ رسولِ پاک ﷺ جنت المعلیٰ، گنبدِ حضریٰ، جبلِ نُور، جبلِ اُحد اور جنت البقیع، عرفان ومعرفت کے سب سے بڑے رُوحانی مراکز ہیں۔ اور اِنھی مقامات پر ''عشقِ رسول ﷺ'' کی دولتِ نایاب کی سوغات بٹتی ہے۔ ''شرک وبدعت'' کی پھونکوں سے عشق کے ان چراغوں کو بُجھانے سے کُفر کے ایوانوں میں روشنی ہوگی۔ دلوں میں محبتوں کی جو چنگاری باقی ہے، اُسے یُوں ہی سُلگتا رہنے دیں۔ اس لیے کہ یہی وہ شرارہ ہے جو خرمنِ باطل کو جلا کر راکھ کر دینے کے لیے کافی ہے۔

جنھیں حقیر سمجھ کر بجھا دیا تُو نے
یہی چراغ جلیں گے تو روشنی ہوگی

مَستم از بادۂ شبانہ ہنوز:

حجازِ مقدس سے آئے ہوئے کافی دن ہوگئے۔ فراق کے ان لمحات کی ابتدا اس وقت ہوگئی تھی، جب ۱۹ مئی ۱۹۹۵ء کی شب جدّہ ایئرپورٹ پر پاکستان واپسی کے لیے تیار بیٹھے تھے۔ یہ دیارِ حبیب میں آخری رات تھی۔ اور مجھے محسوس ہوتا تھا جیسے کل کوئی صبح کا سورج حجازِ مقدس میں مقیم ہم مسافروں کو اپنے وطن سے جُدا کردے گا اور دیارِ غیر میں لے جائے گا۔

یہ شب گزیدہ صُبح کرے گی چمن سے دُور
گلہائے رنگا رنگ کی اِس انجمن سے دُور

کہتے ہیں لوگ آج ہے اپنے وطن کو کوچ
لگتا مجھے ہے جاتے ہیں جیسے وطن سے دُور

بہ ہرحال مادی فاصلوں نے جسمانی بُعد پیدا کردیا ہے۔ مگر تخیلاتی عالم میں، مَیں اب بھی وہیں ہوں اور وہیں رہوں گا۔ حجازِ مقدس کی یادیں میرے حال اور مستقبل کا مُستقل حصّہ ہیں اور انھیں فراموش کرنا میرے اختیار میں نہیں ہے۔

مستم از بادۂ شبانہ ہنوز
ساقیِ من رفت خانہ ہنوز

چناں چہ وہاں سے واپسی کے بعد اب یہ کیفیت ہے کہ ٹھنڈا پانی پیتا ہوں تو زمزم کو حلق سے اُترتا محسوس کرتا ہوں۔ دریائے گمبیلا (لکی مروت کے شمال میں بہنے والا چھوٹا سا دریا) کے کنارے درۂ تنگ (لکی مروت سے مشرق کی طرف واقع ایک مقام جہاں سے ضلع میانوالی کی حدود کا آغاز ہوتا ہے) کی پہاڑیاں دیکھتا ہوں تو "صفا مروہ" کو سامنے پاتا ہوں۔ دُور تک بکھری ہوئی "بالو" پر راہگیروں کے پیروں کے نشانات پر نظر پڑتی ہے تو مقامِ ابراہیم کی یاد تازہ ہوجاتی ہے۔ جب سورج کا تابناک چہرہ مغرب کے گیسوؤں میں روپوش ہوجاتا ہے اور رات کی سیاہ چادر دُنیا و مافیا کو اپنی لپیٹ میں لیتی ہے تو دل کعبہ کے سیاہ پوش غلاف کا طواف کرنے لگتا ہے۔

کالج جاتے ہوئے سڑک کے کنارے پتھروں کے ڈھیر دیکھتا ہوں جو بجری بنانے کے لیے کوٹے جارہے ہیں تو سوچنے لگتا ہوں کہ قدرت کی بے نیازی کی کیا شان ہے کہ ایک پتھر وہ بھی ہے جسے بیت اللہ شریف نے اپنی آغوش میں

اُٹھا رکھا ہے، اور جس کا بوسہ لینے کے لیے اشرف المخلوقات کی قطاریں بے قرار ہو کر ایک دوسری پر ٹوٹی پڑتی ہیں۔ صرف اس لیے کہ محبوبِ خُدا نے اسے بوسہ دیا تھا۔

تیرے بوسے کو ہم دیتے ہیں بوسہ سنگِ اسود پر
وگرنہ ہم مُسلمانوں کا تھا کیا کام پتھر سے

وہاں سے واپس آئے ہوئے چھ ماہ ہو رہے ہیں مگر ابھی تک ہر لمحہ اور ہر منظر سرزمینِ حجاز و طیبہ کی یاد دلاتا ہے۔ یاد بھی تو بہت عظیم سرمایۂ محبت ہے۔ جیسا کہ حضرت مولانا روم فرماتے ہیں کہ

یادِ اُو سرمایۂ ایماں بوَد
ہر گدا از یادِ اُو سُلطاں بوَد
بس بُزرگی ہاست اندر یادِ اُو
یادِ اُو کُن ، یادِ اُو کُن ، یادِ اُو

☆☆☆☆

مکالمہ

سید نصرت بخاری☆

سوالات: سید نصرت بخاری

جوابات: ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد

ارشد محمود ناشاد، ڈاکٹر: (محقق، شاعر) اٹک کے ادبی افق پر تیز روشنی کا ستارہ تقریر و تحریر، نظم و نثر، تنقید و تخلیق، ہر میدان میں بہت ثروت مند ہیں۔ اصل نام ارشد محمود ہے۔ یکم جنوری ۱۹۷۰ء میں تحصیل پنڈی گھیب کے گاؤں ڈومیال میں ایک غریب گھرانے میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام اصغر علی ہے۔ ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں سے حاصل کی؛ لیکن سیماب پائی کے باعث ثانوی تعلیم تک کئی ادارے تبدیل کیے۔ ۱۹۸۶ء میں ایف جی بوائز ہائی سکول اٹک کینٹ سے میٹرک کا امتحان پاس کیا؛ بعدازآں گورنمنٹ کالج اٹک میں داخلہ لیا اور ۱۹۸۸ء میں ایف اے میں کامیاب ہوئے؛ اسی کالج سے ۱۹۹۱ء میں بی اے میں سرخ رو ہوئے۔ ۱۹۹۳ء میں پنجاب یونی ورسٹی سے ایم اے اردو اور ۱۹۹۵ء میں ایم اے پنجابی کے امتحانات یکے بعد دیگرے پاس کیے۔ ۲۰۰۶ء میں ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی کی نگرانی میں ''اُردو غزل کا تکنیکی، ہیئتی اور عروضی سفر'' کے موضوع پر مقالہ لکھا اور پنجاب یونی ورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری لی۔

۱۹۹۴ء میں اورینٹل ڈگری کالج اٹک سے ملازمتی زندگی کا آغاز کیا۔ کچھ عرصہ پی اے سی کامرہ میں ایم۔ او۔ ڈی۔ سی کور کے جوانوں کو پڑھاتے رہے۔ ۱۹۹۶ء میں پاکستان انٹرنیشنل پبلک سکول اینڈ کالج گوجرانوالہ میں استاد شعبۂ اُردو مقرر ہوئے۔ مارچ ۱۹۹۷ء میں گورنمنٹ کالج آف کامرس میں تعینات کیے گئے۔ ۲۰۰۷ء میں علامہ اقبال اوپن یونی ورسٹی کے شعبۂ اُردو سے منسلک ہوئے۔ ۱۹۸۵ء میں شعر گوئی کا آغاز کیا اور بزرگ شاعر اصغر بریلوی سے اصلاح لینے لگے۔ بہت جلد اپنے جداگانہ اسلوب کی وجہ سے اٹک کے اساتذۂ فن کی توجہ حاصل کر لی۔ شروع شروع میں شعر گوئی کے ساتھ ساتھ سخت گیر ناقد کے طور پر بھی شہرت حاصل کی؛ بعدازآں تحقیق کی طرف رُجحان زیادہ ہو گیا۔ علاقائی سطح کے علمی کام تو منظرِ عام پر آتے رہے لیکن ضلع اٹک کے لیے خلوصِ نیت سے علمی کام کرنے کی بنیاد ارشد محمود ناشاد نے رکھی۔ ضلع بھر کے تاریخی مقامات کی تصاویر لیں اور انھیں اپنے پاس محفوظ کر لیا، ضلع کے تاریخی مقامات کی اتنی تصاویر شاید ہی کسی کے پاس ہوں گی۔ اصغر بریلوی کے بعد آپ نے غیر علانیہ طور پر نذر صابری کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا، نذر صابری کی صحبت، تربیت، اعتماد اور حوصلہ افزائی نے ان کی صلاحیتوں کو جلا ملی۔

☆ لیکچرر شعبۂ اُردو، گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج، اٹک

ان کی تنظیموں، محفل شعر و ادب اور مجلس نوادرات علمیہ کے اجلاسوں میں شرکت کے باعث ادب کا ذوق نکھرا۔اس کے بعد شہرت اور ترقی کے مدارج یوں طے کیے کہ معجزہ معلوم ہوتا ہے۔محنت پر یقین نہ کرنے والوں کے لیے آپ مثال ہیں۔اردو اور پنجابی زبان میں لکھتے ہیں۔آغاز سفر میں یوں دکھائی دیتا تھا کہ آپ پنجابی زبان و ادب کی طرف جائیں گے لیکن بعد ازاں آپ کا رُجحان اُردو زبان کی طرف دکھائی دیا۔۱۹۹۴ء میں قلم قافلہ، کھاریاں نے غزل ایوارڈ سے نوازا۔الاقربا فاؤنڈیشن، اسلام آباد نے شاعری پر ۲۰۰۴ء میں ''نشانِ سپاس'' عطا کیا۔''اپنا گراں ہووے'' پر مسعود کھدر پوش ایوارڈ حاصل کیا۔عروض پر کامل دست گاہ حاصل ہے۔۱۹۹۰ء میں ''پنجابی ادبی سنگت'' کی بنیاد رکھی؛اس کے علاوہ پاکستان رائٹر گلڈ لاہور، مجلس نوادرات علمیہ اٹک، اقبال اکادمی پاکستان لاہور کے رُکن ہیں۔رسالہ ''پنجابی ادب، اٹک نمبر'' کی ادارت کی۔گورنمنٹ کالج آف کامرس کے مجلّے ''امکان'' کے پہلے مدیر ہونے کا اعزاز حاصل ہے نیز ''امکان'' کا اجرا آپ کی مسلسل کوشش کا منت پذیر ہے۔''سرمد اکادمی'' کے نام سے ایک اشاعتی ادارہ بھی ان کی ملکیت ہے۔

مطبوعات میں آغوشِ گل (شاعری)، مقالاتِ برق (ترتیب)، ابھی تک تم نہیں سمجھے (شاعری)، ضلع اٹک دے پنجابی شاعر (تحقیق)، اشلوک (ترجمہ)، اٹک کے اہلِ قلم (تحقیق)، یادگار احمد بخش برنگ، چھاچھی بولی (تحقیق)، اُردو غزل کا تکنیکی، ہیئتی اور عروضی سفر (تحقیق)، مکاتیب رشید حسن خاں بنام رفیع الدین ہاشمی، مکاتیب آرزو بہ نام ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی، رنگ (شاعری:اس مجموعے کا ابتدائی نام''اجمال'' تھا)، اپنا گراں ہووے (تحقیق)، تذکرۂ علما (تحقیق)، اطراف تحقیق (تحقیق)، بادۂ ناخوردہ، انتخابِ کلیاتِ میر، کتاب نامہ (مثنوی)، جادۂ تحقیق (تحقیق)، کتب خانہ مولانا محمد علی مکھڈی دے پنجابی خطی نسخے، وغیرہ کے نام شامل ہیں۔

سوال ا۔ آپ شاعر محقق اور نقاد ہیں۔آپ کے نزدیک آسانی کس میں ہے؟

جواب: آپ کا سوال جس قدر سادہ نظر آتا ہے ویسا ہے نہیں۔اس طرح کے آسان سوال کا جواب دینا سہل نہیں ہوتا۔ادب کے ساتھ میری وابستگی کا زمانہ تیس پینتیس برسوں پر محیط ہے۔میں نے آغاز شعر گوئی سے کیا۔باقاعدہ تنقید تو میں نے نہیں لکھی البتہ گاہے گاہے میں نے ایسی تحریریں لکھی ہیں جن میں کہیں کہیں تنقید کا رنگ گھلا ہوا ہے۔تنقید کا یہ رنگ میرے ذاتی تاثر سے پیدا ہوا ہے کسی تنقیدی دبستان یا کسی باقاعدہ تنقیدی نظام کا منت گزار نہیں۔اس لیے میں نے کبھی ناقد ہونے کا دعویٰ کیا ہے اور نہ کبھی باقاعدہ تنقید لکھنے کی خواہش رکھی ہے۔جہاں تک تحقیق کا تعلق ہے اس میں اپنی استعداد کے مطابق میں نے کچھ حصہ ڈالنے کی کوشش کی ہے۔بغیر کسی ادعا کے، بنا کسی زعم کے۔کیوں کہ میں سمجھتا ہوں کہ تحقیق بے

حد جو کھم کا معاملہ ہے۔ اعلا سطح کی تحقیق کے لیے جن وسائل کی، جس استعداد کی اور جس قدر وقت کی ضرورت ہوتی ہے، وہ ہم جیسے زندگی کے بہت سارے مسائل میں اُلجھے ہوئے لوگوں کو میسر نہیں۔ جس طرح شعر کہنا بظاہر بہت آسان کام دکھائی دیتا ہے اور ہے بھی مگر اچھا شعر کہنا بہت مشکل کام ہے، اسی طرح اچھی تحقیق کے لیے بھی دیدہ و دل کو فرشِ راہ کرنا پڑتا ہے۔ ادب کے مسافر کے پاس اگر ذوق وشوق کا سرمایہ وافر ہے تو کسی بھی صنف میں کسی بھی ہیئت میں اسے اظہار کی دشواری نہیں ہوگی۔ مجھے غزل کہنے اور تحقیقی مضمون لکھنے میں ایک جیسی سہولت ہے، ان سے ایک جیسی طمانیت ہوتی ہے یہ الگ بات کہ غزل اکثر وبیش تر ایک ہی نشست یا ایک ہی موڈ میں مکمل ہو جاتی ہے اور تحقیقی مضمون کئی دن کی دیدہ ریزی کے بعد مکمل ہوتا ہے۔

سوال ۲۔ بہت کم ایسا ہوا کہ محقق ہونے کے ساتھ ساتھ کوئی شخص اچھا شاعر بھی ہے۔ ایک اچھا محقق اچھا شاعر کیوں نہیں ہوتا؟

جواب: اس بات کو ایک قاعدہ یا کلیہ تو قرار نہیں دیا جاسکتا۔ ہاں اکثر ایسا دیکھنے میں آیا ہے کہ بڑے محققین اعلا شعری ذوق رکھنے کے باوجود بہ طور شاعر اُبھر کر سامنے نہ آسکے۔ اس کی متعدد وجوہ ہیں۔ سب سے بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہر شعبہ توجہ چاہتا ہے اور انہماک کے بغیر اس میں کچھ بڑا کرنا مشکل ہوتا ہے۔ تحقیق بہت مشکل، ہمت شکن، صبر آزما اور دیدہ ریزی کا کام ہے۔ تحقیق وجستجو کے اس سفر میں شعری فضا خلق نہیں ہوسکتی۔ اس کے باوجود بعض محققین کے ہاں اچھی شاعری دیکھنے کو مل جاتی ہے، جیسے وحید قریشی، مشفق خواجہ، نذر صابری، تحسین فراقی، معین نظامی وغیرہ

سوال ۳۔ آپ یونی ورسٹی میں تحقیق کے شعبہ سے وابستہ ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ ہر سال کتنے ایم فل اور پی ایچ ڈی ڈگری حاصل کرتے ہیں۔ ڈگری حاصل کرنے کے بعد یہ لوگ کہاں گم ہو جاتے ہیں کہ کسی رسالے میں ان کے مضامین ومقالات دکھائی نہیں دیتے؟

جواب: جامعاتی تحقیق وقتی ضرورت اور مصلحت کے تابع ہے۔ دوسروں کی دیکھا دیکھی اور محکمانہ ترقی یا مالی فائدہ کے لیے ریسرچ اسکالروں کی ایک فصل اُگ آئی ہے۔ یہ نام نہاد اسکالر یہاں وہاں داخلہ لے لیتے ہیں اور کچے پکے موضوعات پر عاجلانہ مقالات لکھ کر یا لکھوا کر سرخ رو ہو جاتے ہیں اور جس کام کے لیے انھوں نے یہ سب کچھ کیا ہوتا ہے وہ پورا ہو جاتا ہے تو کنارہ گیر ہو جاتے ہیں۔ اس سارے عمل میں جذب وشوق کہیں بنیادی توانائی کی حیثیت میں شریک نہیں ہوتا۔ ہاں ایسے ریسرچ اسکالر جو ذوق وشوق کے ساتھ اس میدان میں اترتے ہیں وہ ڈگری کے حصول کے بعد بھی سرگرمِ تحقیق رہتے ہیں اور ایسے منصوبوں پر محنت سے کام کرتے ہیں جن کی ضرورت ہے۔ ان کی کتابیں، مقالات اور تحریریں شائع ہوتی رہتی ہیں جن سے بازارِ تحقیق کی تھوڑی بہت رونق قائم ہے۔

سوال ۴۔ ایچ ای سی کے منتخب رسائل میں زیادہ تر یونی ورسٹیوں سے وابستہ اساتذہ کے مضامین ومقالات ہی چھپتے

ہیں۔ کیا ان رسائل کو صرف پی ایچ ڈی اور ایم فل سطح کے طلبہ کے لیے مخصوص نہیں ہونا چاہیے؟

جواب: مکمل طور پر تو ایسا نہیں ہے کہ تحقیقی مجلے میں تمام مضامین محض اساتذہ کے ہوتے ہیں، ہاں یہ درست ہے کہ ریسرچ اسکالرز کا تناسب کہیں کہیں کم ہے۔ اساتذہ کی ترقی، فضیلت اور مالی بہبود میں چوں کہ تحقیقی مقالات کا اہم کردار ہے اس لیے وہ بھی کچھ کچے، بے رس اور غیر مفید مقالات لکھ کر ہوس کی دوڑ میں شریک ہو جاتے ہیں۔ بعض تو طلبہ کے مضامین پر اپنا نام لکھ کر شریکِ مصنف بن جاتے ہیں حالاں کہ اس میں ان کا مطلق کچھ حصہ نہیں ہوتا۔ ایچ ای سی کے منظور شدہ رسائل میں ریسرچ کے طلبہ اور اساتذہ کے مضامین شائع ہونے چاہییں مگر اس معیار کے نہیں جیسے اب چھپ رہے ہیں۔ ان میں بعض تو محض عاجلانہ تنقیدی تبصرے ہوتے ہیں جو تحقیق کے نام پر پیش کیے جاتے ہیں۔ تحقیق کے مزاج میں کاتا اور لے دوڑی کا رنگ شامل کرنے میں ان رسائل کا قصور نسبتاً زیادہ ہے۔

سوال ۵۔ آپ ایک محقق ہیں، کیا جدید ٹیکنالوجی کی آمد سے تحقیقی اصولوں میں تبدیلی کی ضرورت محسوس کرتے ہیں؟

جواب: ٹیکنالوجی کی روز افزوں ترقی نے انسانی زندگی کے ہر شعبے کو متاثر کیا ہے۔ تحقیق کے شعبے میں بھی اس کے واضح اثرات مرتب ہوئے ہیں۔ ہمارے اکابر محقق اور مخطوطہ شناس اپنے علم اور تجربے سے مخطوطے کی عمر، کاغذ کی قسم اور عہد اور روشنائی کا زمانہ اور اجزا معلوم کر لیتے تھے مگر عہدِ موجود میں تو ایسے اصحاب علم و فضل موجود نہیں؛ اب ٹیکنالوجی نے محققین کے لیے سہولت پیدا کر دی ہے۔ ایسی مشینیں اور آلات وجود میں آ گئے ہیں جو کاغذ کی عمر، روشنائی کے اجزا اور مخطوطے کے زمانے کا فوری تعین کر دیتے ہیں۔ اگرچہ یہ مشینیں ابھی بہت عام نہیں تاہم ترقی یافتہ ممالک میں ان سے فائدہ اٹھایا جا رہا ہے۔ اسی طرح متن کی مختلف رسوم میں کمپوزنگ، ناخوانا مقامات کو مکبر کر کے پڑھنے، اشاریہ بنانے، کتابیات سازی جیسے تھکا دینے والے کاموں میں کمپیوٹر محقق کا معاون و مددگار ہے۔ کتابوں کی دستیابی اور قلمی نسخوں کی سکینگ جیسے کئی معاملات میں ٹیکنالوجی سے فائدہ ہوا ہے۔ تاہم اس کے ساتھ بعض منفی اثرات بھی مرتب ہوئے ہیں۔ محققین زیادہ تن آسان ہو گئے ہیں اور سرقے کی فضا زیادہ مستحکم ہوئی ہے۔ دوسروں کے مال کو نقل کرنا اور لے اڑنا عام ہو گیا ہے۔ ابھی تحقیق کے نئے ضوابط مرتب نہیں ہو سکے تاہم ان کی ضرورت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

سوال ۶۔ جس ملک میں لیبارٹریز انسانی صحت کی پروا نہیں کرتیں اور پیسے لے کر بغیر لیبارٹری ٹیسٹ کے فرضی رپورٹ مریضوں کو دے دیتی ہیں، وہاں قلمی نسخوں کے متعلق رپورٹ پر کیسے اعتبار کیا جا سکتا ہے؟

جواب: اسی رویے اور اسی چلن نے تو مسلمانوں سے دولتِ اعتبار چھین لی ہے اور ذلت و نکبت ان کا مقدر بن گیا ہے۔ آج وہ اقوامِ عالم میں ذلیل و رسوا ہیں ورنہ کیا مسلم ممالک کے پاس وسائل نہیں؟ کیا ان ممالک میں مردانِ کار کی کمی ہے؟ کیا ان کے پاس مالک کی عطا کردہ صلاحیتیں نہیں؟ سب کچھ ہے مگر غلامی کے بندھنوں میں جکڑے ہوئے ہیں اور استعمار کے اشاروں پر ناچ کر اپنے تشخص کی دھجیاں اڑنے کا تماشا کر رہے ہیں۔ جعلی رپورٹیں اصلی کی جگہ نہیں لے

سکتیں۔ مخطوطات کے بارے میں اگر اس طرح جعلی اور فرضی رپورٹیں آئیں گی تو کوئی نہ کوئی ان کے جعل کا پردہ چاک کرنے والا بھی آئے گا۔ دنیا کبھی اہلِ خیر سے خالی نہیں ہوتی۔ مشینوں کے زمانے سے بہت پہلے بھی جعل سازی ہوتی رہی۔ نسخے غلط ناموں سے منسوب ہوتے رہے، وقتی لالچ یا مفاد کے لیے نسخوں میں تحریف اور تبدیلی ہوتی رہی مگر وہ جعل زیادہ عرصہ چل نہ سکا اور کبھی حافظ محمود شیرانی، کبھی قاضی عبدالودود، کبھی مولانا عرشی، کبھی وحید قریشی، کبھی نذر صابری اور کبھی نجم الاسلام جیسے صاحبانِ نظر ان کی قلعی کھولتے اور ان کی حقیقت کو سامنے لاتے رہے۔ آئندہ بھی ان کے فیضِ نظر سے ایسے حق شناس آتے رہیں گے۔

سوال ۷۔ تعلیم کو ڈگریوں سے ماپا جاتا ہے۔ میراجی اور سعادت حسن منٹو کے پاس چوں کہ اعلیٰ سرکاری ڈگری نہیں اس لیے وہ ہمارے عہد میں چپراسی کی سیٹ کے بھی اہل نہیں۔ یہ نہیں دیکھا جائے گا کہ اپنے اپنے میدان میں ان کا کوئی ثانی نہیں اور ان پر ایم فل اور پی ایچ ڈی کرنے والے ان ڈگریوں کی وجہ سے کہاں جا پہنچے ہیں۔ کیا ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ اس معیار کے حامل افراد کی جانچ کے لیے ایک کمیٹی بنائی جائے جو پڑتال کے بعد انھیں پی ایچ ڈی کی ڈگری اور فوائد جاری کرے؟

جواب: شاہ صاحب بلاشبہ ڈگری علم کا پیمانہ نہیں ہے مگر سماجی ضرورت ہے اور یہ اس کو ملتی ہے یا ملنی چاہیے جو اس کا طالب ہو اور اس کے لیے کوشش کرے۔ ایک سچے تخلیق کار کو کسی ڈگری کی ضرورت نہیں ہوتی۔ وہ اپنے نشۂ ہنر میں سرمست رہتا ہے۔ اب اگر میراجی اور منٹو کو ڈگری دے دی تو میر اور غالب ناراض ہوں گے۔ پھر ہر تخلیق کار اپنے آپ کو سب سے عظیم سمجھتا ہے۔ کون سی کمیٹی مقرر کی جائے جو تخلیق کار کے مقام و مرتبے کی تعیین کرے۔ اس کمیٹی میں جس گروہ کے بندے شامل ہوں گے اس گروہ کے لوگوں کو ڈگریاں مل جائیں گی اور دھڑے بندی سے الگ تخلیق کار رہ جائیں گے۔ سو مفت کی ڈگریاں بانٹنے کا ایک نیا ادارہ نہ کھولیں۔ تخلیق کار اگر ڈگری کا طالب ہے تو اقبال کی طرح داخلہ لے مقالہ لکھے اور ڈگری حاصل کرے۔ اب اقبال سے بڑا تو کوئی تخلیق کار نہیں۔ منٹو نے تو رو رو کر میٹرک کیا اور ایف اے میں بھاگ گیا اب ایسے کالجوں سے بھاگنے والوں کو تو ڈگری نہیں دی جا سکتی نا۔ ہاں وہ وہ اچھا کہانی نویس تھا اس لیے اس کے اس پہلو کا اعتراف ہوا اور احترام بھی۔

سوال ۸۔ ایم فل اور پی ایچ ڈی کرنے والوں کو فعال رکھنے کے لیے سال میں ایک تحقیقی مقالہ لکھنے کی شرط ہونی چاہیے؟

جواب: اس کا میرے خیال میں کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ جو ایک مقالہ نہ لکھ سکے اس کو کیا سزا ملے گی؟ کیا اس کی ڈگری ضبط کر لی جائے گی؟ کیا اس سے کوئی جرمانہ وصول کیا جائے گا اگر ایسا کچھ ہوا تو تن آسان کسی سے لکھوا لیں گے۔ اس سب کا ریکارڈ کون رکھے گا؟ پہلے تحقیق کا شعبہ نہایت برے حالات کا شکار ہے ہر سال برے مقالات و مضامین کا اضافہ کیا اس کے بوجھ کو مزید بڑھا نہیں دے گا؟ پھر یہ کہ بعض تحقیقی مضامین و مقالات تو دو تین ماہ کی محنت سے مکمل ہو جاتے ہیں بعض کئی

سال کی ریاضت کے بعد بھی مکمل نہیں ہو پاتے۔ اس معاملے کو ذوق وشوق پر ہی رہنے دیں تو اچھا ہے۔ جس میں تحقیق کی سچی لگن ہو وہ بغیر کام کے نہیں رہ سکتا جس طرح مچھلی پانی کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی۔ ہمارے بعض اکابر پیرانہ سالی میں بھی اٹھارہ اٹھارہ گھنٹے کار تحقیق میں لگے رہتے ہیں۔ ان کے جذب وشوق کی مثالیں عام کرنے کی ضرورت ہے تا کہ نوجوان محققین کو تحریک ملے۔ میں ایسے چند اکابر کا ذکر ضروری سمجھتا ہوں جو ہمہ وقت مصروف رہتے ہیں اور ان کے جذب وشوق کا اظہار ان کے گراں قدر مقالات اور کتابوں سے ہوتا ہے جو بلاشبہ مختلف شعبوں کی ثروت میں اضافہ کرتی ہیں۔ ڈاکٹر معین الدین عقیل، ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی، ڈاکٹر سفیر اختر، ڈاکٹر مظہر محمود شیرانی، ڈاکٹر عارف نوشاہی، پروفیسر اقبال مجددی جیسے کئی رجال کار ہمارے معاشرے میں موجود ہیں ہمیں ان سے سبق لینا چاہیے۔

سوال۹۔ ایم فل اور پی ایچ ڈی سطح کے طالب علم اساتذہ کے عدم تعاون کی شکایت کرتے ہیں۔ یہ تصویر کا ایک رخ ہے۔ آپ کا ایم فل پی ایچ ڈی سکالرز سے براہ راست رابطہ ہے۔ تصویر کا دوسرا رُخ کیا ہے؟

جواب: ریسرچ اسکالرز کا یہ شکوہ بڑی حد تک درست ہے کہ اساتذہ ان کے ساتھ پوری طرح تعاون نہیں کرتے اور ان کی مکمل رہنمائی نہیں کرتے، انھیں وقت نہیں دیتے وغیرہ وغیرہ لیکن دونوں طرف ہے آگ برابر لگی ہوئی کے مصداق ریسرچ اسکالرز کا رویہ بھی کسی طرح لائق تحسین نہیں۔ میرا خیال ہے کہ اس کا سب سے بڑا سبب مطالعے کی کمی ہے۔ استاد یا نگران چوں کہ خود مطالعے سے گریزاں ہے اس لیے وہ موضوع تحقیق پر اسکالر کی کیا رہنمائی کرے؟ وہ طالب علم سے جان چھڑانا چاہتا ہے اور اس کا سامنا کرنے سے کتراتا ہے۔ طلبہ بھی اپنے نگران کی روش پر چلتے ہوئے مطالعے سے دُور رہتے ہیں اور بغیر محنت کے ڈگری حاصل کرنے کا خواب آنکھوں میں لیے پھرتے ہیں۔ جو نگران ذرا سختی کرتے ہیں اور اسکالر کو پڑھنے اور محنت کرنے کی تاکید کرتے ہیں انھیں طلبہ کے حلقے میں اچھی نظر سے نہیں دیکھا جاتا۔ طلبہ لاپروائی کرتے ہیں، تلاش وجستجو سے گھبراتے ہیں۔ لوازمے کی فراہمی کے لیے لائبریریوں اور کتب خانوں میں جانے کا انھیں وقت ہی نہیں ملتا یہی وجہ ہے کہ وہ دوسرے درجے کے مآخذ ومصادر سے کام چلانے کی کوشش کرتے ہیں اور چند کتابوں کی مدد سے اپنا تحقیقی کام مکمل کرنے کو ہی تحقیق خیال کرتے ہیں۔ بہت وقت ضائع کر دیتے ہیں اور آخر میں عجلت کے ساتھ کچا پکا مقالہ مکمل کر کے جمع کرانے کی کوشش کرتے ہیں اس موقعے پر اگر انھیں روکا جائے تو پھر انھیں شکایات پیدا ہونے لگتی ہیں۔ کسی ایک طبقے کو قصوروار نہیں ٹھہرایا جاسکتا دونوں برابر کے شریک ہیں۔

سوال۱۰۔ یہ بھی شکایت ہے کہ بعض اساتذہ ایم فل اور پی ایچ ڈی سطح کے طلبہ کی اسائمنٹس میں استادانہ ردوبدل کر کے اپنے نام سے رسائل وغیرہ میں شائع کروا دیتے ہیں؟

جواب: جی بالکل درست بات ہے صرف استادانہ پر اعتراض ہے۔ استادانہ ردوبدل کرنے میں بھی کچھ صلاحیت درکار ہوتی ہے۔ جو نام نہاد اساتذہ طلبہ کے مال پر ہاتھ صاف کرتے ہیں وہ کسی بھی صلاحیت سے عاری ہوتے ہیں۔ وہ جابجا

بے نقاب ہوتے ہیں مگر غیرت سے عاری ہو جانے کے باعث ان پر مطلق اثر نہیں پڑتا۔ گلی گلی میں یونیورسٹیاں کھل گئی ہیں اور فیکلٹی پوری کرنے کے لیے نام نہاد پی ایچ ڈی اساتذہ بھرتی کر لیے جاتے ہیں۔ ایسے ہی چور دروازوں سے آئے ہوئے ریسرچ اسکالروں کے مال پر نظر رکھتے ہیں۔ ایچ ای سی کے منظور شدہ رسائل میں طلبہ کے مضامین کے اوپر اساتذہ، نگران کار اور صدور شعبہ جات اپنا نام بھی نتھی کر دیتے ہیں۔ اس پر کوئی باز پرس نہیں ہوتی کہ سکالر نے کیا کیا ہے اور اس کے نگران یا استاد نے کیا موتی جڑے ہیں۔ یوں ایک ہی مضمون اسکالر کو بھی فائدہ دیتا ہے اور استاد کو بھی۔ یہ رویہ یہاں وہاں ہر جگہ موجود ہے۔ ہاں اس طرح کے لوگ تعداد میں کم ہیں مگر ان کی موجودگی نے ساری فضا کو گدلا کیا ہوا ہے۔

سوال ۱۱۔ سننے میں آیا ہے کہ پرائیویٹ یونی ورسٹیاں سخت ممتحن کو مقالہ بھیجتے ہوئے ہچکچاتی ہیں؟

جواب: جی یہ بات بڑی حد تک درست ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ اپنے مبلغ علم کے باعث نگرانِ کار اپنی منصب سے انصاف نہیں کر سکتا اور اگر اس کی زیرِ نگرانی ہونے والے کام پر تنقید ہو تو اس کو وہ اپنی سبکی خیال کرتا ہے۔ اس لیے وہ ایسے ممتحنین کو بھجوانے کی کوشش کرتا ہے جس سے اس کے مراسم ہوں۔ اگر اس کی مرضی کے خلاف کسی ممتحن کو مقالہ جانچ کے لیے چلا جائے تو سفارش تلاش کر کے ممتحن تک جا پہنچتا ہے اور منت و خوشامد سے یا دوسرے کسی ذریعے سے مثبت رپورٹ حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ اگر ممتحن اصول پرست اور دیانت دار ہو اور اس کو خریدنا آسان نہ ہو تو اس کا پتا کاٹنے کی کوشش کی جاتی ہے اور یہاں وہاں اس کی برائی کر کے اس کی شخصیت کو مسخ کرنے کی بھونڈی اور گھٹیا حرکت کی جاتی ہے۔ بہت کم ایسے شعبے ہیں جہاں تنقید کو کشادہ دلی سے قبول کرنے کا رجحان پایا جاتا ہے۔

سوال ۱۲۔ ایم فل اور پی ایچ ڈی محض فضیلت کی ڈگریاں ہیں یا طلبہ کو تحقیق پر اُکسانے کی ہمدردانہ کوشش ہے؟

جواب: اپنی اپنی صلاحیت اور استعداد کی بات ہے۔ کوئی علم کے ان مراحل کو طے کرتے ہوئے سنجیدگی سے وابستۂ تحقیق ہو جاتا ہے اور کوئی محض ان مراحل کو عبور کرنا ہی حاصل خیال کرتا ہے۔ ایسے کئی تحقیق کار ہیں جو ڈگری کے حصول کے بعد زیادہ محنت، لگن، شوق اور دیدہ ریزی کے ساتھ کام کرتے ہیں اور کوئی ڈگری حاصل کر کے بھی معدوم ہو جاتے ہیں۔ جس طرح بارش کا کام برسنا ہے جس زمین میں نمو کی خواہش انگڑائیاں لیتی ہے اس پر بارش کا اثر فوری ہوتا ہے اور وہ سرسبز وشاداب ہو جاتی ہے مگر وہی بارش بنجر اور شوریلی زمین میں برگ وثمر لانے میں کامیاب نہیں ہوتی۔ قصور بارش کا نہیں زمین کا ہے۔ تحقیقی ماحول اس پر اثر انداز ہوتا ہے جس باطن میں تحقیق کا شعلہ روشن ہوتا ہے۔

سوال ۱۳۔ اکثر طلبہ ایم فل اور پی ایچ ڈی کی سند لینے کے بعد غائب ہو جاتے ہیں۔ یہ طلبہ کی غلطی ہے یا اساتذہ کا قصور؛ کہ طالب علم تحقیق کی لذت سے آشنا نہ ہو سکا؟

جواب: ابھی میں نے گزارش کی زمین میں خواہشِ نمو کا ہونا شرط اول ہے۔ وسائل، ماحول اور تحریک بعد کے ذرائع ہیں۔ ذوق خداداد ہوتا ہے۔ استاد یا رہنما تو اس کو پالش کرتا اور نکھارتا ہے وہ کسی کے اندر ذوق پیدا کرنے پر قادر نہیں۔

سوال ۱۴۔ تحقیق میں متن کی مکمل تفہیم کے لیے رموز اوقاف اور مستعمل علامات میں بعض اوقات اضافے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔آپ اتفاق کرتے ہیں؟

جواب: جی بالکل درست ہے۔ بنے بنائے سانچے اور قواعد و اصول بسا اوقات کم پڑتے دکھائی دیتے ہیں۔تاہم جنھیں ایسی ضرورتیں پیش آتی ہیں وہ خود ہی کوئی علامت یا اصطلاح وضع کر کے کام چلا لیتا ہے۔ویسے جملہ رموز اوقاف کا درست استعمال کرنے والے ہیں کتنے لوگ؟ عام لکھنے والوں کی بات تو رہی ایک طرف اچھے خاصے تحقیق کے شعبے سے وابستہ افراد بھی سکتے، وقفے اور رابطے تک کے درست استعمال پر قادر نہیں۔ایک رُجحان یہ بھی اس طبقے میں عام طور پر دیکھا جا سکتا ہے کہ وہ رموز اوقاف کی اہمیت اور ضرورت کو بھی کوئی خاص اہمیت نہیں دیتے۔

سوال ۱۵۔ بزرگ محققین اقتباس کے ساتھ ہی حوالہ درج کر دیتے تھے۔بعد میں حوالہ باب کے آخر میں لکھا جانے لگا۔موجودہ دور میں کمپیوٹر کی وجہ سے قطع برید اور ترمیم و اضافے کا چلن بڑھ گیا ہے۔کیا یہ مناسب نہیں کہ حوالہ اقتباس کے ساتھ ہی درج کر دیا جائے؟

جواب۔ اس میں بہ ظاہر تو کوئی قباحت نہیں تاہم اگر ایک باب یا ایک فصل کے سب حوالوں کو ایک نظر دیکھنا تو صفحہ صفحہ اور ہر ایک اقتباس دیکھنا پڑے گا۔ پھر اقتباس کے بعد درج کیا گیا حوالہ متن کی روانی کو متاثر کرتا ہے۔اگر انگریزوں کی طرح حوالۂ مختصر کا اتباع کیا جائے تو وہ زیادہ جگہ بھی نہیں گھیرے گا اور متن میں الجھاؤ پیدا کرنے کا محرک بھی نہیں بنے گا۔ ہمارے ہاں تو حوالے کے طریق کار میں ایک انتشار دکھائی دیتا ہے۔جتنے مقالے لکھے جاتے ہیں، غالباً اتنے ہی حوالہ دینے کے انداز اختیار کیے جاتے ہیں۔دراصل یہ ایچ ای سی کے کرنے کا کام ہے کہ وہ سب یونی ورسٹیوں میں رسمیات تحقیق میں یکسانی پیدا کرنے کے لیے فعال ہو مگر افسوس کہ ہمارے دوسرے قومی اداروں کی طرح ایچ ای سی بھی غیر فعال ہے۔کوئی قاعدہ بن جائے چاہے آخر میں یا متن کے اندر یا پاورق میں۔

سوال ۱۶۔ آج کل پچاس پچپن سال کے ادیبوں پر بھی تحقیقی مقالے لکھے جا رہے ہیں۔آج سے دس سال پہلے تو یہ چلن نہیں تھا۔کیا اس حوالے سے قوانین تبدیل ہو گئے؟ آپ کے نزدیک کیا پچاس پچپن سال کی شخصیت پر مقالہ لکھنا جائز ہے؟

جواب: پچاس پچپن سالہ عمر تو دُور کی بات اب تو نومولود ادیبوں پر بھی مقالے لکھے جا رہے ہیں اور کسی معمولی شہرت رکھنے والے ادیب یا شاعر پر اگر کہیں کام نہیں ہوا تو اس کی تلملاہٹ دیدنی ہوتی ہے۔وہ اپنے واقف کار یونی ورسٹی اساتذہ سے باقاعدہ اُلجھتے ہیں کہ دیکھیں فلاں شاعر مجھ سے کم عمر ہے اور فلاں نے میرے بعد میدانِ سخن میں قدم رکھا ہے؛ اس پر فلاں شعبے سے کام ہو گیا ہے اور فلاں یونی ورسٹی میں ہو رہا ہے اور میں مسلسل نظر انداز ہو رہا ہوں۔میں اس چلن کے حق میں نہیں ویسے بھی معاصر لکھنے والوں پر کام معروضی نہیں ہو سکتا۔پھر شخصیات پر تو بالکل غلط انداز کا کام ہوتا ہے۔اگر معاصر

ادب یا اس کے کسی رجحان پر کام ہو اور مختلف لکھنے والوں کا ذکر اس میں آجائے تو بُرا نہیں، اس سے معاصر ادب کے مزاج کو سمجھنے اور اس کی تفہیم کا در وا ہوتا ہے مگر شخصیات پر کام تعصب پر مبنی ہوتا ہے اور صحیح معنوں میں مدلل مداحی پر مشتمل ہوتا ہے مگر اس تن آسانی کا کیا کیا جائے جو آج کے اسکالر اور اساتذہ دونوں کو اپنی گرفت میں لیے ہوئے ہے۔ ایچ ای سی کے ارباب بست وکشاد اور یونیورسٹی کے ذمہ داران کو اس طرف توجہ دینی چاہیے۔

سوال ۱۷۔ اگر کسی پر مقالہ لکھا بھی جائے تو اس ادیب کے مقام اور مرتبہ میں کتنا اضافہ ہوتا ہے؟

جناب: اس کا مقالہ اگر معیاری ہے تو یقیناً کسی ادیب کے کام اور مقام کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ اردو میں کئی شخصیات پر بہت معیاری مقالات لکھے گئے ہیں۔ ڈاکٹر اسلم فرخی کا آزاد پر ڈاکٹر افتخار صدیقی کا مولوی نذیر احمد پر ڈاکٹر مظہر محمود شیرانی کا حافظ محمود شیرانی پر ناہید قاسمی کا ناصر کاظمی پر ڈاکٹر نوازش علی کا فراق پر وغیرہ وغیرہ۔ بری مثالوں کی تعداد تو بوریوں کے حساب سے ہے۔ بعض مقالات تو کسی ادیب یا شاعر کے مقام و مرتبے کو گھٹانے کا سبب بھی ہیں۔ تحقیق کا زوال اور تربیت کی کمی اس کا محرک اوّل ہے۔ اب اگر کوئی ریسرچ اسکالر اپنے موصوف کی توصیف و تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملاتا ہے تو اس سے ممدوح کا مقام و مرتبہ کیا متعین ہوگا، اُلٹا وہ دوسروں سے منہ چھپاتا پھرے گا۔ دراصل کسی تخلیق کار یا ادیب کے مقام و مرتبے کا تعین کرنا کسی ریسرچ اسکالر کا منصب ہی نہیں۔

سوال ۱۸۔ آج کل ''شخصیت اور فن'' اور ''احوال و آثار'' قسم کی تحقیق کا چلن ہے جس پر اہلِ علم اعتراض بھی کرتے رہتے ہیں۔ کیا اُردو ادب میں تحقیق کے لیے سائنسی موضوعات نہیں ہیں؟ اگر تحقیق کا رُخ سائنسی موضوعات کی طرف کیا جائے تو کس قسم موضوعات ہو سکتے ہیں؟

جواب: فن اور شخصیت یا احوال و آثار جیسے عنوانات نسبتاً آسان ہوتے ہیں، اس لیے یونی ورسٹیوں میں ان کا چلن زیادہ ہے۔ نگران بھی خوش، ممدوح بھی اور طالب علم بھی۔ یقیناً اس نوع کے اکثر و بیشتر مقالات کمزور ہوتے ہیں اور اس طرح کے کلیشے سے یونی ورسٹیوں کو باہر نکلنا چاہیے اور دوسرے موضوعات پر کام کرانا چاہیے۔ جہاں تک سائنسی موضوعات کی بات ہے؛ یہ بھی گمراہ کن ہے۔ سائنس اور ادب دو الگ شعبے ہیں، دونوں کے موضوعات ایک سے کیوں کر ہو سکتے ہیں۔ اگر سائنس والوں کے بیس تیس مقالات کو بھی بہ نظر غائر دیکھا جائے تو ان میں بھی ایسی ہی خرابیاں دکھائی دینے لگیں گی۔ چوں کہ طلبہ اور اساتذہ میں تحقیق کا شوق اور ذوق باقی نہیں اس لیے یہ صورت احوال ہے۔ ادب کو سائنس کے زیرِ بار کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس کا اپنا مزاج ہے۔ آج کے مسائل جن سے زبان اور ادب متاثر ہو رہے ہیں ان پر مقالات لکھے جائیں دوسرے علوم و فنون کو ادب کے قریب کیا جائے تو عنوانات کی کمی نہیں۔

سوال ۱۹۔ بعض اوقات کسی شخصیت کی وفات کے بعد منفی اثرات کے حامل مضمون مقالے یکے بعد دیگرے اخبارات و رسائل میں شائع ہونے لگتے ہیں؛ اس رویے پر گفتگو فرمائیں؟

جواب: یہ رویہ انتہائی گھٹیا، نامناسب اور غیر اخلاقی ہے کہ مرنے والے کی برائی کی جائے اور اس کی خامیوں کو اخبارات و رسائل میں اچھالا جائے۔ میرا خیال ہے کہ ایسا اکثر وہی لوگ کرتے ہیں جو دوں ہمت اور پست ذہنیت کے مالک ہوتے ہیں۔ منافقت اور ریا کاری ان کے خمیر میں گندھی ہوتی ہے اور جرات کی کمی کے باعث وہ برسرِ محفل اپنے اندر کی خباثت کو ظاہر نہیں کر سکتے اور اپنی اس ناکامی کو وہ منفی ہتھکنڈوں کے استعمال سے کامیابی میں بدلنے کی سعی کرتے ہیں۔ میں جب اس طرح کی کوئی تحریر دیکھتا ہوں تو لکھنے والے کے بارے میں میرا تاثر بدل جاتا ہے۔ اس روّیے کی روک تھام شاید کسی کے بس کی بات نہیں، ایسے لوگوں کے ضمیر مردہ اور دل حسد سے جلے ہوتے ہیں۔ ایسے لوگ اپنی آگ میں جل جل کر مر جاتے ہیں۔

سوال ۲۰۔ بعض نگران مقالہ طلبہ کو اپنے مطلب کا مثبت یا منفی مواد شامل کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔ اس رُجحان کا سدِّ باب کیسے ممکن ہے؟

جواب: یقیناً یہ منفی رُجحان ہے اور ہماری جامعات میں اس رُجحان کو بڑھاوا دینے والے نام نہاد اساتذہ بھی موجود ہیں۔ دراصل یہ کج نہاد لوگ اپنی علمی کم مائیگی اور کوتاہ دامنی کے باعث خود کچھ کرنے سے قاصر ہوتے ہیں اور ریسرچ اسکالر کے کندھے کو استعمال کر کے اپنے خبثِ باطن کا اظہار کرتے ہیں۔ اس سے سوائے بغض و عناد کے اضافے کے کچھ برآمد نہیں ہوتا اور ایسے مقالے شعبوں کی لائبریریوں میں دھرے گل سڑ جاتے ہیں۔ معاصر ادبی منظر نامے پر بہت کم ان کے اثرات پڑتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے بربنائے بغض جو اعتراض کسی کے فن پر کیا جاتا ہے وہ سوائے معترض کی ذہنی پستی کو ظاہر کرنے کے کوئی دیرپا اثر مرتب نہیں کرتا۔ تحقیقی کام کا اوّل تقاضا بے تعصبی ہے۔ ریسرچ اسکالر اگر متعصب اور جانب دار ہے یا کسی کے بہکانے یا بھڑکانے سے غلط نتائج پیش کرتا ہے تو اس سے اس کی اپنی حیثیت مشکوک اور مسخ ہوتی ہے۔

بہت شکریہ ناشاد صاحب! امید ہے ہمارے انٹرویو کو ذوق شوق سے پڑھا جائے گا۔

☆☆☆☆

کتب خانہ مولانا محمد علی مکھڈی (فتوحات)

[گوشۂ افتخار حافظ]

محمد ثاقب رشید / محمد ساجد نظامی

افتخار احمد حافظ قادری شاذلی۔ایک تعارف

افتخار احمد حافظ قادری کا نام محتاجِ تعارف نہیں۔سفر،مشاہدہ،مطالعہ اور رُوداد نویسی اُن کی زندگی ہے۔دُنیا کے متعدد اسلامی ممالک میں کئی بار سفر کر چکے ہیں۔یہ سفر ہفتوں،عشروں اور مہینوں پر مشتمل رہے۔ان اسفار میں حافظ صاحب نے وہاں مدفون اہل بصیرت وصوفیا اور اہلِ علم حضرات کے مزارات پر حاضری دی۔یہ حاضری صرف رسمی نہ ہوتی۔بل کہ ان حضرات کے مدارج وفضائل حافظ صاحب کے سامنے ہوتے۔وابستگی ودِل بستگی کے عالم میں خانقاہ پر حاضر ہوتے۔اور صاحبِ مزار کی توجہ خاص حاصل کرتے۔

ہر سفر سے واپسی ایک نئے سفرنامے کا عندیہ ہوتا۔اسفار کے اس سلسلے کا آغاز ۱۹۹۸ء سے ہوتا ہے جو ہنوز جاری ہے۔اُن سے ہر ملاقات پر سابقہ سفر پر سفرنامہ کی عطا اور نئے سفروں پر تیاری کے منصوبہ سُننے کو ملتے ہیں۔وہ اپنی دُنیا کے کولمبس ہیں۔لیکن یہ اسلامی دُنیا کا کولمبس ہمیں ہر بار اُن نفوسِ قدسیہ کے احوال وآثار سے رُوشناس کراتا ہے جو انعام یافتگانِ قُدس ہیں۔جن کے ذکر سے دِلوں کی دُنیا آباد ہوتی ہے۔جن کے اقوال کی پیروی سے زندگیوں میں تازگی وتابانی میسر آتی ہے۔

حافظ صاحب ہمیں ہر خانقاہ کی حاضری کا احوال اس انداز سے سُناتے ہیں کہ ہم اُن کے شریکِ سفر ہو جاتے ہیں۔پھر اُن فیوض وبرکات کی پھوار سے ہمارا دامن عصیاں بھیگ بھیگ جاتا ہے۔سبحان اللہ۔یہ وارفتگی یہ کیف آور مناظر حافظ صاحب کے راہوارِ قلم کی دَین ہے۔

۲۲ سالوں کا یہ سفر اب تک ۴۰ سے زائد سفرنامے ہمیں عطا کر چکا ہے۔ان سفرناموں میں پاکستان وافغانستان ،سمرقند وبخارا،ایران وعراق،مصر وشام،کشمیر اور حجاز مقدس کے سفرنامے شامل ہیں۔

سفرنامہ نگاری کے ساتھ ساتھ سرور کائنات،والئ دوجہاں حضرت محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کی بارگاہ بے کس پناہ میں ہدیۂ دُرود وسلام کے متعدد مجموعے مرتب کر چکے ہیں۔

ایں سعادت بہ زورِ بازو نیست

تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

حافظ صاحب کو ہمیشہ کتاب سے اور صاحبِ کتاب سے محبت رہی۔مختلف کتب خانوں میں حاضری اور پھر اُن

کتب خانوں کے لیے کتب کی فراہمی اور دیگر لوازمات کتب خانہ کا اہتمام بھی ان کے مشاغل میں شامل ہے۔ کتب خانہ مولانا محمد علی مکھڈیؒ کے ساتھ اُن کا قلبی لگاؤ ۲۲ سال قبل قائم ہوا۔ جو الحمدللہ آج بھی قائم ہے۔ حافظ صاحب نے نہ صرف اپنی ہر نئی شائع ہونے والی کتاب یہاں بھجوائی بل کہ اپنے ذاتی کتب خانے میں موجود کتب بھی اس کتب خانہ کو تحفۃً پیش کیں۔ یہ اُن کا بڑا اپن ہے۔ بحمدللہ کتب خانہ مولانا مکھڈیؒ میں اُن کے نام کا گوشہ ''گوشۂ افتخار حافظ'' ترتیب دیا گیا ہے۔ جس میں اُن کی عطا کردہ تمام کتب کو ترتیب دے دیا گیا ہے۔ زیر نظر فہرست کتب اسی ''گوشۂ افتخار حافظ'' کی ہے۔ کتب کا یہ بیش بہا خزانہ یقیناً کتب خانہ مولانا مکھڈیؒ میں ایک بہترین اضافہ ہے؛ جو تشنگان علم کی ضرورتوں کو پورا کرے گا۔ انتظامیہ کتب خانہ مولانا مکھڈیؒ جناب افتخار حافظ صاحب کی اس عطا پر اُن کے ممنون ہیں۔ فہرست کتب ملاحظہ ہو۔

1۔ ابو عبداللہ محمد بن سلیمان جزولیؒ، امام

[1] ا۔ دلائل الخیرات

مترجم: مفتی محمد اطہر نعیمی اشرفی	مجلسِ دلائل الخیرات شریف، کراچی	جنوری ۲۰۱۷ء

[2] ۲۔ دلائل الخیرات — تاج کمپنی، لاہور — س۔ن

2۔ ابی الفرج الاصفہانی

[3] ا۔ مقاتل الطالبین [ص ۱ تا ۳۶۲]	امیر، قم	۱۴۱۶ھ
[4] ۲۔ مقاتل الطالبین [ص ۳۶۳ تا ۶۶۲]	امیر، قم	۱۴۱۶ھ

3۔ ابی القاسم اسماعیل ابن محمد الاصبھانی

[5] ا۔ الحجۃ فی بیان الحجۃ و شرح عقیدہ اھل السنۃ — دارالرایۃ — س۔ن

4۔ ابی القاسم علی بن الحسن بن ھبۃ اللہ ابن عساکر

[6] ا۔ فضل اُم المومنین عائشہؓ

دراسۃ وتحقیق: الحسن بن محمد الحدادی | شرکۃ دار البشائر الاسلامیہ، بیروت | ۲۰۰۵ء

5۔ ابی بکر عبد الرزاق بن ہمام الصنعانی

[7]۱۔ المصنف

تحقیق: عیسیٰ بن عبداللہ بن محمد الحمیری

مقدمہ: عبدالحکیم شرف قادری | موسسۃ الشرف، لاہور | ۲۰۰۵ء

6۔ ابی عبداللہ محمد بن محمد بن احمد الغرناطی

[8]۔ الانوار فی نسب آل النبی المختار ﷺ | ستارہ، قم | ۲۰۱۰ء

7۔ احمد بن زینی دحلان مکی شافعیؒ، سید علامہ

[9]۱۔ مختصر منہاج العابدین | مکتبۃ المدینہ، کراچی | ۲۰۱۶ء

8۔ احمد بن محمد مھنا العبید لی

[10]۱۔ التذکرۃ فی الانساب المطہرۃ | ستارہ، قم | ۱۴۲۱ھ

9۔ ارشد سعید کاظمی، سید، شیخ الحدیث

[11]۱۔ اصلاح المؤمنین موحد کی صدا	الاعراف	۱۹۹۹ء
[12]۲۔ بدعت	----	۱۹۹۲ء
[13]۳۔ تسکینِ دل	----	۱۹۹۰ء
[14]۴۔ جانِ کائنات ﷺ کا دل رُبا سراپاد ہوش رُبا حسن	----	س۔ن
[15]۵۔ حرفِ آخر	----	۲۰۱۲ء
[16]۶۔ دُعا بعد نمازِ جنازہ کی شرعی حیثیت	----	۲۰۱۶ء

[17]۷۔ زیارتِ قبور قرآن وحدیث کی

	روشنی میں	----	۱۹۹۲ء
[18] ۸۔	فی زمانہ شرک کی حقیقت	----	س۔ن
[19] ۹۔	محفل ذکر حبیب خدا		س۔ن
[20] ۱۰۔	منفرد مکالمہ	----	۲۰۱۶ء
[21] ۱۱۔	میلاد النبی ﷺ	----	۱۹۹۱ء
[22] ۱۲۔	نہایت حسین مکالمہ	----	س۔ن
10۔	ابی بکر عبداللہ بن سلیمان بن الاشعث السجستانی		
[23] ۱۔	مُسند عائشہؓ دراسۃ وتحقیق: الشیخ عبدالغفور عبدالحق حسین	مکتبۃ دارالاقصی، الکویت	۱۹۸۵ء
11۔	اشرف ظفر، سیدہ، ڈاکٹر		
[24] ۔	تذکرۃ سید میر علی ہمدانی معاورادِ فتحیہ	مشتاق بک کارنر، لاہور	۲۰۱۲ء
12۔	افتخار احمد حافظ قادری		
[25] ۔	ارشاداتِ مرشد	افتخار احمد حافظ قادری، راولپنڈی	جنوری۔۲۰۰۱ء
[26] ۲۔	التفکر والاعتبار فی فضل الصلاۃ والسلام علی سیدنا ومولانا محمد ﷺ	----	نومبر۔۲۰۱۰ء
☆	التفکر والاعتبار فی فضل الصلاۃ والسلام علی سیدنا ومولانا محمد ﷺ	----	۲۰۱۵ء
[27] ۳۔	الصلوات الالفیۃ باسماء خیر البریہ	----	جنوری۔۲۰۱۷
[28] ۴۔	الفیۃ الصلوات علی فخر الموجودات	----	اپریل۔۲۰۱۸ء
[29] ۵۔	بلدہ الاولیاء	----	جون۔۲۰۰۲ء
[30] ۶۔	حیات انور	----	ستمبر۔۲۰۱۸
[31] ۷۔	خزانۂ درود وسلام ﷺ	----	جنوری۔۲۰۰۱ء

[32] ۸۔ دیارِ حبیب ﷺ	----	جون ۲۰۰۱ء
[33] ۹۔ زیارات ازبکستان	----	جنوری ۲۰۱۷ء
[34] ۱۰۔ زیاراتِ اولیائے کشمیر	----	جولائی ۲۰۰۹ء
[35] ۱۱۔ زیاراتِ ایران	----	جنوری ۲۰۱۲ء
[36] ۱۲۔ زیاراتِ ترکی	----	جون ۲۰۰۸ء
[37] ۱۳۔ زیارتِ حبیب ﷺ	----	دسمبر ۲۰۰۰ء
[38] ۱۴۔ زیاراتِ شام	----	جنوری ۲۰۰۳ء
☆ زیاراتِ شام	----	جون ۲۰۱۷ء
[39] ۱۵۔ زیاراتِ عراق واُردن	----	جولائی ۲۰۱۳ء
[40] ۱۶۔ زیاراتِ مدینہ منورہ	----	مئی ۲۰۰۸ء
[41] ۱۷۔ زیاراتِ مراکش	----	مارچ ۲۰۰۸ء
[42] ۱۸۔ زیاراتِ مصر	----	مئی ۲۰۰۸ء
[43] ۱۹۔ زیاراتِ مقدسہ	----	۱۹۹۹ء
[44] ۲۰۔ زیاراتِ مقدسہ	----	اگست ۲۰۰۰ء
[45] ۲۱۔ سرزمین انبیاء واولیاء	----	اپریل ۲۰۰۲ء
[46] ۲۲۔ سرکارِ غوثِ اعظمؓ	----	اگست ۲۰۰۲
[47] ۲۳۔ سیدنا ابوطالبؓ	----	مارچ ۲۰۱۸ء
[48] ۲۴۔ سیدنا حمزہ بن عبدالمطلبؓ	----	نومبر ۲۰۱۶ء
[49] ۲۵۔ سید یعقوب علی شاہؒ	----	اگست ۲۰۱۹ء
[50] ۲۶۔ شانِ بتولؓ بزبانِ رسول ﷺ	----	۲۰۱۵ء
[51] ۲۷۔ شانِ خلفائے راشدینؓ بزبانِ سید المرسلین ﷺ	----	مئی ۲۰۱۶ء
[52] ۲۸۔ شانِ علیؓ بزبانِ نبی ﷺ	----	اپریل ۲۰۱۶ء
[53] ۲۹۔ شاہِ حبشہ حضرت اصحمۃ النجاشیؓ	----	فروری ۲۰۱۷ء
[54] ۳۰۔ شہزادیٔ کونین علیہا السلام	----	نومبر ۲۰۱۸ء

[55] ۳۱۔ صلاۃ وسلام برائے زیارات خیر الانام	----	مارچ۔۲۰۱۷ء
[56] ۳۲۔ عظائم الصلوات والتسلیمات	----	اپریل۔۲۰۱۶ء
☆ عظائم الصلوات والتسلیمات	----	مئی۔۲۰۱۶ء
[57] ۳۳۔ فضیلتِ اہلِ بیت نبوی ﷺ	----	اگست۔۲۰۰۵ء
[58] ۳۴۔ قصائدِ غوثیہ	----	جنوری۔۲۰۰۲ء
[59] ۳۵۔ گلدستہ قصائد مبارکہ فی مدح الحبیب	----	جولائی۔۲۰۰۱ء
[60] ۳۶۔ مناقب والدین مصطفیٰ کریم ﷺ	----	مئی۔۲۰۱۸ء
[61] ۳۷۔ مومنین کی مائیں	----	فروری۔۲۰۱۹ء
[62] ۳۸۔ ھدیۂ درود وسلام	----	جون۔۲۰۱۳ء

13۔ انس یعقوب الکتبی الحسنی

[63] ا۔ الاصول فی ذریۃ البضعۃ البتول	دار المجتبیٰ، مدینۃ المنورۃ	۱۹۹۹ء

14۔ انوار المصطفیٰ ہمدمی

[64] ا۔ تاجدارِ بھنگالی شریف	چشتی کتب خانہ	۲۰۱۸ء

15۔ الیاس محمد بیگی

[65] ا۔ فُروغی از کوثر (زندگی نامہ حضرت فاطمہ معصومہ)	مرکز بخش، قم	۱۳۹۰

16۔ بدیع الزماں فروزانفر

[66] ا۔ زندگی مولانا جلال الدین محمد	انتشارات زوار، تہران	۱۳۸۶

17۔ بلال رشید

[67]ا۔ مرج البحرین (نعتیں، مناقب، سلام) اظہار سنز، لاہور ۲۰۱۷ء

18۔ تنویر المصطفیٰ قادری اویسی، مخدوم (مترجم)

[68]ا۔ ینابیع المودة لذوی القربیٰ

از: شیخ سلیمان بن ابراہیم مصطفائی پبلی کیشنز، گجرات اپریل۔۲۰۱۵ء

19۔ جابر عناصری، ڈاکٹر

[69]ا۔ سلطان علی بن موسیٰ الرضا انتشارات آستان قدس رضوی، مشہد ۱۳۹۳

20۔ جاوید احمد سروری قادری، ڈاکٹر

[70] جلوہ گاہ (Sufi Light)

مترجم: شیر افگن ملک سروری قادری مکتبہ جدید ۲۰۱۷ء

21۔ جعفر الاعرجی الحسینی النجفی البغدادی

[71]ا۔ مناھل الضرب فی انساب العرب مکتبہ سماحۃ آیۃ اللہ العظمی، قم ۱۳۹۰ھ

22۔ جعفر بن حسن بن عبدالکریم برزنجی، سید

[72]ا۔ سید الشہدا

مترجم: علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری ادارۂ مسعودیہ، کراچی ۱۹۹۶ء

23۔ جعفر حسین، علامہ مفتی

[73]ا۔ نہج البلاغہ [ترجمہ و حواشی] امامیہ پبلی کیشنز، پاکستان س۔ن

24۔ جلال الدین احمد امجدی، مولانا

[74] ۱۔ سیرت سیدنا امیر معاویہؓ — مرکزی مجلسِ رضا، لاہور — ۲۰۱۴ء

25۔ جلال الدین سیوطیؒ، امام الحافظ

[75] ۱۔ فضائل اہل بیت علیہم السلام
مترجم: مولانا مفتی ابوبکر — منادی پبلی کیشنز، اسلام آباد — س۔ن

[76] ۲۔ مسند ام المومنین عائشہؓ من
جوامع الکبیر فی الحدیث — دار السلفیۃ، ممبئی — ۱۹۸۱ء

26۔ جمیل احمد رضوی، سید

[77] ۱۔ پنجاب میں سلسلۂ چشتیہ
کی تجدید و ارتقاء (۱۸ویں، ۱۹ویں صدی میں) — دائرۃ الفیض گنج بخش، لاہور — ۲۰۱۹ء

27۔ حامد علی علیمی، ڈاکٹر

[78] ۱۔ حضرت امیر معاویہؓ کی شان — دائرۃ الفیض گنج بخش، لاہور — ۲۰۱۹ء

28۔ حسن بصری

[79] ۱۔ فضائل مکہ والسکن فیھا
تحقیق: ڈاکٹر سامی مکی العانی — مکتبۃ الفلاح، کویت — س۔ن

29۔ حسنین محی الدین گیلانی حموی، سید

[80] ۱۔ تذکرۃ القادریہ فی انوار البغدادیہ — ناشر: سید حسنین محی الدین گیلانی حموی — ۲۰۱۷ء

30۔ حسین بن عبداللہ الحسینی السمرقندی

۱[81]۔ تحفۃ الطالب — مکتبہ سماحۃ آیۃ اللہ العظمی — ۱۳۸۹ھ

31۔ حمزہ بن حامد بن بشیر القرعانی

۱[82]۔ فضائل ام المومنین عائشہؓ — دار السندس، مدینہ منورہ — ۱۴۲۸ھ

32۔ خالد سیف اللہ رحمانی، مولانا

۱[83]۔ داعش یا خوارج — مجلس تحقیقات اسلامی، نوشہرہ — س۔ن

33۔ خلف بن بشکوالؒ، امام ابوالقاسم

۱[84]۔ القربہ الی رب العالمین
مترجم: مولانا محمد عباس رضوی — کاروان اسلام پبلی کیشنز، لاہور — ۲۰۰۱ء

34۔ دوست محمد قادری چشتی، فقیر

۱[85]۔ دجال آنے والا ہے!
(حالات حاضرہ کی روشنی میں) — تحریک تاجدار ختم نبوت، جالو منڈی (مانسہرہ) — س۔ن

۲[86]۔ کنز النبی رحمت میلاد النبی ﷺ — جامعہ اسلامیہ عربیہ مدینۃ العلوم، جالو منڈی (مانسہرہ) — س۔ن

۳[87]۔ گستاخان رسول عربی اور مرزا غلام احمد قادیانی علیہ لعنۃ — جامعہ اسلامیہ عربیہ مدینۃ العلوم، جالو منڈی (مانسہرہ) — س۔ن

۴[88]۔ مرزا غلام کذاب قادیانی — تحریک تاجدار ختم نبوت، جالو منڈی (مانسہرہ) — جنوری ۲۰۱۸ء

35۔ دین محمد، شیخ

۱[89]۔ شجرۂ نسب چشتیہ خاندان — تحقیقات، لاہور — ۱۴۳۸ھ

۲[90]۔ ظہور النبی ﷺ — تحقیقات، لاہور — ۲۰۰۸ء

36۔ دین محمد ضمیر

[91]۱۔	کتاب معرفت	کتاب مرکز، فیصل آباد	۲۰۱۲ء
[92]۲۔	گلستانِ فیضان	کتاب مرکز، فیصل آباد	۲۰۱۲ء

37۔ رضا محمدی

[93]۱۔	شیخ ابوالحسن خرقانی		۱۳۹۵

38۔ سائد بکداش

[94]۱۔	فضل الحجر الاسود و مقام ابراہیم علیہ السلام	دار البشائر الاسلامیہ، بیروت۔ لبنان	۱۴۲۶ھ
[95]۲۔	فضل ماءِ زمزم	دار البشائر الاسلامیہ، بیروت۔ لبنان	۱۴۲۱ھ

39۔ سرودۂ مریم پارساخو

[96]۱۔	در آستان عصمت	انتشارات زائر آستانہ مقدسہ، قم	۱۳۸۹

40۔ سیف بن محمد بن یعقوب الھر وی

[97]۱۔	تاریخ نامۂ ہرات مترجم: پروفیسر سلطان الطاف علی	کوئٹہ	۱۹۸۵ء

41۔ شاہ دل اعوان

[98]۱۔	مشاہیر سون [ج۔۱]	ادارہ افکار الاعوان، پاکستان	مارچ۔۲۰۱۵ء

42۔ شریف احمد شرافت نوشاہی، سید

[99]۱۔	اعجاز التواریخ ترتیب و تدوین: عارف نوشاہی	دار الاسلام، لاہور	۲۰۱۸ء

43۔ شعیب سرور، مولانا

(100) ۱۔ حضرت عائشہؓ کے سو ۱۰۰ قصے — بیت العلوم، لاہور — س۔ن

44۔ شمس بریلوی، علامہ (مترجم)

(101) ۱۔ قصیدہ غوثیہ (منظوم ترجمہ)

حاضرہ عصر کے محقق علمائے کرام کا نادر تحفہ — مکتبۂ نوریہ رضویہ، سکھر — س۔ن

45۔ شوزیب کاشر

(102) ۱۔ خمیازہ — رُمیل ہاؤس آف پبلی کیشنز، راولپنڈی — اگست۔۲۰۱۸ء

46۔ شیخ مفید، حضرت علامہ

(103) ۱۔ امالی شیخ مُفید

[مترجم: سید منیر حسین رضوی] — س۔ن

47۔ صالح بن محمد العطا

(104) ۱۔ حبیبۃ الحبیب ام المومنین عائشہؓ — الکویت — ۲۰۰۸ء

48۔ صفدر رضا قادری، علامہ

(105) ۱۔ تذکرہ سادات بخاریہ — شکھ چین ہاؤس، لالہ موسیٰ — ۲۰۱۶ء

49۔ صفر فلاحی

(106) ۱۔ ھدیہ معصومہ — انتشارات زائر، قم — ۱۳۸۶

50۔ ضیاء الدین نقشبندی، سید مفتی

[107] ا۔ شب معراج فضائل وعبادات — مجلس رضا، لاہور — ۲۰۱۹ء

51۔ ظفر اقبال، مولانا (مترجم)

[108] سیرت سیدہ عائشہ صدیقہؓ — داالمعرفۃ، لاہور — س۔ن

52۔ ظفر القادری بکھروی، علامہ

[109] ا۔ الاحادیث الراویۃ لمدح الامیر معاویہ — مکتبہ اہل سنت، حیدرآباد — ۲۰۱۹ء

53۔ عابد حسین شاہ پیرزادہ

[110] ا۔ تذکرہ سنوسی مشائخ — دائرالاسلام، لاہور — ستمبر۔۲۰۱۷ء

54۔ عاطف عبدالمعز الفیومی

[111] ا۔ القول الجلی فی فضائل ام المومنین عائشہ والخلیفہ علی — مکتبة طریق المصلحی — ۲۰۱۱ء

55۔ عباس قمی، شیخ، محدث

[112] ا۔ منتہی الآمال احسن المقال سیرت معصومین [ج۔۱] مترجم: سید صفدر حسین نجفی — امامیہ پبلی کیشنز، لاہور — فروری۔۲۰۱۱ء

[113] منتہی الآمال احسن المقال سیرت معصومین [ج۔۲] مترجم: سید صفدر حسین نجفی — امامیہ پبلی کیشنز، لاہور — ستمبر۔۲۰۱۵ء

56۔ عبدالرحمٰن براہوئی، ڈاکٹر

[114] ا۔ بلوچستان میں صحابہ کرامؓ — براہوئی اکیڈمی، پاکستان — ۲۰۰۴ء

57۔ عبدالعزیز خالقی

[115] ا۔ زندگانی ملکہ عفت
ام المومنین عائشہؓ

58۔ عبدالحمید اطہر (مترجم)

[116] ا۔ فضائل امہات المومنین کا
تذکرۂ عنبریں — مبرۃ الآل والاصحاب — س۔ن

59۔ عبدالحمید محمود طہماز

[117] ا۔ السیدۃ عائشۃ اُمّ المومنین
وعالمۃ نساء الاسلام — دارالقلم، بیروت — ۱۹۹۴ء

60۔ عبدالحق انصاری

[118] ا۔ درود وسلام کی چند عربی کتب — بہاء الدین زکریا لائبریری، چکوال — ۲۰۱۴ء

61۔ عبدالعزیز محدث دہلوی، حضرت علامہ

[119] ا۔ سر الشہادتین (عربی مع ترجمہ) — مطبع مجتبائی، دہلی — ۱۳۰۹ھ

[120] ۲۔ شہادت حسین ترجمہ سر الشہادتین
مترجم: مولانا ریاض احمد صمدانی — ادارہ محی الدین، برطانیہ — جنوری ۲۰۱۰ء

62۔ عبدالغفار شاہ کشمیریؒ، حضرت پیر

[121] ۱۔ عشرہ کاملہ درود شریف — مکتبہ حنفیہ، لاہور — ۲۰۱۴ء

63۔ عبداللہ ابوالسعود بدر

[122] ۱۔ تفسیر ام المومنین عائشہؓ — دار عالم الکتب، ریاض — ۱۹۹۶ء

64۔ عبدالمحسن بن حمد العباد

[123] ۱۔ من أقوال المنصفين في الصحابي الخليفة معاويةؓ — مرکز شؤون الدعوۃ — س۔ن

[124] ۲۔ عقیدہ اہل السنۃ والجماعۃ فی الصحابۃ الکرامؓ — س۔ن

65۔ عبدالمقصود محمد سالم، الشیخ

[125] ۱۔ انوار الحق — ناشر: افتخار احمد حافظ قادری — ۲۰۱۰ء

66۔ علی بن حمد بن محمد التمیمی

[126] ۱۔ الامامان الحسن المثنی وابنہ عبداللہ سیرۃ عطرۃ وتاریخ مشرق — مکتبۃ الکویت، کویت — ۲۰۱۱ء

67۔ علی رضا نقوی، سید، ڈاکٹر

[127] ۱۔ فرہنگ جامع (فارسی بہ انگلیسی و اُردو) — منزہ پرائیوٹ لمیٹڈ، اسلام آباد — ۱۳۷۲

68۔ فیض الامین فاروقی سیالوی، صاحبزادہ پیر

[128]ا۔ انفس التواریخ (تعلیقات سالہائے وفات) — دائرالاسلام، لاہور — ۲۰۱۸ء

69۔ قاضی دحلان مکیؒ

[129]ا۔ اسنیٰ المطالب فی نجات ابی طالب (مترجم: صائم چشتی) — چشتی کتب خانہ، فیصل آباد — ۲۰۰۷ء

70۔ ع۔م۔چوہدری

[130]ا۔ دیدارِ مصطفیٰ ﷺ اور درودِ مصطفیٰ — درود محل، بہاول پور — جون۔۲۰۱۷ء

71۔ غلام حسین قادری

[131]ا۔ اَلصَّوَارِمُ الْحَیْدَرِیَّہ عَلٰی مَنْحَرِ طَاعِنُ مُعَاوِیَہ — پراگریسو بکس، لاہور — ۲۰۱۹ء

72۔ غلام قادر بھیروی، مولانا

[132]ا۔ اسلام کی گیارہ کتابیں (ساتویں کتاب) — مرکزی مجلسِ رضا، لاہور — س۔ن

73۔ فائزہ زہرا میرزا، دکتر

[133]ا۔ حرفِ دل

میری دو زندگی واقعار دکتر محمد حسین تسبیحی (رہا) — ناشر: دکتر فائزہ زہرا میرزا — ۲۰۱۲ء

74۔ قمر الزماں خاں اعظمی، علامہ

[134]ا۔ وداعِ تاج الشریعہ — مرکزی مجلسِ رضا، لاہور — ۲۰۱۹ء

75۔ قمر عباس الاعرجی الحسینی الھمدانی، السید الشریف

[135] ا۔ مُدرک الطالب فی نسب آل ابی طالب (معارف الانساب) — کریم پبلی کیشنز، لاہور — ۲۰۱۷ء

76۔ گل احمد گیلانی رزاقی سدروی، سید

[136] ا۔ تذکرہ خاندان گیلانیہ رزاقیہ حمویہ (کوڈینار شریف، ہند) — خانقاہ قادریہ رزاقیہ، کراچی — ۲۰۱٦ء

77۔ محمد اسرار مدنی

[137] ا۔ اسلام، جمہوریت اور آئین پاکستان — مجلسِ تحقیقات اسلامی، نوشہرہ — س۔ن

[138] ۲۔ راہِ اعتدال — مجلسِ تحقیقاتِ اسلامی، نوشہرہ — س۔ن

78۔ محمد اسماعیل آزاد، ڈاکٹر

[139] ا۔ امام حسنؓ حیات و تعلیمات — کتاب میلہ — ۲۰۱۸ء

79۔ محمد اعظم، میاں

[140] ا۔ باقی نامہ (شعری) — فرہاد پبلی کیشنز، راولپنڈی — ۲۰۱۷ء

80۔ محمد اقبال

[141] ا۔ قرآن پاک کی آیات کی روشنی میں ایمان بالرسول ﷺ کے لوازمات — س۔ن

81- محمد المُعطی اَلشَرقاوی، الشیخ العلامہ

[142]۱- اَلفَزَعُ اِلَی الدَّائِرَۃِ المُصْطَفَوِیَّۃ ﷺ
ترحیب نو: الفقار احمد حافظ قادری — المکتبۃ القادریۃ، الپاکستان — س-ن

82- محمد امیر شاہ قادری، فقیر

[143]۱- تذکرہ علماء و مشائخ سرحد (ثانی) — مکتبۃ الحسن، یکہ توت، پشاور — ۱۳۸۳ھ

83- محمد برکت علی لودھیانوی، ابوانیس

[144]۱- انوار البرکت (خصوصی اشاعت) — کیمپ دارالاحسان، فیصل آباد — ۱۴۳۹ھ
[145]۲- انوار البرکت — کیمپ دارالاحسان، فیصل آباد — رجب ۱۴۴۰ھ
[146]۳- انوار البرکت (خصوصی اشاعت) — کیمپ دارالاحسان، فیصل آباد — رمضان ۱۴۴۰ھ

84- محمد بن احمد الحسینی النجفی

[147]۱- بحر الانساب — دار المجتبیٰ، المدینۃ المنورۃ — ۱۹۹۹ء

85- محمد جی اے حق چشتی، علامہ (غلام عبدالحق)

[148]۱- حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا
زمین پر اُترنا (بحوالہ حسن المہدی اپنی حیات المسیح) — محمود برادرز پرنٹرز، راولپنڈی — ۲۰۱۸ء

86- محمد سعید شبلیؒ، مولانا

[149]۱- احسن الکلام فی فضائل
الصلوٰۃ والسلام — دار الفیض گنج بخش، لاہور — ۲۰۱۷ء

87۔ محمد سرور خان اعوان

[150] ۱۔ تاریخ اعوان	الفیصل ناشران، لاہور	۲۰۰۹ء
[151] ۲۔ وادیٔ سون سکیسر	الفیصل ناشران، لاہور	۲۰۰۷ء

88۔ محمد شریف، جسٹس (ر) خواجہ

[152] ۱۔ بے ربط یادیں	الفیصل ناشران، لاہور	۲۰۱۶ء
[153] ۲۔ سفرنامہ کیلگری (کینیڈا اور برطانیہ)	الفیصل ناشران، لاہور	۲۰۱۵ء
[154] ۳۔ شاخ نازک کے آشیانے (سفرنامہ)	الفیصل ناشران، لاہور	۲۰۰۴ء
[155] ۴۔ کچھ رعنائیاں (برطانیہ اور فرانس)	الفیصل ناشران، لاہور	۲۰۱۴ء
[156] ۵۔ گراں خواب چینی (سفرنامہ)	الفیصل ناشران، لاہور	۲۰۱۳ء
[157] ۶۔ فرعونوں کے دیس میں	الفیصل ناشران، لاہور	۲۰۱۷ء
[158] ۷۔ وادیٔ جنت نظیر کشمیر (سفرنامہ)	الفیصل ناشران، لاہور	۲۰۰۷ء

89۔ محمد ظفر ذبیح

[159] ۱۔ فیض قمر الاولیاء	چکڑالہ شریف، میانوالی	۲۰۰۹ء
[160] ۲۔ گلدستۂ ذبیح وظیفۂ قمریہ	چکڑالہ شریف، میانوالی	۲۰۱۵ء

90۔ محمد عباس حسنی گیلانی، سید

[161] ۱۔ انوارِ آلِ حسن علیہ السلام	الرضا پرنٹنگ، بھکر	۲۰۱۷ء

91۔ محمد عبدالرؤف بن علی المناوی

[162] ۱۔ سیدۃ نساء اہل الجنۃ فاطمۃ الزہراء		س۔ن

92۔ محمد عثمان رضوی

[163]ا۔ سفرِ عقیدت (زیارات مقدسہ، اسلامی عراق)	البدر ایکسپریس ٹریول لمیٹڈ، لاہور	۲۰۱۷ء

93۔ محمد کاظم الیمانی، سید

[164]ا۔ النفحة العنبریه فی انساب خیر البریة	مطبعۃ حافظ، قم	۱۴۱۹ھ

94۔ محمد مُحب اللہ نوری، صاحبزادہ

[165]ا۔ سفرِ محبت (بصیرپور شریف سے بغداد شریف تک)	فقیہ اعظم پبلی کیشنز، بصیرپور (اوکاڑہ)	۲۰۰۲ء

95۔ محمد مسعود قادری، علامہ

[166]ا۔ سیدہ عائشہ صدیقہؓ کے سو ۱۰۰ واقعات	اکبر بک سیلرز، لاہور	س۔ن

96۔ محمد منشا تابش قصوری

[167]ا۔ سیدنا ابوطالبؓ	خانقاہ عالیہ قادریہ رزاقیہ، سدرہ شریف	۲۰۱۷ء

97۔ محمد نجم الامین عروس فاروقی (صاحبزادہ)

[168]ا۔ اخلاقِ مشتاق	دارالاسلام، لاہور	۲۰۱۹ء

98۔ محمد نعیم اللہ نوری (صاحبزادہ)

[169]ا۔ اویس قرنیؓ کے دیس میں (سفرنامہ یمن)	فقیہ اعظم پبلی کیشنز، بصیرپور (اوکاڑہ)	۲۰۰۹ء

99۔ محمد ھادی امینی

[170] گوھرِ قم (زندگی نامہ حضرت فاطمہ معصومہ علیہا السلام) (مترجم: سید مرتضی سیفی)	مرکز پخش: قم، میدان شھداء	۱۳۸۳

100۔ محمد یٰسین چغتائی

[171] ۱۔ حیاتِ کاشغریؒ	ناشر: محمد یٰسین چغتائی	۲۰۱۸ء

101۔ محمد یامین

[172] ۱۔ جانبِ حرمین شریفین	باب مدینہ پبلی کیشنز، کراچی	۲۰۱۵ء
[173] ۲۔ ذکرِ رسول ﷺ	کراچی	۲۰۱۷ء
[174] ۳۔ مدینۃ النبی ﷺ	جہانِ حمد پبلی کیشنز، کراچی	۲۰۱۹ء

102۔ مجتبیٰ گیلانیؒ، سید

[175] ۱۔ عین التصوف ترتیب وتدوین: پیر محمد طاہر حسین قادری	کتابخانہ ابن کرم، خانقاہ منگانی شریف	جون۔۲۰۱۷ء
[176] ۲۔ ترتیب وتدوین: پیر محمد طاہر حسین قادری فارسی متن [عکسِ مخطوطہ] مخزونہ لائبریری عجائب گھر، لاہور	کتابخانہ ابن کرم، خانقاہ منگانی شریف	جون۔۲۰۱۷ء

103۔ محمود شلبی

[177] ۱۔ حیاۃ عائشہ اُم المؤمنین	دارالجلیل	۱۹۹۸ء

104۔ محمود نظامانی

[178] ۱۔ تعارف وتذکرہ حضرت سید بلاول شاہ نورانی سرکار	کھارادر، کراچی	۲۰۰۹ء

	کتاب	ناشر	سن
105۔	**مسرت رحمٰن، پروفیسر**		
(179) ۱۔	یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا	محمود برادرز، راولپنڈی	۲۰۱۸ء
106۔	**منیر الحق، پروفیسر ڈاکٹر**		
(180) ۱۔	چہل احادیث نبوی ﷺ	احباب پبلشرز، لاہور	۲۰۱۸ء
107۔	**مھدی الرجائی، العلامۃ السید**		
(181) ۱۔	المعقبون من آل ابی طالب [ج ۱]	مرکز تحقیقات کمپیوتری علوم اسلامی	س۔ن
(182) ۲۔	المعقبون من آل ابی طالب [ج ۱]	مؤسسۃ عاشوراء، قم	۱۴۲۷ھ
108۔	**مھدی علوی، سید**		
(183) ۱۔	توحید اور حقوق والدین مترجم: جاوید اقبال قزلباش	راولپنڈی	۱۴۳۲ھ
109۔	**وہاب اشرفی، پروفیسر**		
(184) ۱۔	کاشف الحقائق ایک مطالعہ	پورب اکادمی، اسلام آباد	مارچ۔۲۰۱۵ء
110۔	**یحییٰ نعمانی**		
(185) ۱۔	جہاد اور عصر حاضر	مجلس تحقیقات اسلامی، نوشہرہ	س۔ن
111۔	**یوسف بن اسماعیل النبہانیؒ، علامہ قاضی**		
(186) ۱۔	افضل الصلوات علی سید السادات ﷺ		س۔ن

ا۔ حضرت سیدنا اُمیر معاویہؓ پر فارسی کتب ورسائل[ج ا]

[187] ☆سیری درانذگانی اُمیر معاویہؓ

[188] ☆دیدگاہ منصفان دربارہ سیدنا معاویہؓ

[189] ☆سیدنا معاویہؓ شاگرد مکتب نبوت وکاتب وحی

[190] ☆نگاہی کتاب احتجاج (مصطفیٰ صادقی)

[191] ☆تحلیل شخصیت معاویہؓ براساس گزارش ھائے تاریخی حکومت اُو

[192] ☆نقد وبررسی مباحث تاریخی نامے درترجمہ ھادشرح ہائے نہج البلاغۃ

[193] ☆معاویہؓ رابہتر بشناسیم

[194] ۲۔ صحابی رسول ﷺ حضرت سیدنا امیر معاویہؓ کے بارے میں متفرق مواد[ج ۲]

۳۔ حضرت سیدنا اُمیر معاویہؓ پرعربی کتب ورسائل

[195] ☆حلم معاویہؓ[تالیف:ابن ابی الدنیا]

[196] ☆الأحادیث النبویہ فی فضائل معاویہؓ[تالیف:محمد الامین الشنقیطی]

[197] ☆اسکات الکلاب العاویہ بفضائل خال المؤمنین معاویہؓ [جمع:ابی معاذ محمود بن امام بن منصور]

۴۔ حضرت سیدنا اُمیر معاویہؓ پرعربی کتب ورسائل[ج ۳]

[198] ☆تنزیہ خال المؤمنین معاویہؓ من الظلم والفسق فی مطالبۃ بدم امیر المؤمنین عثمانؓ [تالیف:محمد بن الحسین بن خلف الفراء]

[199] ☆الناھیۃ عن طعن امیر المؤ منین معاویہؓ [تالیف:عبدالعزیز بن احمد بن حامد البرھاروی]

[200] ☆خال المؤمنین معاویہؓ[تالیف:ابی عبداللہ حمزہ النایلی]

[201] ☆الصحابۃ وماتھم الصحابی معاویہؓ فی کتابات المعاصرین شبھات وردود[اعداد الدکتور أمین عمر]

[202] ☆فضائل الصحابی الجلیل سیدنا معاویہؓ[أعداد۔خالد یونس الخالدی]

۵۔ حضرت سیدنا اُمیر معاویہؓ پرعربی کتب ورسائل[۵]

[203] ☆البدایۃ النھایۃ (الجزء الحادی عشر)

[تالیف: ابن کثیر الدمشقی]

۶۔ حضرت سیدنا اُمیر معاویہؓ پر اُردو کتب ورسائل

204) ☆ حضرت امیر معاویہؓ [حضرت پیر غلام دستگیر نامی]

205) ☆ عظمت حضرت امیر معاویہؓ [مولانا مفتی محمد سعید قادری]

206) ☆ فضائل حضرت امیر معاویہؓ [قاضی غلام محمود ہزاروی]

207) ☆ حضرت امیر معاویہؓ اُمت کی نظر میں [غلام مصطفیٰ مجددی]

208) ☆ سیدنا امیر معاویہؓ [از افادات: مولانا محمد سردار قادری]

209) ☆ سیدنا امیر معاویہؓ [سید محمد عرفان مشہدی]

210) ☆ اختلاف سیدنا علیؓ وسیدنا معاویہؓ [شاہ عبدالقادر بدایونی]

211) ☆ حضرت امیر معاویہؓ خلیفہ راشد [سید محمد ہاشمی میاں]

۷۔ حضرت سیدنا اُمیر معاویہؓ پر اُردو کتب ورسائل

212) ☆ دفاع حضرت امیر معاویہؓ [علامہ عبدالعزیز پرہارویؒ]

213) ☆ حضرت امیر معاویہؓ پر ایک نظر [مفتی احمد یار نعیمی]

214) ☆ تعارف سیدنا امیر معاویہؓ [علامہ محمد علی شیرازی]

215) ☆ حضرت امیر معاویہ کے حق میں اہل بیت رسول ﷺ کا فیصلہ [سیدنا محمد باقر شاہ بخاری]

216) ☆ تصحیح العقیدہ فی باب امیر معاویہؓ [ترتیب: سید حسین شاہ حیدر مارہروی] ترجمہ: شاہ حسین گردیزی

217) حضرت حسن المثنیٰؒ ۔ متفرقات

218) عمر عائشہ پر ایک تحقیقی نظر الرحمن پبلشنگ ٹرسٹ، کراچی س۔ن

219) آئین ودستور درگاہ ولنگر غوثیہ گولڑہ شریف

220) امتزاج [شمارہ ۱۔ جنوری ۔ جون ۲۰۱۴ء] شعبۂ اُردو، جامعہ کراچی

221) بشارر [فروری، ۲۰۱۹ء] تلاشِ حق فاؤنڈیشن، کراچی

222) بشارر [جولائی ۔ اگست، ۲۰۱۹ء] تلاشِ حق فاؤنڈیشن، کراچی

223) بُنیاد [جلد ۷ ۔ ۲۰۱۶ء] لاہور یونیورسٹی آف مینجمنٹ سائنسز، لاہور

224) پیام رومی [خصوصی اشاعت] سہ ماہی کتابی سلسلہ، کراچی

225) جہانِ رضا [فروری ۔ ۲۰۱۹] مرکزی مجلسِ رضا، لاہور

226) جہانِ رضا [مارچ ۔ ۲۰۱۹] مرکزی مجلسِ رضا، لاہور

[227]	جہانِ رضا[اپریل۔۲۰۱۹]	مرکزی مجلسِ رضا، لاہور
[228]	جہانِ رضا[مئی ۔۲۰۱۹]	مرکزی مجلسِ رضا، لاہور
[229]	جہانِ رضا[جون۔جولائی۔۲۰۱۹]	مرکزی مجلسِ رضا، لاہور
[230]	سوئے حجاز[جولائی۔۲۰۱۸ء]	کاروان اسلام جامعہ اسلامیہ۔لاہور
[231]	سوئے حجاز[فروری۔۲۰۱۹ء]	کاروان اسلام جامعہ اسلامیہ۔لاہور
[232]	سوئے حجاز[اپریل۔۲۰۱۹ء]	کاروان اسلام جامعہ اسلامیہ۔لاہور
[233]	سوئے حجاز[جون۔۲۰۱۹ء]	کاروان اسلام جامعہ اسلامیہ۔لاہور
[234]	سوئے حجاز[جولائی۔۲۰۱۹ء]	کاروان اسلام جامعہ اسلامیہ۔لاہور
[235]	شمس الاسلام[مارچ۔اپریل،۲۰۱۹ء]	مجلس مرکزیہ حزب الانصار۔بھیرہ(سرگودھا)
[236]	شمس الاسلام[جنوری،۲۰۲۰ء]	مجلس مرکزیہ حزب الانصار۔بھیرہ(سرگودھا)
[237]	ضیائے حرم[فروری۔۲۰۱۹ء]	خیابان کرم، اسلام آباد
[238]	ضیائے حرم[مارچ۔۲۰۱۹ء]	خیابان کرم، اسلام آباد
[239]	ضیائے مہر[شوال المکرم۔ذیقعدہ۔ذوالحج]	گولڑہ شریف، اسلام آباد
[240]	معارفِ اولیاء[جلد ۱۳، شمارہ ۲۔اپریل تا جون ۲۰۱۵ء]	محکمہ اوقاف و مذہبی امور حکومتِ پنجاب
[241]	نور الاسلام[جولائی۔۲۰۱۸ء]	آستانہ عالیہ شیر ربانی، شرقپور شریف۔شیخوپورہ
[242]	نور الاسلام[مارچ۔۲۰۱۹ء]	آستانہ عالیہ شیر ربانی، شرقپور شریف۔شیخوپورہ
[243]	نور الاسلام[اپریل۔۲۰۱۹ء]	آستانہ عالیہ شیر ربانی، شرقپور شریف۔شیخوپورہ
[244]	نور الاسلام[مئی۔۲۰۱۹ء]	آستانہ عالیہ شیر ربانی، شرقپور شریف۔شیخوپورہ
[245]	نور الاسلام[جون۔۲۰۱۹ء]	آستانہ عالیہ شیر ربانی، شرقپور شریف۔شیخوپورہ
[246]	نور الاسلام[جولائی۔۲۰۱۹ء]	آستانہ عالیہ شیر ربانی، شرقپور شریف۔شیخوپورہ
[247]	نور الاسلام[اگست۔۲۰۱۹ء]	آستانہ عالیہ شیر ربانی، شرقپور شریف۔شیخوپورہ

☆☆☆☆

NIZAMIA DAR-UL-ISHA'AT KHANQAH-E-MO'ALLA
HAZRAT MOLANA MUHAMMAD ALI MAKHADI (R.A).
MAKHAD SHAREEF (ATTOCK)